بھارت ٹوٹ جائے گا!
طارق اسمٰعیل ساگر

انتساب

نوجوان نسل

کے

نام

جس کی تباہی کا ہر ممکن سامان

پیدا کیا جا رہا ہے لیکن بدترین حالات میں بھی جو عزم

اور حوصلے سے پاکستان کی امید بنی ہوئی ہے

ترتیب

پیش لفظ	11
قابل یقین زمینی سچائیاں	15
بھارت اب تک کیوں نہیں ٹوٹا؟	47
پاک بھارت جنگی موازنہ	50
بمبئی کی تخریب کاری	60
مکافات عمل کا دوسرا نام......تامل ٹائیگرز	65
بھارتی حکمرانوں کا چیلنج	71
بھارتی حکومت کا انوکھا مطالبہ	76
مذاکرات کی غیر مشروط پیش کش	80
پاکستان کے خلاف نیا محاذ	83
تاریخ کی ستم ظریفی	87
بھارت کی ایٹمی یلغار	91
سی ٹی بی ٹی......لیکن کس قیمت پر؟	94
کشمیر کو یاد رکھئے	97
کشمیری تو بے گناہ ہیں	100
کشمیری خواتین اور جہاد آزادی	103
تازہ بھارتی جارحیت	107
آئی ایس آئی اور بھارتی میڈیا	111
اور اب افغانستان بھی	114

موساد اور پاک بھارت تجارت	117
"امریکہ" کہاں سے آ گیا؟	124
بھارتی بم جوئی سے خبردار	127
بھارتی سالمیت کے لیے چیلنج	130
مقبوضہ کشمیر کا انتخابی ڈھونگ	133
بھارت اسرائیل دفاعی تعلقات	136
مقبوضہ کشمیر میں جوابی عسکریت	139
دوستی چین کس قیمت پر؟	140
پہلے یا چین ہی کیوں؟	145
بھارتی انتخابات ---- بی جے پی کی حکومت بنے گی	149
بھارتی سیاست کا اونٹ	152
بھارت کے ایٹمی عزائم اور ہم	156
واجپائی کا پہلا مشورہ ----	159
بھارتی دھماکے اور پاکستان	163
بھارتی دھماکے اور بھارتی پریس	167
ہندوستان کا کامیاب ایٹمی تجربہ	168
ہندوستان نیوکلیئر طاقت	171
سر اونچا کر دیا	173
واجپائی کا قد اونچا ہوا	177
بھگوان بدھ پھر مسکرائے!	179
تجربے کے بعد	183
قابل مبارکباد قدم	186
یہ بم سندر ہے یا بدصورت؟	189
ایک عظیم جست	192
ردعمل	194
وقت عمل ہے	196
اور اب کشمیر!	207
ذرا سوچ سمجھ کر	211
Glory Through Power	256
Road to Resurgence	253
A Moment of Pride	251
A Moment of Pride	249
Big Bang Theories	247
New Clear Strategy	245
India's Campulsion	243
The day after	241
Seize the day	238
Dictated by Compulsions of National Security	236
Nuclear Shadow	234
Welcome India, do not isolate it	232
Beyond the Euphoria	230
The Day After	228
Test of Nerves	226
Salaam, Scientist	224
Test of aplomb	222
In for a Penny	220
Aftershock	218

پیش لفظ

تاریخ شاہد ہے کہ کسی ملک میں ہونے والے کسی بھی بڑے حادثے سے اس کے قریبی ہمسایہ ممالک کبھی محفوظ نہیں رہتے۔ اس کی ایک مثال ماضی قریب کا اہم واقعہ روسی افواج کی افغانستان میں مداخلت ہے۔ پاکستان کا ہمسایہ ملک ہونے کے سبب جب مہاجرین کا سیلاب ہماری سرحدوں کی طرف امڈا تو نہ چاہتے ہوئے بھی پاکستان کو دنیا کی عظیم سپر پاور کے ساتھ ٹکر لینی پڑی گو کہ یہ تصادم براہ راست نہیں تھا لیکن اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ افغانوں کے ساتھ ساتھ ہم بھی روس کے خلاف جنگ لڑ رہے تھے اور اس کی قیمت بھی پاکستان نے ادا کی بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج تک ادا کر رہے ہیں۔

اسی طرح جب بھارتی صوبہ پنجاب میں سکھوں کی شورش ہوئی اور بھارتی افواج نے سکھوں کے متبرک مقام دربار صاحب پر چڑھائی شروع کی تو سکھ اپنی جانیں بچانے کے لیے پاکستان کی طرف بھاگے اور اس نازک مرحلے پر اگر فریقین میں سے کوئی بھی معمولی سی غلطی کرتا تو برصغیر میں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع ہو جاتی۔

بھارت کے اکثر حکمران جن میں موجودہ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی بھی شامل ہیں، یہ بات اکثر کہا کرتے ہیں کہ ایک مضبوط اور محفوظ پاکستان بھارت کی بقا کی ضمانت ہے۔

اور...... یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

پاکستان کی سلامتی ایک ایسا کڑوا سچ ہے جسے بھارتی حکمرانوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی نگلنا پڑتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس طرح پاکستان بھی یہ نہیں چاہتا کہ بھارت کے ٹکڑے ہو جائیں اور بھارت کی جگہ وہ جنوبی ایشیا کے پولیس مین کا ڈنڈا سنبھال لے کیونکہ دونوں ممالک میں کسی نہ کسی سطح پر یہ سوچ ہمیشہ موجود رہی ہے کہ ہمیں مل بیٹھ کر اپنے مسائل حل کرنے چاہئیں تاکہ برصغیر کے کروڑوں

غریب، پسماندہ اور بدقسمت عوام بھی سکھ کا سانس لیں اور ہم ماضی کی طرح غیر ملکی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار بننے کے بجائے ایک دوسرے کا دکھ بانٹیں۔

لیکن میری مختصر تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی سوچ ممکن ہے پاکستان کے خواص میں بھی عوام کی طرح ہی ہو جبکہ بھارت کا معاملہ مختلف ہے پنڈت جواہر لال نہرو سے اٹل بہاری واجپائی تک برہمنی حکمرانوں نے پاکستان کو ہمیشہ ایک طفیلی ملک کی طرح دبا کر رکھنے کی خواہش کی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ پنڈت نہرو جیسے روشن دماغ لیڈر نے جو اپنے سیکولرازم کا ڈھنڈورا مسلسل پیٹتے رہے بھی پاکستان کو بطور ایک آزاد ملک تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ ہمیشہ یہی چاہا کہ پاکستان دوبارہ بھارت کا حصہ بن جائے۔

اس بحث سے قطع نظر کہ کون سچا اور کون جھوٹا، یہ تلخ حقیقت کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ مسئلہ کشمیر کا بانی پنڈت جواہر لال نہرو تھا۔ اگر نہرو چاہتا تو کبھی مسئلہ کشمیر باقی نہ رہتا۔ اگر وہ کشمیری عوام کو ان کا حق خود ارادیت دے دیتا تو تاریخ میں اس کا نام کشمیریوں کے محسن کی حیثیت سے لکھا جاتا۔

لیکن ۔۔۔ ایک کشمیری پنڈت ہونے کے باوجود نہرو نے کشمیریوں کو آگ اور خون کے ایسے سمندر میں دھکیل دیا جس میں وہ گزشتہ ۵۰ سال سے ڈوبتے ابھرتے آ رہے ہیں۔ اور آج مسئلہ کشمیر دونوں ممالک کے درمیان انا اور بقا کا مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔

اور ۔ پاکستان مسئلہ کشمیر سے اس لیے دست بردار نہیں ہو رہا کہ یہ ہماری بقا کا مسئلہ ہے۔

تین بڑی جنگیں لڑنے، ایٹمی قوت بننے کے بعد اور آزادی کے پچاس سال بعد بھی دونوں ممالک کے عوام وہیں کھڑے ہیں جہاں سے انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔

☆☆☆

ضرب المثل ہے کہ تالی ہمیشہ دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے لیکن یہاں تو تالی بھی ایک ہی ہاتھ سے بج رہی ہے۔ بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ بتاتا ہے۔ پاکستان یہ نہیں کہتا.....اس کا کہنا ہے کہ اس کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کر لیا جائے کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے یا پاکستان کی شہ رگ ۔۔!! حیرت ہے بھارت اس دلیل کو تسلیم نہیں کرتا..... لکھے ہوئے معاہدے سے منحرف ہو کر بھی اپنے جھوٹ کو سچ بتانے پر تلا ہوا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ بھارت جیسے "مہان دیش" کی سات لاکھ فوج وادی کشمیر میں گزشتہ چھ سات سال سے پھنسی ہوئی ہے۔ یوں کروڑوں روپے سالانہ اس پر خرچ اٹھ رہا ہے۔ کشمیری

مجاہدین سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہیں ۶۰ ہزار کشمیریوں کے خون سے ہولی کھیلی جا چکی ہے۔ معلوم انسانی تاریخ کا کوئی ایسا ستم نہیں جو ان پر نہ ڈھایا جا چکا ہو لیکن بھارت ٹس سے مس نہیں ہو رہا۔

اگر ایک لمحے کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ کشمیر کی زیادہ آبادی مسلمان ہونے کی وجہ سے وہاں ایسی صورتحال درپیش ہے تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بھارت کے شمال میں جو تحریکیں چل رہی ہیں ان میں مسلمانوں کی آبادی کتنی ہے؟

آج بھارت کو چھ مضبوط علیحدگی اور آزادی پسند تحریکوں کا سامنا ہے ہم چونکہ کشمیر سے ایک جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اس لیے دوسری تحریکوں کا زیادہ شعور ہمیں نہیں ہے لیکن بھارتی میڈیا ہی نہیں بین الاقوامی میڈیا اس سچائی کا معترف ہے کہ وہاں بھارتی فوج کو زیادہ شدت کی بغاوت کا سامنا ہے۔

اس کا سبب کیا ہے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بھارت جیسے "سیکولر دیش" میں آخر کروڑوں عوام مذہبی جبریت معاشرتی استحصال اور ظلم و ستم کا شکار کیوں ہیں؟ ان سوالات کے جوابات تفصیلاً تو اب اس کتاب کے مطالعہ سے انشاء اللہ مل جائیں گے لیکن مختصر عرض یہ ہے کہ بھارت کے چار فیصد "براہمن واد" کی ہوس ملک گیری اور خود کو آج بھی ایک الگ محترم اور برتر قوم کے کمپلکس کا شکار رہنا اس کے بڑے اسباب ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ دلی کے تخت پر براجمان حکومت کا آسام، بہار، تامل ناڈو، پنجاب، جنوبی بھارت وغیرہ کے عوام سے کوئی تعلق نہ ہی ماضی میں تھا نہ اب ہے۔ ممکن ہے بھارتی حکمران یہ بات تسلیم نہ کریں لیکن اب تاریخ کا پہیہ چل پڑا ہے اور یہ بے رحمی سے سب کو کچلتا چلا جاتا ہے۔

تاریخ نے خود کو دہرانا شروع کر دیا ہے۔ آج جب سیتا رام کیسری جیسے لیڈر یہ بات کہتے ہیں کہ بھارت جلد ٹکڑے ہو جائے گا (بحوالہ انڈین ایکسپریس ۳ جون) تو اسے محض بغض معاویہ نہیں کہا جا سکتا یقیناً اس بات کا ایک مضبوط پس منظر ہے اور ایک سیتا رام کیسری ہی نہیں بھارت کی تمام حقیقت پسند لیڈر شپ یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ بھارت کا سماجی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے اور وہ وقت آ رہا ہے جب کروڑوں دبے اور پسے ہوئے عوام اپنا حق چھین لیں گے براہمن سامراج مرکزی بھارت تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔

میری کبھی یہ ذاتی خواہش نہیں رہی کہ بھارت کے ٹکڑے ہو جائیں لیکن میں تاریخ کا پہیہ الٹا نہیں گھما سکتا......

جو کی فصل بو کر گندم کاٹنا قانون قدرت کے خلاف ہے اور بھارتی حکمرانوں نے گزشتہ ۵۰

سال میں قانون قدرت کا مذاق اڑایا ہے۔

اس کتاب میں میرے موجودہ معاشرے میں لکھے کچھ مضامین بھی شامل ہیں۔ مجھے کبھی علم نجوم کا دعویٰ نہیں رہا لیکن اپنی سوجھ بوجھ کی بنا پر میں نے گزشتہ پانچ چھ سال میں جو باتیں کی تھیں آج وہ روز روشن کی طرح سچ دکھائی دے رہی ہیں۔

کتاب کے آخر میں بطور ضمیمہ میں نے بھارتی دانشوروں کے کچھ مضامین شامل کر دیئے ہیں تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ میں کوئی نجومی نہیں ہوں لیکن میرا وجدان مجھے بتاتا ہے کہ اگر بھارتی حکومتوں نے اپنی روش تبدیل نہ کی اور اسی پالیسی پر کاربند رہیں تو آئندہ ۱۰ سال تک دنیا کی کوئی طاقت بھارت کا موجودہ ڈھانچہ برقرار نہیں رکھ سکے گی......

میری یہ کتاب ادارہ سیونتھ سکائی پبلی کیشنز سے شائع ہو رہی ہے جس کے بعد اُمید ہے کہ آپ کی وہ شکایات جو آپ میری کتابوں کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ، جز بندی اور پروف ریڈنگ سے متعلق کیا کرتے ہیں رفع ہو جائیں گی۔ جس طرح یہ قاری کی خواہش ہوتی ہے کہ کتاب معنوی ہی نہیں، صوری طور پر بھی خوبصورت دکھائی دے۔ مصنف بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کی تخلیق جب پیکر میں ڈھلے تو اتنی ہی خوبصورت دکھائی دے جیسا کہ اس نے سوچا اور لکھا۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے حکومت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قاری اور کتاب کا رشتہ ختم ہو جائے اس کے لئے بہترین ہتھیار کاغذ کی گرانی ہے جسے ہر حکومت نے کلہاڑے کی طرح استعمال کیا ہے۔ دنیا کے جاہل ترین معاشروں میں بھی کتاب کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ پر حکومتیں رعایت دیتی ہیں ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی ہے اور زمانے بھر کے ٹیکس کاغذ پر تھوپ کر اُسے اتنا مہنگا اور نایاب کر دیا جاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔

ان حالات میں جو پبلشرز کتاب خوبصورت انداز میں آپ تک پہنچاتے ہیں بلاشبہ وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ سیونتھ سکائی پبلی کیشنز بھی ان میں شامل ہے میری تمام پرانی کتابیں اسی ادارے سے ملیں گی اور جلد ہی انشاء اللہ نئی کتابیں بھی۔

آپ سے درخواست ہے کہ میری کتابیں طلب کرتے ہوئے ادارہ سیونتھ سکائی پبلی کیشنز کا نام ضرور دیکھ لیا کریں تاکہ آپ تک معیاری کتاب پہنچے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

قابل یقین زمینی سچائیاں

یوں تو دنیا کے مختلف ممالک میں آئے روز علیحدگی اور آزادی کی تحریکیں سر اٹھاتی رہتی ہیں اور ان ممالک میں کینیڈا، برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ممالک بھی شامل ہیں۔ ترقی پذیر اور تیسری دنیا کے ممالک کی تو بات ہی الگ ہے لیکن بھارت میں علیحدگی اور آزادی کی آٹھ ایسی مضبوط اور منظم تحریکیں ہیں جنہوں نے بلاشبہ بھارتی حکومت کو بھی کا ناچ نچا رکھا ہے۔

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ بھارت آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بہت بڑا ملک ہے۔ دنیا کی تیسری بڑی ملٹری پاور بھی اس کے پاس ہے۔

بھارتی اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی سیکولر جمہوریت بھی قرار دیتے ہیں لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس سیکولر ملک میں مذہب اور برہمن تعصب کی بنیاد پر ہی اتنی مضبوط آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں کہ راس کماری سے کینا کماری تک سارا بھارت ان کی زد میں ہے۔ لیکن بھارتی پراپیگنڈہ نے اس تلخ سچائی پر جھوٹ کا پردہ ڈال رکھا ہے۔

حال ہی میں آسام کی علیحدگی پسند تحریک ''الفا'' (ULFA) کے حوالے سے اس انکشاف نے سارے بھارت پر لرزہ طاری کر دیا ہے کہ بھارت کے انڈسٹریل ٹائی کون ''ٹاٹا'' کی حمایت ''الفا'' کو حاصل ہے۔ اس بات کا علم تب ہوا جب ''ٹاٹا'' کے آسام میں موجود ''ٹی گارڈن'' پر انٹیلی جنس ایجنسیوں نے چھاپہ مارا اور اس امر کے ثبوت حاصل کئے کہ ''ٹاٹا'' کی طرف سے ''الفا'' کو طویل عرصے سے اپنی حفاظت کے نام پر خطیر رقم دی جاتی رہی ہے اور ''الفا'' کے زخمیوں کا علاج بھارت کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں کروانے کی ذمہ داری بھی ''ٹاٹا'' نے اٹھا رکھی تھی۔

''ٹاٹا'' کو بھارتی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے اور بھارتی اپنی اس بین الاقوامی شہرت کی حامل انڈسٹری پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ بھی بھارتی حکومت کو اپنی حفاظت کے لیے ناکام جان کر علیحدگی پسند تنظیموں کے حلیف بن رہے ہیں تو صورتحال سمجھنے کے لیے زیادہ مغز

کمپائی ضروری نہیں۔

سانحہ ۱۹۷۱ء کے بعد سے پاکستان میں موجود بعض ریٹائرڈ فوجی افسران اور کچھ نام نہاد دانشوروں کی طرف سے یہ بات تکرار سے کی جارہی ہے کہ جنگ کی صورت میں خدانخواستہ شکست پاکستان کے حصے میں آئے گی۔ اس ضمن میں جو مثالیں دی جاتی ہیں ان میں نمایاں بھارت کا ایٹمی اور میزائل سازی کا پروگرام ہے اور یہ دلیل کہ افغانستان سے روس کے انخلاء اور روس کی شکست وریخت کے بعد سے امریکہ کے لیے پاکستان کی ''سٹریٹجک اہمیت'' نہیں رہ گئی اب وہ چین کے مقابلے میں جس پہلوان کو اکھاڑے میں اتارنے کی تیاریاں کر رہا ہے اس کا نام بھارت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ کے بیشتر مفادات بھارت سے وابستہ ہیں اور وہ اسے درمے، قدمے، سخنے ہر طرح بھارت کی مدد بھی کر رہا ہے۔ شاید امریکہ کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے ''پرتھوی'' کا کامیاب تجربہ کر کے ایک مرتبہ پھر بھارت کی برتری کو ذہنی طور پر قبول کر لینے والے پاکستانی ریٹائرڈ فوجی افسران اور دانشوروں کو موقعہ دیا کہ وہ اپنے استدلال کو مزید مضبوط بنالیں حالانکہ ''غوری'' نے یہ استدلال بھی رد کر دیا ہے۔

اس بات سے قطع نظر کہ اس پراپیگنڈہ میں کتنی سچائی ہے۔ ماضی کے حوالے سے بھارتی فوج کی کارکردگی کا جائزہ لینا ضروری ہے لیکن اس سے پہلے کسی بھی ملک کی فوجی فتح سے متعلق ترجیحات کا تعین کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فتح کی تعریف کیا ہو سکتی ہے۔ کیا اس کا تعین دشمن فوجوں کی زیادہ تعداد میں ہلاکت سے کیا جائے گا؟ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ویت نام میں امریکہ نے فتح حاصل کی جس نے اپنی فوج سے دس گنا زیادہ ویت نامیوں کو قتل کیا تھا۔

کیا دشمن کی زائد تنصیبات، فوجی ساز و سامان کی تباہی کو ہم فتح کا معیار گردان سکتے ہیں؟ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر دوسری جنگ عظیم کا فاتح جرمنی ہے جس نے اتحادیوں کے ٹینک، بحری جہاز اور ہوائی جہاز اور دوسرا اسلحہ زیادہ تعداد میں تباہ کیا تھا۔

اب آخری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ کیا دشمن کا زیادہ علاقہ فتح کرنا غلبہ حاصل کرنے کی دلیل بن سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر ۱۹۷۳ء کی جنگ کا فاتح اسرائیل ہے، عرب نہیں۔ کیونکہ اسرائیل نے مصر کے ہاتھوں اپنے کھوئے جانے والے علاقے سے زیادہ شام اور سویز کے پار علاقہ فتح کر لیا ظاہر ہے ان تینوں صورتوں کو فتح کا معیار قرار نہیں دے سکتے کیونکہ ویت نام میں امریکہ، جنگ عظیم میں جرمن اور ۱۹۷۳ء میں اسرائیل کو شکست ہوئی۔

☆☆☆

سوال یہ اٹھتا ہے کہ پھر فتح کیا ہے؟ تو مختصر یہی عرض کروں گا کہ مفید حکمت عملی کے ساتھ ایسے نتائج حاصل ہونے کو ہم ''فتح'' کہہ سکتے ہیں۔ جہاں نتائج اس کے برعکس حاصل ہوں وہ ''فتح'' نہیں کہلائے گی۔ اس تناظر میں مختصر جائزہ بھارتی فوج کی کارکردگی کا لینا ضروری قرار پاتا ہے۔ میں سب سے پہلے ۴۸ء کی مثال دوں گا بھارتی دعوے کے مطابق مہاراجہ ہری سنگھ نے بھارت سے کشمیر کا الحاق کر دیا تھا اس دعوے کی صداقت سے بحث نہیں لیکن اس دعویٰ کے ساتھ ہی کشمیر میں جنگ آزادی شروع ہوئی اور بھارت پاکستانی فوج اور مجاہدین سے اپنا کھویا ہوا کشمیر واپس لینے کے لیے باقاعدہ حملہ کرتا ہے۔ ۱۳ دسمبر ۴۸ء کو جنگ ختم ہوئی تو بھارت کے پاس دو تہائی سری نگر اور ایک تہائی شمالی علاقے رہ گئے۔ بھارتی دانشوروں کے مطابق نہ صرف پاکستان نے کشمیر کا بہت سا علاقہ ان سے چھین لیا بلکہ اتنی طاقت بھی حاصل کر لی کہ ۴۶ سال سے بھارت کے لیے مستقل چیلنج ہی بنا ہوا ہے اور بھارت کو کم از کم کشمیر میں مجاہدین نے ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر رکھا ہے۔

۶۲ء کی جنگ سے متعلق جنرل بی ایم کول کی کتاب The Untold Story بھارتی فوج کی ایک شرمناک دستاویز ہے۔ تقریباً ایک تہائی لداخ پر چین کا قبضہ ہو گیا۔ چین نے بھارتیوں کو میدانوں کی طرف پسپائی پر مجبور کیا پھر فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود ہی اپنی پوزیشنوں پر واپس چلا گیا اور بھارتی جرنیلوں کو احمقوں کے ایک ٹولے کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

۶۵ء کی جنگ میں بھارتی فوج کو اپنے مقاصد میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور اس بحث سے قطع نظر کہ انہوں نے ہمارے کتنے علاقے پر قبضہ کیا اور ہم نے کتنے علاقے پر، سوال یہ اٹھتا ہے کہ بھارتی فوج نے جن مقاصد کے تحت حملہ کیا تھا ان میں سے اسے ایک فیصد بھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

۷۱ء کی بھارتی نام نہاد فتح پر روی راکھی نے اپنی کتاب The war that Never Was میں بڑا خوبصورت تجزیہ کیا۔ مصنف لکھتا ہے کہ ''ہم نے دراصل پاکستان کو سرکش مشرقی حصہ سے نجات دلائی جسے ایک روز خود ہی پاکستان سے الگ ہو جانا تھا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ پاکستان ایک ٹکڑے کی صورت میں زیادہ مضبوط اور پراعتماد ہو چکا ہے اور اپنے تشخص کو محض مذہبی بنیادوں پر ترتیب دینے کے بجائے مضبوط جغرافیائی حدود کو بھی اہمیت دینے لگا ہے۔''

اب ذرا فوجی نقطہ نگاہ سے بھی اس کا جائزہ لے لیجیے کہ ۷۱ء میں بھارتی مداخلت سے پہلے مشرقی پاکستان میں ۶ بریگیڈ پر مشتمل ایک ڈویژن فوج موجود تھی اور اب بنگلہ دیش کے پاس پانچ ڈویژن اور ۱۴ بریگیڈ فوج موجود ہے اور اس کے بھارت سے تعلقات اگر ۷۱ء جتنے برے نہیں تو انہیں کم از کم خوشگوار بھی نہیں کہا جا سکتا۔ آج بھی بھارتی فوج کا ایک معتدبہ حصہ بنگلہ دیش کی سرحد کے سامنے

موجود رہتا ہے اور کچھ نہیں تو آسام میں بنگلہ دیش کے مہاجرین کی مستقل آمد نے ہی اس علاقے کی سلامتی کے لیے بے شمار خطرات پیدا کر دیے ہیں۔

یہ ۱۹۷۱ء کی شکست تھی جس نے پاکستان کو اپنے ایٹمی پروگرام پر نظرثانی پر مجبور کیا اور آج پاکستان ایٹمی استعداد حاصل کرنے کے بعد قیامت تک بھارت کی دست برد سے آزاد ہو چکا ہے۔ یہاں کچھ تاریخی اور معروضی حقائق کا ذکر کرنا ضروری ہوگا کہ ۱۹۴۹ء میں بھارت کے پاس ۶ لاکھ مسلح افواج موجود تھی۔ جو پاکستان سے تین گنا زیادہ تھیں۔ جبکہ ۱۹۴۷ء میں بھی بھارت کے پاس ۴ مکمل ڈویژن بمعہ متحدہ ہند کی فوج کا تقریباً سارا مال اسباب تھا۔ لیکن ۱۹۱۶ء کی منصوبہ بندی کے باوجود اپریل ۱۹۴۹ء میں بھارتی جرنیل کشمیر پر دوبارہ حملے کی جرأت ہی نہ کر سکے۔ دوسری طرف پاکستان نے قبائلیوں کے لشکر کے ذریعے بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوا دیے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کے پاس ۷۰ فیصد امریکی اسلحہ تھا اور جنگ شروع ہوتے ہی امریکہ بہادر نے گولہ بارود کی سپلائی پر پابندی لگا دی تھی۔ اس کے برعکس بھارتیوں کے پاس روسی اسلحہ زیادہ تھا جس کی سپلائی آخر تک جاری رہی اور ۱۶ ستمبر ۶۵ تک تو صورتحال یہ تھی کہ بھارت کے ماؤنٹین ڈویژنوں میں سے پہلا ڈویژن شمال مشرقی سرحد پر پہنچ چکا تھا۔ ۲۳ واں ماؤنٹین ڈویژن "رنچی" سے ایڈوانس کر کے لاہور کی طرف آ رہا تھا۔ اس کا ہراول بریگیڈ لاہور کے محاذ پر جنگ میں باقاعدہ حصہ بھی لے رہا تھا۔ لیکن بھارتی جرنیلوں کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے پاکستان کے ساتویں انفنٹری ڈویژن کے چھمب اکھنور میں ایڈوانس کے بعد بظاہر پاکستان کو بڑا "سرپرائز" دیا اور بین الاقوامی سرحد عبور کر کے سہ طرفی حملہ کر دیا لیکن محض اس خوف سے کہ کشمیر محاذ پر اس کی گرفت کمزور پڑ رہی ہے جنگ بندی بھی قبول کر لی حالانکہ جب بھارتی فوجوں نے پنجاب کی طرف بین الاقوامی سرحد عبور کی تو ۷ویں ڈویژن کو سیالکوٹ سے بڑی افراتفری میں لاہور پہنچایا گیا تھا اور پاکستانی فوج کا اس ڈویژن کے ذریعے اہم ٹارگٹ جس میں جموں، اکھنور، پونچھ روڈ کو کاٹنا تھا پورا نہ ہو سکا۔

اس کے باوجود پاکستانی فوج کی حکمت عملی نے بھارتی جرنیلوں کے سارے عزائم ٹھنڈے کر دیے۔ کیونکہ پاکستان نے بھارت کی فسٹ کور جو سامبا کٹھوعہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے اپنا چھٹا بکتر بند ڈویژن اور ۱۵واں انفنٹری ڈویژن کی پیش قدمی روکنے کے لیے پاکستان کا ۱۰واں ڈویژن اور بھارت کے ۱۱ویں ڈویژن اور ایک بریگیڈ کے سامنے راجستھان سیکٹر میں پاکستان کا ۱۰واں ڈویژن صف آرا ہو چکے تھے۔ پاکستانی فوج کی صف بندی بھارتیوں کے لیے حیران کن ہی نہیں پریشان کن بھی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ مذاکرات کی میز پر بیٹھنے پر مجبور ہو گئے۔

☆☆☆

اب ذرا ۱۹۷۱ء میں مغربی محاذ کا جائزہ لیں کہ دوسرے ۱۲ ڈویژنوں کے مقابلے میں بھارت کے پاس ۱۵ ڈویژن تو محاذ جنگ پر موجود تھے۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بھارت نے فوجوں کی تعداد میں ہمیشہ غلط بیانی کی ہے اور ساری دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں کاغذی طور پر بھارت نے ۴ بکتر بند بریگیڈ ظاہر کیے تو دراصل اس کے پاس ۵ بکتر بند بریگیڈ تھے جسے عارضی بریگیڈ کا نام دے کر ریزرو میں رکھا گیا تھا۔ اس طرح ان کی رجمنٹیں بھی پاکستان سے ہمیشہ زیادہ ہوتی ہیں۔

مشرقی محاذ پر فتح کے بعد بھارت کو مغرب میں بھی پاکستان پر مکمل فوجی برتری حاصل تھی اور اس نے اپنی مشرقی افواج کو مغربی سرحدوں پر واپس لانا شروع کر دیا تھا۔ بھارتی فوج کا چوتھا ڈویژن جو ہمیشہ عام ریزرو کا حصہ رہا ہے اور چھٹا ڈویژن جو عام حالات میں یوپی کی سرحد کے لیے مخصوص ہے ہر وقت مغربی محاذ کے لیے میسر تھا۔ ان کے علاوہ ۸ واں اور ۵۷ واں ڈویژن بھی تھا جو شمال مشرقی سرحد پر چوتھی کور کے ہمراہ لڑائی میں حصہ لے چکے تھے۔ بھارت نے تین ہفتوں میں ۳ اضافی ڈویژن مغربی سرحد پر جھونک دیے تھے اور پاکستان کے ۱۲ ڈویژن کے مقابل اپنے ۲۰ ڈویژن لے آیا تھا۔

یہاں اگر کوئی اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ بھارت کے ۱۹۷۱ء کی جنگ کے مقاصد محدود تھے تو غلط ہے۔ ۱۹۷۱ء میں بھارت نے وسیع المقاصد جنگ کا آغاز کیا تھا۔ لیفٹیننٹ جنرل کے پی کینڈتھ کے سیالکوٹ سیکٹر میں ۵ انفنٹری ڈویژن اور ۳ آزاد بکتر بند بریگیڈ آزاد کشمیر کو سیالکوٹ سے کاٹنے کا آپریشن کرنے والے تھے۔ ۱۹ویں اور ۲۵ویں ڈویژن کے سامنے حملے کا مقصد اس کے سوا کیا تھا کہ پاکستان کے دفاعی حصار کو توڑ کر آزاد کشمیر پر قبضہ کر لیا جائے۔

بھارت کی جنوبی کمان نے ایک کور کے برابر فوج سندھ پر چڑھا دی۔ جس کے عزائم یہ واضح تھے کہ وہ حیدرآباد اور رحیم یار خان کو درمیان سے کاٹ کر لاہور اور کراچی کے درمیان نقل و حمل اور مواصلات کا نظام تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اور دوسرا مقصد یہ کہ اس طرح پاکستان کی محفوظ اور فاضل فوج کو اس محاذ پر الجھا کر باقی سیکٹروں میں پیش قدمی آسان بنا لیتا۔ پنجاب کے محاذ پر بھارت پاکستان کی چوتھی کور کے مقابل اپنی مضبوط ترین ۱۱ویں کور لایا تھا لیکن حملے کی جرأت نہ کر سکا۔

قصہ مختصر کہ ۱۶ دسمبر کو جب مشرقی محاذ پر پاکستانی فوج سرنڈر کر رہی تھی تو بھارت نے اوڑی سیکٹر سے فیروز پور تک ۱۷ تا ۱۹ دسمبر ایک کریش پروگرام کے تحت پاکستان کے مغربی محاذ پر چڑھائی کا ناپاک منصوبہ بنا لیا تھا۔ اس جنگ نے بھارت کو دیا کیا؟ جہاں پہلے اسے اپنے مشرقی سیکٹر میں پاکستان کے ایک ڈویژن اور ۴ بریگیڈ کا سامنا رہتا تھا وہاں اب ۵ ڈویژن اور ۱۴ بریگیڈ بنگلہ دیش کی فوج موجود ہے۔ نئے بنگلہ دیش ۷ ڈویژن میں تبدیل کرنا چاہتا ہے لیکن مالی مجبوری آڑے آ رہی ہے۔

۷۱ء میں یہاں پاکستانی فضائیہ کا صرف ایک سکواڈرن تھا جبکہ بنگلہ دیش کی فضائی قوت تین گنا بڑھ چکی ہے۔ اس کی ایک مستقل بحریہ الگ سے موجود ہے اور بنگلہ دیش نے بیک وقت چین اور امریکہ سے بہترین سفارتی مراسم استوار کر رکھے ہیں۔ روس کے ساتھ وہ اپنا تعلق الگ سے بڑھا رہا ہے۔

شیخ مجیب کے قتل پر بھارت نے اپنے ۳ ڈویژن بنگلہ دیش میں داخل کر کے اپنی "حامی حکومت" برقرار رکھنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن کچھ نہ کر سکا۔ ۸۴ء میں مسز گاندھی نے سری لنکا پر چڑھائی کا فیصلہ کیا اور ویشاکھا پٹنم میں ۵۴ ویں ڈویژن کو بحری جہازوں کے ذریعے اور ۵۰ ویں چھاتہ بردار بریگیڈ کو ہوائی چھاتہ برداری کے لیے تیار کیا لیکن کچھ نہ کر سکیں۔ اسی اثنا میں پنجاب میں سکھوں کی شورش اور بعد میں مسز اندرا گاندھی کے قتل نے سب کیے دھرے پر پانی پھیر کر رکھ دیا۔

مسز گاندھی نے سیاچین میں "آپریشن میگھ دوت" شروع کیا لیکن اس کی حیثیت سوائے ایک انائی شو کے اور کچھ نہیں تھی۔ آج سیاچین میں بھارت کو کیا قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے؟ یہ کوئی سیکرٹ نہیں رہ گیا۔ بھارتی وزارت دفاع کی ایک رپورٹ کے مطابق ہر ماہ ۳۰ یا ۴۰ فوجی صرف موسمی زیادتیوں کے ہاتھوں مارے جا رہے ہیں۔

۸۷ء میں بھارت کا براس ٹیک ۶ ڈویژن فوج اور ۲ کور کی مدد سے پاکستانی سرحدوں پر جنگی مشقیں اپنے پس پردہ کیا عزائم رکھتی تھیں ان کا اظہار روی راکھی نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ براس ٹیک کے پس پردہ مقاصد کیا تھے۔

آپریشن ترائی ڈینٹ براس ٹیک جس کے ذریعے فروری ۸۷ء میں کسی تاریخ کو شام ساڑھے چار بجے بھارتی فوج نے پہلے گلگت پھر سکردو پر حملہ کرنا تھا۔ توقع تھی کہ دو ہفتے میں یہ آپریشن مکمل ہو جاتا اور پاکستان کو اس کے شمالی حصوں سے کاٹ دیا جاتا۔

اگر پاکستان جنگ کو اپنے شمالی محاذ تک محدود رکھتا تو ٹھیک ورنہ بھارت پاکستان کی طرف سے پنجاب پر حملے کی صورت میں "براس ٹیک" کو بروئے کار لاتا جس کے تحت شمالی محاذ پر پاکستان کو ٹیش دلا کر سندھ میں اس پر بھرپور حملہ کیا جاتا جس کے تحت ۳ دن میں میرپور خاص اور پھر ۷ دن میں حیدرآباد پر قبضہ کر لیا جاتا یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ "ناٹو" جب ترکی سے ناروے تک بہت بڑی مشق کرتا ہے تو اس میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار فوجی حصہ لیتے ہیں جبکہ براس ٹیک میں ۱۳ لاکھ فوجی حصہ لے رہے تھے۔

اس منصوبے کی پشت پر یوں تو تین اہم شخصیات جنرل سندر جی، وزیراعظم راجیو گاندھی اور وزیر دفاع ارون سنگھ دکھائی دیتے ہیں لیکن اس کی بنیاد "را" کی یہ اطلاع تھی کہ ۲۶ جنوری ۸۷ء کو امرتسر کے گولڈ

ٹمپل سے خالصتان کے قیام کا اعلان ہوگا۔ جس کے ساتھ ہی پاکستان پنجاب پر باہر سے اور خالصتانی سکھ اندر سے حملہ کر دیں گے۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی بھارت نے اپنے دو بہترین ڈویژن نمبر ۲۳ اور ۷۵ فوراً پنجاب میں داخل کر دیے۔ بھارتی دارالحکومت میں یہ خطرہ بڑھتا چلا جا رہا تھا کہ پنجاب سے پاکستانی فوج کے ایڈوانس کی صورت میں دہلی تک اس کا راستہ نہیں روکا جا سکتا تھا۔ گو کہ بھارت نے اپنے ۶ ڈویژن سندھ محاذ پر کھڑے کر دیے تھے لیکن بھارتی جانتے تھے کہ پنجاب اور کشمیر کی قیمت پر سندھ کا سودا کوئی اچھا سودا نہیں ہوگا۔

☆☆☆

یہ پاکستانی فوجوں کی جوابی نقل و حرکت تھی جس نے بھارت کو پاکستان کے ساتھ خفیہ بات چیت کی درخواست پر مجبور کر دیا۔ اس بات چیت کے نتیجے میں بھارت کو جو ہزیمت اٹھانا پڑی اور جس طرح اپنی افواج کو ہر محاذ پر پاکستانی ڈیمانڈ کے مطابق پیچھے ہٹانا پڑا اسے ہم بھارت کی فتح ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

پرتھوی کی تیاری کے بعد سے اب دفاعی صورتحال کے حوالے سے ماہرین کے بیانات اور مضامین میں بہت کچھ کہا سنا جا رہا ہے۔ اس بحث سے قطع نظر کہ ہم پرتھوی کا جواب دے پائیں گے یا نہیں۔ ایک اہم نکتہ کم از کم بھارت نظر انداز نہیں کر سکتا کہ پاکستان جنگ اگر اپنی مرضی کے محاذ پر لڑے گا تو وہ پنجاب اور کشمیر کا محاذ ہے اور بھارتی جانتے ہیں کہ پنجاب اور اس کے ملحقہ علاقے راجستھان، یوپی، بہار، مدھیہ پردیش تک تشدد کا شکار ہیں۔ پنجاب میں گزشتہ دس سال میں شاید اتنے قتل نہیں ہوئے جتنے آسام اور بہار میں دس ماہ میں ہو چکے ہیں۔ بھارت اگر سندھ میں مداخلت کرے گا تو اسے اندازہ ہے کہ "را" کے کسی بھی چیلنج کو آئی ایس آئی قبول کرنے اور اس کا بھرپور جواب دینے کی استعداد رکھتی ہے۔

پرتھوی کو فائر ہونے سے پہلے کئی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ہر مرحلے پر وہ "محفوظ" رہے گا؟ پاکستان کی حکمت عملی کی خامی سمجھئے یا بھارت کی خوش قسمتی کہ پنجاب میں سکھ تحریک کمزور پڑ گئی ہے۔ جس سے بھارتی حکومت کو مقبوضہ کشمیر میں کھل کھیلنے کا موقع مل رہا ہے۔ کسی تحریک کو اسلحہ کی امداد ہی سے مضبوط نہیں کیا جا سکتا اگر ہمارے حکمران "اپنے حکمرانوں" کو خوش کرنے کے لیے الٹے سیدھے بیانات دے کر بھارت میں سرگرم عمل مختلف تحریکوں کے حریت پسندوں کی کمر نہ توڑیں اور صرف خاموشی سے غیر جانبدار رہیں تو بھارت کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔

بھارت کو اس وقت کم از کم ۴ مضبوط علیحدگی اور آزادی پسند تحریکوں کا سامنا ہے۔ اپنے کسی ہمسائے سے وہ مثالی تعلقات قائم نہیں کر سکا۔ کیونکہ اس کے توسیع پسندانہ عزائم میں کبھی کمی نہیں آئے

[illegible] بھارتی حکمران اپنے بھوکے ننگے عوام کے منہ سے نوالا چھین کر [illegible]
[illegible] ہے پر تھوڑی دیر کر خوش ہوتے رہیں لیکن اسے فائر کرنے سے پہلے
[illegible] کو ہزار مرتبہ سوچنا پڑے گا۔

کسی بھی ملک کا دفاع دو Visible اور Invisible قوتوں پر منحصر ہے۔ بھارت کے پاس وہ قوت تو ہے لیکن وہ نادیدہ قوت جو ممولے کو شہباز سے لڑاتی ہے نہیں جبکہ یہی قوت ہمارا سرمایہ حیات ہے اگر پاکستانی حکومت نے واقعی امریکی دباؤ کو نظرانداز کر کے اپنے میزائل پروگرام پر عمل درآمد کا فیصلہ کر لیا تو کوئی عجب نہیں کہ جلد ہی بھارت کی اس میدان میں برتری بھی وقتی ثابت ہو۔

افواج کی جدید کاری یا تعمیر نو میں سب سے اہم کردار فوج کے لیے مختص دفاعی بجٹ کا ہوتا ہے۔ بجٹ کی مقدار اہم ہوتی ہے۔ کمی بیشی اور بعض اوقات اس کا غلط استعمال دونوں صورتیں جدید کاری کے عمل کو متاثر کرتی ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہمارے دشمن بھارت نے پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں پر تجاوز کرتے ہوئے اس کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس سے پاکستان کو شروع سے ہی اپنے دفاعی بجٹ میں بھارت کی نسبت تیزی سے اضافہ کرنا پڑا۔ بھارت پاکستان سے بڑا اور کئی گنا بڑا ملک تھا۔ اس کے وسائل بھی اسی تناسب سے زیادہ تھے۔ اس لیے اس کی جارحیت کے مقابلے کے لیے ضروری تھا کہ ہم بھارت کی ہم پلہ قوت کھڑی کریں۔ ہر ملک کے دفاعی بجٹ میں اقتصادی صورت حال مدنظر رکھی جاتی ہے۔ اقتصادی صورت حال جتنی بہتر ہوگی اتنی ہی دفاع کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم مخصوص کرنے میں آسانی ہوگی۔

دفاعی بجٹ کے حوالے سے اس حقیقت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ جونہی ایک ملک اپنے دفاعی بجٹ میں اضافہ کرتا ہے تو لازماً دوسرے (دشمن ملک) کو بھی اپنے دفاعی بجٹ میں اضافہ کرنا پڑتا ہے اور یوں بار بار بجٹ میں اضافے کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان ایک نہ ختم ہونے والی اسلحے کی دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ اقتصادی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ دوڑ اکثر مخالف ملکوں کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہوتی ہے کیونکہ ہر ملک دوسرے سے زیادہ [illegible] لڑنے کے لیے دوسرے سے بہتر اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بہت سے وسائل جو عوام کی فلاح پر صرف کیے جانے چاہئیں اسلحے کے حصول پر صرف ہوتے ہیں اور یوں ملک ترقی کی دوڑ میں دیگر ممالک سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ فوجی نقطہ نگاہ سے اسلحے کی یہ دوڑ ایک طرح کی خفیہ یا سرد جنگ ہوتی ہے جس میں دونوں ملک اپنے وسائل دفاع پر زیادہ خرچ کر کے دوسرے ملک کو اقتصادی طور پر تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس جنگ میں وہی ملک کامیاب ہوتا ہے جو بہتر اقتصادی حالت میں ہو۔ خراب اقتصادی حالت کے ملک کو اپنے دفاعی بجٹ

میں اضافہ کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے اس کی اقتصادی صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

☆☆☆

برصغیر میں اسلحہ کی دوڑ کا آغاز بھارت نے کیا تھا دراصل بھارتی حکمران اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ جلد ہی اپنی طاقت اور وسائل کی مدد سے پاکستان کو بھارت میں ضم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بھارت کے اقتصادی ماہرین کے تجزیے بتاتے تھے کہ تمام اخراجات جو جنگ کی صورت میں بھارت کو برداشت کرنا پڑیں گے پاکستان پر قبضے کے بعد ان کی آسانی سے تلافی ہو جائے گی۔ دوسری طرف پاکستان بھی اپنی بقا کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھا۔ بھارت کے مقاصد پورے نہ ہوئے تو اس نے مزید اور پھر مزید اسلحہ خریدنے اور اپنی افواج کی جسامت میں اضافہ کرنا جاری رکھا۔ جس کے نتیجے میں اس کی اقتصادی صورت حال خراب ہونے لگی اس لیے کہ اپنے جارحانہ عزائم کی تکمیل کے لیے اسے پاکستان سے کئی گنا زیادہ رقم خرچ کرنی پڑتی تھی۔ جبکہ پاکستان نے بھارت کی جارحانہ فوجی پالیسی کا جواب دفاعی پالیسی کے ذریعے دینا کافی سمجھا۔ پاکستان کے ابتدائی دس پندرہ برسوں میں اقتصادی حالت بہتر کرنے پر خاصی توجہ رہی۔ بعد میں اس نے اسی اقتصادی ترقی کے سہارے مناسب رفتار سے اپنے دفاع میں بھی پیش رفت شروع کر دی۔

بعض اوقات چھوٹی غلطی بھی بہت بڑی تباہی کا باعث بن جاتی ہے۔ کچھ اسی طرح کی غلطی کا ارتکاب بھارت نے چین سے دشمنی مول لے کر کیا۔ اس حملے کا مقصد اہل مغرب کی بھارت کے لیے ہمدردیاں حاصل کرنا تھا۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بھارت نے چین پر خود ہی حملہ کر کے پسپائی اختیار کر لی اور بار بار چین سے شکست کھانے کا پروپیگنڈہ کر کے مغربی ممالک سے توقع سے زیادہ اسلحہ خریدنے کی کوشش کی۔ مغربی ممالک بھی بھارت کی اس چال میں آ گئے اور انہوں نے چین دشمنی میں بھارت کو دھڑادھڑ اسلحہ فروخت کرنا شروع کر دیا۔

اسلحے کی خریداری پر وسائل جھونک دیئے گئے تو ہندوستان کی اقتصادی ترقی کی رفتار بری طرح متاثر ہوئی۔ بہت سے ایسے ترقیاتی منصوبے جو عوام کی فلاح اور ملکی ترقی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے، منسوخ کر دیئے گئے۔ بھارت نے اسلحے کے تمام تر انبار صرف اور صرف پاکستان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے لگائے تھے وہ آزمائش کے وقت ناکارہ ثابت ہوئے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھارت کا تمام اسلحہ اور جنگی چالیں بیکار ثابت ہوئیں۔ بہت سا اسلحہ جسے بھارت نے استعمال کرنا تھا تو میدان جنگ میں پہنچایا ہی نہ جا سکا یا پھر جنگ کی صورت میں اس پر پاک فوج نے قبضہ کر لیا۔ بھارت

کی اس جنگی چال کی ناکامی نے اسے کئی سال تک اقتصادی طور پر اٹھنے نہیں دیا۔

اس شکست کے باوجود بھارت کے اقتصادی اور عسکری ماہرین اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ بھارت کی ترقی صرف اور صرف پاکستان کے خاتمے سے ممکن ہے۔ اسی غلط سوچ نے بھارت کو ایک دفعہ پھر میدان عمل میں کودنے اور قسمت آزمانے پر مجبور کیا۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ بہت طویل منصوبہ بندی کے بعد شروع کی گئی۔ اس کے نتیجے میں بھارت عارضی طور پر مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے میں تو کامیاب ہو گیا مگر اقتصادی طور پر یہ عارضی کامیابی مزید مصائب کا پیش خیمہ بن گئی کیونکہ اس جنگ کے چند سال بعد ہی بھارتی اقتصادی ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس جنگ میں بھارت جو نتائج حاصل کرنا چاہتا تھا وہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس جنگ کی صورت میں بھارت کو نہ صرف اقتصادی مسائل کا سامنا کرنا پڑا بلکہ بنگلہ عوام کی ناراضگی بھی پاکستان کے بجائے بھارت کو منتقل ہو گئی۔ چونکہ یہ جنگ پاکستان کے مشرقی محاذ پر لڑی گئی تھی جس کی وجہ سے اس کے مغربی حصے کو زیادہ مالی نقصانات کا سامنا نہیں کرنا پڑا کہ اس کی اقتصادی حالت تباہ ہو۔

اس جنگ کے فوراً بعد پاکستان کو ایک بار پھر اپنی اقتصادی صورت حال پر توجہ دینی پڑی۔ اب دفاعی قوت بڑھانے پر غور و خوض ضروری تھا۔ بھارت کو پاکستان کی تیاریوں اور فوج کی جدید کاری کا نوٹس لینا پڑا۔ دوسری طرف چین کے خلاف جنگی اور دفاعی حکمت عملی پر عمل درآمد جاری رہا، اس سے اقتصادی بوجھ بڑھتا رہا۔ اقتصادی طور پر پاکستان اس قابل تھا کہ اپنے دفاعی بجٹ میں بھارت کے مقابلے کے لیے ہر سطح پر اضافہ کر سکے۔ اس نئے مرحلے پر کہ اسلحہ کی دوڑ نے جواب پاکستان کی طرف سے شروع کی گئی بھارت کو مزید مالی مشکلات سے دوچار کیا۔ اب پاکستان یکسوئی سے کشمیر کو بھارت سے آزاد کروانے کے پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ کشمیر میں بھارت کو ایسی جنگ کا سامنا ہے جو ہر گھر سے اس کی سات لاکھ فوج کے خلاف لڑی جا رہی ہے۔ پاکستان پر کوئی اضافی دفاعی بوجھ نہیں۔ لہٰذا یہ صورتحال اسے اپنے دفاعی بجٹ میں اضافے کی اجازت دیتی ہے۔

☆☆☆

اگرچہ عالمی طاقتوں کی طرف سے پاکستان پر دباؤ بڑھ رہا ہے۔ اگر پاکستان اپنے دفاعی بجٹ میں اضافہ اور اپنی افواج کی تعمیر نو کے عمل کو تیز کرتا ہے تو اسی نسبت سے بھارت کو بھی مجبوراً اضافہ کرنا ہوگا پاکستان کے بعض عسکری ماہرین کہتے ہیں کہ بھارت کا تیزی سے اپنے دفاعی بجٹ میں اضافہ کرنا پاکستان کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ بات اس حد تک درست ہے کہ اگر پاکستان کسی دباؤ کے تحت اپنے دفاعی بجٹ میں کمی کر دے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عسکری جریدے "STRATEGIC

REVIEW" کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق بھارت ۱۹۹۸ء میں اپنی افواج پر اپنی کل ملکی پیداوار کا محض ۳.۲ فیصد صرف کر رہا تھا۔ جبکہ ۱۹۸۹ء میں اس میں مزید کمی کر کے اسے ۳.۱۵ فیصد کر دیا گیا۔ یہ شرح مزید کم ہو کر ۱۹۹۱ء میں ۲.۹۰ فیصد، ۱۹۹۲ء میں ۲.۵۳ فیصد، ۱۹۹۶ء میں ۲.۰۹ اور اب ۱۹۹۷ء میں بھارت اپنی کل ملکی پیداوار کا صرف ۲.۳ فیصد دفاع پر خرچ کرنے پر مجبور ہے۔ بھارت کے تمام دفاعی ماہرین اور افواج کے سربراہ فوج کی بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کے لیے اس شرح میں دوگنا اضافے پر زور دے رہے ہیں جو کہ اب کسی طور بھی ممکن نہیں رہا۔

اس کے برعکس پاکستان پچھلے ایک عشرے سے اپنی افواج پر اپنی کل ملکی پیداوار کا ۶.۸ فیصد صرف کر رہا ہے۔ بھارت کی نسبت اس حد تک زیادہ صرف کرنے کی وجہ صرف ہندوستان جیسے دشمن کا مقابلہ ہی نہیں بلکہ پاکستان کا اقتصادی لحاظ سے بھارت سے بہت بہتر حالت میں ہونا بھی ہے۔ ایک بین الاقوامی شہرت کے حامل ماہر ہاسٹش کی تحقیقات کے مطابق پاکستان بھارت کی نسبت دوگنی رفتار سے ترقی کر رہا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "دی ورلڈ ان ۲۰۲۰ء" میں واضح کیا ہے کہ اس وقت بھارت میں فی کس سالانہ آمدنی محض ۹۶ ڈالر ہے جس کے مقابلے میں پاکستان میں فی کس سالانہ آمدنی ۳۲۲ ڈالر ہے یعنی بھارت سے تین گنا زیادہ۔ جبکہ بھارت کو اقتصادی لحاظ سے پاکستان کے ہم پلہ ہونے کے لیے کم از کم ۱۰ سال کا عرصہ درکار ہوگا مگر تب تک پاکستان کی فی کس آمدنی کئی گنا بڑھ جائے گی۔

چونکہ اس وقت بھارت اپنی کل ملکی پیداوار (GDP) کا ۲.۳ فیصد مسلح افواج پر صرف کر رہا ہے جو کہ ۲۵۵ ارب بھارتی روپے یا ۸.۳ ارب امریکی ڈالر کے برابر ہے، اس کے مقابلے میں پاکستان اپنی کل ملکی پیداوار کا ۶.۸ فیصد اپنی افواج پر خرچ کر رہا ہے جو کہ ۱۳۳ ارب روپے ۳.۲۰ بلین امریکی ڈالر کے برابر ہے۔ آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بھارت سے تقریباً آٹھ گنا چھوٹا ہونے کے باوجود اتنی زیادہ رقم اپنی افواج پر صرف کرنے سے یقیناً پاک افواج کی تعمیر نو یا جدید کاری کی رفتار بھارت سے خاصی زیادہ ہے۔ اور جدید کاری کا یہ عمل اسی رفتار سے جاری رہا تو پاکستان آئندہ پانچ سال کے اندر اندر اپنی افواج کو بھارت کے مقابلے میں بہت زیادہ بلندی پر لے جا سکتا ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کسی دباؤ میں آ کر اپنے دفاعی بجٹ میں کمی نہ کرے۔ بدقسمتی سے پاکستان کو دیانتدار حکمران اور افسر نہیں ملتے، ورنہ پاکستان دفاعی طور پر اتنا مضبوط ہو سکتا ہے کہ ایک دن بھارت کو پاکستان کے آگے جھکنا پڑے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کرنا پڑے۔

بھارت نے پاکستان کو اقتصادی طور پر تباہ کرنے کی جتنی چالیں اب تک چلی ہیں وہ اس کے خلاف ہی پڑی ہیں۔ مثلاً اس نے پاکستان کو اسلحے کی دوڑ میں شامل ہونے پر مجبور کر کے خود اپنے

...نتے ہوئے۔ سابق مشرقی پاکستان میں اس نے لسانی عصبیت کو فروغ دے کر پاکستان سے الگ کیا تو بالواسطہ طور پر اپنے ملک کی نظریاتی اساس پر حملہ کیا۔ اب خود اس کے طول و عرض میں علاقائی، لسانی اور مذہبی بنیادوں پر لاتعداد تحریکیں ابھر چکی ہیں جو اس کے وجود کے لیے بڑا چیلنج بنی ہوئی ہیں۔

ان حالات میں پاکستان کے دفاعی بجٹ میں کمی کی تجاویز آ رہی ہیں۔ اگرچہ ایسا آئی ایم ایف اور امریکہ وغیرہ کی ہدایت پر کیا جا رہا ہے۔ لیکن ایسے لوگ موجود ہیں جو سنجیدگی سے دفاع کو کمزور کر رہے ہیں۔ ان حالات میں دفاع میں کمی کی کوشش یا امکان بھارت کے ناپاک جسم میں تازہ خون داخل کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ پاکستان اپنے دفاعی بجٹ میں کمی کرنے کے بجائے اسی بجٹ کی حدود میں رہ کر تمام عسکری اداروں کو بہتر سے بہتر انداز میں اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے قابل بنائے۔ ہمیں زوال پذیر بھارتی معیشت اور فرسودہ عسکری نظام کا گہرائی سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ ہمارے پاس ذرائع اور وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ صرف ان وسائل کو بہتر سے بہتر انداز میں استعمال کرنے کی ضرورت پیدا کرنا ہوگی۔ افواج پاکستان کا فروغ ہو۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے عسکری اداروں اور عوام کو ساتھ لے کر چلیں۔ یہ وقت پاکستان کی مسلح افواج کے ہاتھ باندھنے کا نہیں، ہمیں تو تمام پاکستانیوں کو ایک عظیم لشکر اسلامی میں تبدیل کرنا ہوگا۔ اگرچہ پاک افواج کا شمار دنیا کی جدید اور منظم ترین افواج میں ہوتا ہے مگر اب افواج کی تنظیم میں نئے نئے نظریات اور اصول فروغ پا رہے ہیں جن کا مقصد فوج کی افرادی قوت میں اضافے کی بجائے اس کے معیار اور اس کی سریع الحرکتی میں اضافہ کرنا ہے تاکہ کم سے کم افرادی قوت سے بہتر سے بہتر نتائج حاصل کیے جا سکیں۔

پاکستان میں یہ اہلیت موجود ہے کہ وہ اپنی افواج کو مزید سریع الحرکت فوج (RAPID ACTION FORCE) میں تبدیل کر سکے۔ جس سے بھارت کی عددی برتری کو تباہ کن حد تک ختم کرنے کی اہلیت حاصل ہو جائے گی۔ جبکہ دوسری طرف زوال پذیر بھارتی افواج کے لیے ابھی تک جدید رجحانات کو اپنانا دشوار ہے۔ اس کی بنیادی وجہ بھارت کی تباہ حال معیشت ہے۔ لہٰذا حالات و حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنی عسکری اہلیت کو بہتر سے بہتر بنانا ہوگا کیونکہ اسی میں ہماری آخری فتح کا راز پوشیدہ ہے۔ یہی قرآن مبین کا حکم ہے۔

”اور ان دشمنوں کے مقابلے کے لیے اپنی استعداد کے مطابق تیاری رکھو“

(القرآن)

☆☆☆

بدقسمتی یا سازش کے شکار ہمارے چند نام نہاد دانشور پاکستان میں انٹلیکچوئل سطح پر یہ

تحریک چلا رہے ہیں کہ خدانخواستہ پاکستان کی حیثیت بھارت کے نزدیک سری لنکا، بھوٹان، بنگلہ دیش اور نیپال جیسی ہے لیکن وہ نہیں جانتے کہ ہمارے حکمرانوں کی بدترین بداعمالیوں، سیاستدانوں کی حرام کاریوں اور مفاد پرست جاگیرداروں اور بیوروکریسی کی لوٹ مار کے باوجود آج بھی پاکستان بھارت کے مقابلے میں بدرجہا بہتر ملک ہے۔

یہ دانشور دراصل محروم دانشوروں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ساتھ معاشرتی زیادتیوں نے انہیں گمراہ کر دیا ہے کہ وہ اب پاکستان کی سالمیت کے خلاف ہرزہ سرائی کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

کبھی پاک بھارت دوستی کے نعرے لگاتے ہیں۔
کبھی باہمی وفود کے تبادلے ہوتے ہیں۔
کبھی عوامی سطح پر ڈائیلاگ کی باتیں کی جاتی ہیں۔
کبھی تحریک نوا اور کبھی تحریک تھری کی تحریک چلائی جاتی ہیں۔

ان سب سازشوں سے پاکستانی قوم بخوبی باخبر ہے اور وہ کبھی اپنی سازشوں میں کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ وہ اس ابدی سچائی کو فراموش کر جاتے ہیں کہ پاکستان افراد کے مجموعے کا نام نہیں نظریے کی بنیاد پر حاصل کردہ ایک مملکت کا نام ہے۔

اس کے برعکس بھارت غیر منطقی بنیادوں پر اکٹھے ہونے والے مختلف النسل اقوام، مذاہب اور افکار رکھنے والے افراد کے اجتماع کا نام ہے۔ جس کا اتحاد قطعی غیر فطری ہے۔

وہ اس سچائی کو نہیں مانتے کہ بھارت کبھی ایک ملک نہیں تھا نہ وہاں کے عوام کبھی ایک تھے، قائداعظم نے فرمایا تھا کہ ہم ہزار سال سے اکٹھے ضرور رہتے آ رہے ہیں لیکن ہمارا تمدن، رہن سہن سب ہندوؤں سے جدا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ آج بھی جو مسلمان بھارت میں رہتے ہیں وہ اپنی الگ شناخت کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کا رہن سہن، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا غرض ہر عادت ہندوؤں سے مختلف ہے۔

گو کہ بعض تاریخی عوامل نے بھارت میں بسنے والے ۹۰ فیصد لوگوں کو دس فیصد اقلیت یعنی براہمن کا تابع بنا رکھا ہے لیکن تابکہ ... !

ہندوستان کے منتشر خیال عوام کو ایک ملک بنانا مسلمانوں کا کارنامہ ہے [illegible] ...نوں کی بھارت میں آمد سے پہلے یہاں کوئی باقاعدہ مرکزی حکومت نہیں تھی۔ مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اپنے دائروں میں سمٹے اپنی اپنی الگ حکومت بنائے ہوئے تھے۔ ہندو مہاراجہ ایک دوسرے کے خون

کے پیاسے تھے۔

مہابھارت ایسے واقعات کا مجموعہ ہے۔

کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائی بھارت کی تاریخ ہے۔ اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ دونوں ہندو مذہب رکھنے والے ہندو روایات کے مطابق ایک دوسرے کے خلاف جانے کتنے سال تک "کور کیتر" کو میدان جنگ بنائے رہے تھے۔

یہ اسلام کی برکات تھیں جنہوں نے اس بد حال اور منتشر معاشرے کو ایک لڑی میں پرو دیا اور اب تاریخ کو دہرانے کے عمل کا آغاز ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی علیحدہ مملکت پاکستان کے قیام کے بعد اب بھارت اپنی پرانی شکل پر واپس جانے والا ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ طبقاتی منافرت کے ہاتھوں بھارت کی ہر ریاست کئی ریاستیں اور شہر بن گئے ہیں۔

برہمن کی پالیسیوں نے تمام اقلیتوں ہی کو نہیں ہریجن اور "ذلت ساج" (چھوٹی ذات کے ہندو) کو بھی اس کا دشمن بنا ڈالا ہے۔ اور یہ دشمنی اب ختم ہوتی دکھائی نہیں دے رہی۔ یوں تو برہمن، کھتری، ویش اور شودر سب ہی ہندو کہلاتے ہیں لیکن ساری دنیا کے دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ ہندو صرف برہمن ہی ہیں باقیوں کو وہ اپنے برابر کا درجہ دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد گو کہ برہمن لیڈر شپ نے بڑی چالاکی سے سیکولرازم کے پردے میں اپنی سیاسی بداعمالیوں کو چھپانا چاہا لیکن یہ عارضی کامیابی تھی کیونکہ یہ چانکیائی ہتھیار زیادہ دیر چلنے والا نہیں تھا۔ آئے روز کے فسادات خصوصاً مسلمانوں کا قتل عام اور گزشتہ دس سال سے تو یہ سلسلہ مسلمانوں کے بعد ہریجنوں، بدھ مت کے پیروکاروں اور عیسائیوں تک پھیل چکا ہے۔ ہندو قوم پر تحقیق کرنے والے مشہور ماہر عمرانیات ڈاکٹر گستاؤلی بان نے برہمن سے متعلق لکھا ہے کہ برہمن دراصل آریاؤں کی وہ نسل ہے جو تین ہزار سال قبل مسیح دریائے جیحوں کے کنارے تباہ ہو گئے تھے اور طاقت پکڑنے کے بعد پھر انہوں نے لوٹ مار کے لیے وسطی ایشیاء کی طرف پیش قدمی کی جہاں سے کابل کے دروں سے ہو کر جنوبی ایشیاء میں داخل ہوئے اور قدیم ہندوستان میں آ گئے۔ یہاں پہلے ہمالیہ کے دامن میں اپنی آبادیاں قائم کیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گنگا اور جمنا کے میدانوں میں آ کر آباد ہوتے گئے۔ بالآخر پورے ہندوستان پر چھا گئے۔ برہمنوں نے ہندوستان کے اکثر حصوں پر قبضے کے بعد مقامی لوگوں کو مغلوب کر کے انہیں دو درجوں میں تقسیم کر کے اپنا غلام بنا لیا۔ ایک درجے میں ان لوگوں کو رکھا گیا جو یہاں کے اصل اور قدیم باشندے تھے۔ ان کو شودر کا نام دیا گیا۔ برہمن کی ہمہ وقت اطاعت اور خدمت گزاری ان کی مذہبی ذمہ داری قرار پائی دوسرے درجے میں جن لوگوں کو رکھا گیا وہ ویش

کہلائے۔ ویش ہندوستان کے اصل اور قدیم باشندے تو نہیں تھے مگر آریوؤں سے پہلے باہر سے آ کر آباد ہو گئے تھے تب یہ تورانی کہلاتے تھے مگر آرین برہمن کہلائے اور تورانیوں کو نام بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ انہیں شودروں سے بلند مقام دے کر ویش کے خطاب سے نوازا گیا۔"

گستاؤلی بان کی تحقیق کے مطابق کھتری سے مراد وہ قوم ہے جس نے آریاؤں (برہمن) کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ قوم انتہائی بہادر اور آزادی پسند تھی۔ مگر آریاؤں کی عسکری اور دماغی قوت بہت تیز تھی۔ انہوں نے مقامی باشندوں (شودر) تورانیوں (ویش) اور کھتری کی مذہبی "تربیت" کی اور ایک من گھڑت مذہبی فلسفے کے تحت غلام بنا ڈالا۔ اس طرح آریہ برہمن (مراد مذہبی سردار اور مقدس رسوم) بن کر ان تینوں قوموں پر حکومت کرنے لگے۔

آج کے ہندوستان میں بھی برہمن پورے ملک کی آبادی کا صرف پانچ فیصد ہیں مگر جمہوریت کے نام پر اور نام نہاد مذہبی ہتھکنڈوں کے ذریعے ۹۵ فیصد غیر برہمنوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اقلیت ہونے کے باوجود یہ طبقہ بھارت کے کل سرکاری ملازمتوں کے ستر فیصد حصے پر قابض ہے، جبکہ نچلی ذات کے ہندو جو پوری آبادی کا ۵۲ فیصد اور تمام ہندوؤں کا ۷۰ فیصد ہیں۔ سرکاری ملازمتوں میں سے صرف پانچ فیصد حصے کے مالک ہیں۔ ان نچلی ذات کے ہندوؤں میں یادو، یادیو، کمہار اور ہریجن (شودر) شامل ہیں۔ نچلی ذات کے ہندوؤں میں ہریجن واحد قوم ہے جس نے سب سے پہلے تقسیم کے فوراً بعد اپنے جائز حقوق کے لیے لڑنا شروع کیا۔ کل ہندو آبادی کے ۲۸ فیصد ہریجنوں کو ہندو معاشرے میں انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ شہروں اور بستیوں میں غلاظت کی صفائی، مردوں کو جلانے اور دیگر گھٹیا ترین امور کی سرانجام دہی ہریجنوں کے ذمہ ہے۔ اس طبقے پر تمام اہم ملازمتوں پر پابندی ہے۔ پابندیوں کی وجہ سے اقتصادی لحاظ سے یہ قوم ہندو معاشرے میں سب سے نچلے درجے پر ہے یہی وجہ ہے کہ اس قوم میں دیگر اقلیتوں سے کہیں زیادہ احساس محرومی ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے ایک طرف تو یہ قوم مائل بہ اسلام ہو رہی ہے، دوسری طرف ان علاقوں میں جن میں یہ اکثریت میں ہیں شودر لینڈ اور ہریجن لینڈ کا تصور دن بدن قوی ہو رہا ہے۔

☆☆☆

بھارتی صوبوں آندھرا پردیش، کرناٹک اور تامل ناڈو میں ستر فیصد سے زائد ہریجن آباد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان صوبوں میں بھارت سے علیحدگی اور شودر لینڈ اور ہریجن دیش کا تصور بڑی تیزی سے ابھر رہا ہے۔ ان علاقوں میں اونچی ذات کے ہندوؤں کو نہ صرف نفرت سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اب تو نچلی ذات کے ہندو، برہمنوں کو بھارت کے ان تینوں صوبوں سے باہر نکال پھینکنے کے لیے مسلح کارروائیاں بھی کر

سب سے بڑی تحریک دلت مہا سبھا (DALIT MAHASABHA) ہے۔ اس تنظیم کی سرگرمیاں برہمنوں اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے خلاف ہوتی ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں اس نے اپنے اکثریتی علاقوں کو بھارت سے کلی طور پر جدا کرنے کا مطالبہ کیا۔ دلت تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے اور اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ بھارت کے خلاف تحریک چلانے والی یہ قوم آئندہ کچھ برسوں میں اسلام قبول کر لے۔ برہمنوں کے مظالم سے تنگ آ کر دلت لیڈروں نے واضح طور پر کہا ہے کہ اگر برہمنوں کا یہی رویہ رہا تو ۲۰۰۰ء میں دلت بیک وقت اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ بھارت کے تمام حکمران سوائے چار وزرائے اعظم کے برہمن تھے۔ بھارت پر طویل ترین عرصے تک قابض رہنے والا نہرو خاندان واحد برہمن خاندان ہے جس نے بھارت میں سیکولر ذہنیت اور برہمنوں کے استحصال کو قانونی تحفظ فراہم کیا۔ نہرو کے دور حکومت میں اسلام قبول کرنے والے برہمنوں کو زبردستی ہندو بنایا گیا اور مسلمانوں کے خلاف نفرت میں اضافہ کرنے کے لیے بابری مسجد کو شہید کیا گیا۔ الغرض برہمنوں نے ہر دور میں نچلی ذات کے ہندوؤں اور غیر ہندو اقلیتوں کا اس حد تک استحصال کیا کہ بالخصوص نچلی ذات کے ہندوؤں میں آزادی حاصل کرنے کے جذبات نمو پانے لگے ہیں۔

بھارت کی دوسری بڑی اکثریت یا سب سے بڑی اقلیت وہاں کے مسلمان ہیں۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق بھارت میں مسلمانوں کا تناسب تیرہ سے پندرہ فیصد تک ہے۔ مگر ان کی شرح پیدائش دیگر تمام قوموں سے پانچ فیصد زیادہ ہے۔ دیگر غیر مسلم اقوام کا اسلام کی طرف رجوع کرنے کا رجحان بھی دن بدن بڑھ رہا ہے۔ اس طرح مسلمان واحد قوم ہیں جن کی افرادی قوت میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور ایک اندازے کے مطابق اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے تک بھارت میں مسلمانوں کا تناسب پندرہ سے بڑھ کر ۲۵ فیصد تک جا پہنچے گا۔ اگر برہمنوں نے بھی اسی طرح ذات سے بیزار ہو کر اسلام قبول کرنے کی موجودہ رفتار جاری رکھی تو چند سالوں کے اندر اندر بھارت میں مسلمانوں کا تناسب چالیس فیصد تک پہنچ سکتا ہے۔

مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی وجہ سے برہمن طبقہ مسلمانوں سے سب سے زیادہ بدظن ہے یہی وجہ ہے کہ بھارت میں آئے دن مسلم کش فسادات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بھارت کی کل آبادی کا ۱۵ حصہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کو بھارت میں سرکاری ملازمتوں میں پانچ فیصد سے بھی کم حصہ دیا گیا ہے۔ جبکہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت انہیں تعلیم اور معیشت میں بھی دیگر اقوام سے بہت پیچھے رکھا گیا

ہے۔ بابری مسجد کی شہادت اور گجرات میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ ۲۰۰۰ء سے اب تک فرقہ وارانہ مسلم کش فسادات سے مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھ گیا ہے۔ وہ بھارت میں رہنے کے باوجود اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتے ہیں۔ متعصب ہندو انہیں پاکستانی قرار دیتے ہیں۔ ان کے خلاف ہونے والے مسلم کش فسادات اور عدم تحفظ نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ہندو اکثریت کے ساتھ وہ محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان کے اندر ایک اور اسلامی ریاست کے حصول کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست جہاں وہ آزادی سے اسلامی طرز زندگی اپنا سکیں اور اپنے مذہبی مقامات کا تحفظ کر سکیں۔ اسی سوچ کے فروغ پانے کا نتیجہ ہے کہ تحفظ کی خاطر بھارت کے مسلمانوں نے ان علاقوں کی طرف ہجرت اور نقل مکانی کرنا شروع کر دی ہے جہاں وہ اکثریت میں ہیں یا پہلے سے بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

اڑیسہ میں مسلمانوں کی آبادی ۳۰ فیصد سے زائد ہے جبکہ بہار اور آسام میں بھی مسلمانوں کی آبادی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ بابری مسجد کے سانحے کے بعد دیگر مساجد پر ہندوؤں کے بار بار حملوں اور مسلمانوں کی املاک و عزت کی پامالی اور ہندو انتہا پسندوں کی ترقی نے مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ ہندو ان کا مذہبی تشخص ختم کر کے انہیں اپنے اندر ضم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مگر انہیں پھر بھی کوئی چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اپنی کمتر ذات و نسل اور نچلے درجے کے ہندو بنا چاہتے ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی اور راشٹریہ سیوک سنگھ کے متعصب لیڈروں نے پہلے ہی ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کی ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی ہے جسے گرایا جانا ممکن نہیں رہا۔ اس صورت حال میں بھارتی مسلمانوں میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا خیال ابھرنا فطری امر ہے۔ ایک ایسی ریاست جو کسی طور پر متعصب ہندوؤں کی گرفت سے آزاد ہو اور بھارتی مسلمانوں کی عزت و آبرو کی پناہ گاہ اور ان کی امنگوں سے ہم آہنگ ہو۔

بھارت کی ہندو حکومت آنے والے دور میں صرف کشمیر میں آزادی کی تحریک سے متعدد نمٹ رہی ہوگی بلکہ اسے ایک اور پاکستان کے لیے لڑنے والے کروڑوں مسلمانوں کی جدوجہد کا بھی سامنا کرنا ہوگا۔ نئی اسلامی ریاست کے تصور نے مسلمانوں کو ایک دفعہ پھر ایک ہو کر بھارت کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی بھارتی مسلمانوں سے نفرت نے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر ان کی سوئی ہوئی غیرت جگا دی ہے۔ متعصب ہندو انہیں پاکستانی ہونے کے طعنے دیتے تھے۔ اس بات نے بچے کھچے مسلمانوں کی محبت کا رخ بھارت سے موڑ کر پاکستان کی طرف کر دیا

ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ جب کبھی بھارت اور پاکستان کے درمیان
کرکٹ کا میچ ہو تو بھارت کے ہارنے کی صورت میں مسلمانوں میں عید کا سا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔
مسلمان اپنے غریب بھائیوں میں مٹھائی تقسیم کرتے اور شکرانے کے نفل ادا کرتے ہیں جبکہ دوسری
طرف ہندو شرم کے مارے گھروں سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اس مثال کو بیان کرنے کا مقصد واضح کرنا
ہے کہ جس طرح ماضی میں ہندوستانی مسلم (مراد پاکستان) اور ہندو میں باقاعدہ افتراق سے پہلے ہی
تقسیم ہو چکا تھا اس طرح موجود بھارت ابھی باقاعدہ تقسیم ہونے سے پہلے ہی نظریاتی طور پر ہندو
بھارت اور مسلمان بھارت میں تقسیم ہو چکا ہے۔ نظریاتی تقسیم کے بعد اب صرف جغرافیائی تقسیم کا عمل
باقی ہے جو آئندہ برسوں کے اندر تکمیل کے مراحل طے کرلے گا۔

بھارت کے ٹوٹنے میں ایک اہم محرک متعصب ہندوؤں کا رویہ بھی ہے۔ وہ بھارت کی
سرزمین پر کسی غیر ہندو خصوصاً مسلمان کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ خصوصاً وہ مسلمان جو اپنا
تشخص اور امتیاز باقی رکھنے پر مصر ہوں جو مسلمان بن کر رہنے اور مسلمانوں کے رسوم و رواج،
عادات واطوار اور عبادات وغیرہ پر عمل پیرا ہوں۔

☆☆☆

بھارتیہ جنتا پارٹی کے رہنما ایل کے ایڈوانی نے ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کے سانحے کے بعد
اخبارات کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا "ہم پورے بھارت کو سیکولر کی بجائے خالص ہندو ریاست بنانا
چاہتے ہیں۔ اگر اقلیتیں بھارت میں امن اور تحفظ چاہتی ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ ہندو بن جائیں۔"

اس وقت بھارت میں بھارتی جنتا پارٹی، ورلڈ ہندو کونسل، راشٹریہ سیوک سنگھ اور شیو سینا
پورے زور وشور سے "ہندوستان ہندو کا" کے نظریئے کے لیے جدوجہد کررہی ہیں۔ ان تمام جماعتوں کا
ایکشن اور یکساں منشور کے حوالے سے بھارتیہ جنتا پارٹی سے اتحاد قائم ہو چکا ہے۔ ان کا مقصد بھارت
میں سیکولرازم کی بجائے "رام راجیہ" یعنی مکمل ہندو ریاست قائم کرنا ہے۔ ان تنظیموں کے فروغ کا اندازہ
اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۸۴ء میں وفاقی پارلیمنٹ میں بی جے پی نے صرف دو سیٹیں حاصل کی
تھیں۔ سات برس بعد یعنی ۱۹۹۱ء کے الیکشن میں بھارتی پارلیمنٹ کی (۵۱۱) سیٹوں میں سے بی جے
پی (۱۱۹) سیٹیں حاصل کر کے سب سے بڑی اپوزیشن کی حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔
۱۹۹۶ء کے انتخاب میں اس پارٹی اور اس کی ہندو اتحادی جماعتوں کو بھارتی پارلیمنٹ میں دیگر تمام
پارٹیوں پر فوقیت حاصل ہے۔

بھارتی جنتا پارٹی کے اکثریت میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی جان و مال اور

آبادی زیادہ ہوں اور وہ اپنے آپ کو ہندوستان میں زیادہ غیر محفوظ سمجھیں۔ بھارتی صوبہ اتر پردیش
میں سانحہ بابری مسجد کے وقت بھی بی جے پی کی صوبائی حکومت قائم تھی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے
پی) کے سیاسی منشور پر تبصرہ کرتے ہوئے بھارت کے سابق وزیراعظم چندر شیکھر نے کہا "وہ بھارتی
تاریخ کو دوبارہ لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور تمام غیر ہندو نشانات کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد
بھارت میں یکسانیت پیدا کرنا ہے حالانکہ ہندو معاشرے میں کبھی یکسانیت نہیں تھی یہ ہر وقت بکھرا ہوا
تھا۔ ان کی یہ ناکام کوشش بھارت کو بکھیر دے گی۔"

ہندوؤں کو عظمت رفتہ کے نام پر زندہ کرنے کے نعرے کی مہم بردار تمام ہندو تنظیموں کا منشور
تقریباً یکساں ہے۔ ان کے پروگرام کے اہم نکات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تمام غیر ہندوؤں کو ہندو اور تمام ہندوؤں کو کٹر ہندو بنانا۔
۲۔ ہندو قوم کی نئے سرے سے تشکیل اور اسے ہندو معاشرے کی تشکیل نو میں معاون بنانا۔
۳۔ بھارت اور ہندو مذہب کو تابندہ اور روشن کرنے کے لیے بھارتی تاریخ کو از سر نو مرتب کرنا اور اس میں موجود تمام ہندو نشانات مکمل طور پر مٹا دینا۔
۴۔ ہزاروں سال قبل کے (افسانوی) دھرم راج کو دوبارہ نافذ العمل کرنا۔
۵۔ قومی پرچم اور قومی ترانے کو تبدیل کرنا۔
۶۔ ماضی سے باہر آ کر حکومت کرنے والے لوگوں کو مٹا ڈالنا۔
۷۔ اقلیتوں، بالخصوص مسلمانوں کے تمام مذہبی اور تعلیمی اداروں (مدرسوں) کو بند کرنا۔
۸۔ معاشرتی زندگی کے لیے تمام افراد، تمام طبقوں اور تمام اقوام کے لیے یکساں ضابطہ حیات مرتب کرنا جو ہندوازم کی جامع عکاسی کرے۔

اپنے منشور کو عملی صورت دینے کے لیے بھارتیہ جنتا پارٹی نے اتر پردیش، مدھیا پردیش،
راجستھان اور ہماچل پردیش میں اپنے دور حکومت میں کئی عملی اقدامات کیے۔ ان میں سرفہرست کمبھ
میلہ، رام میلہ، تیرتھ یاترا اور دیوالی جیسے مذہبی تہواروں کو فروغ دینا تھا۔ مسلمانوں کے دینی مراکز پر
قبضہ اور مسلم کش فسادات کروانا بھی واضح طور پر ان کے پروگرام میں شامل تھا۔ ان علاقوں میں آج
مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جدید بھارت کی پوری تاریخ کا یہ
فیصلہ ہے کہ معاشی طور پر مسلمانوں کو شدھی (یعنی ہندو) بنانے کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔ اب اس
"کارِ خیر" میں بھی تیزی لائی جارہی ہے راجستھان اور ہماچل پردیش میں ہزاروں نومسلموں کو
دوبارہ جبراً ہندو بنا دیا گیا ہے۔

یوں بھارت کی ان تمام متعصب ہندو سیاسی جماعتوں نے اپنی غیر حقیقت پسندانہ سرگرمیوں کی بدولت ہندوستان کی ایکتا اور یک جہتی کو نقصان ہی پہنچایا ہے۔ مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ان کی بقا اور دین کی سلامتی اس میں ہے کہ وہ ماضی کی طرح ایک بار پھر جہاد کی راہ اختیار کریں اس لیے کہ ہندو ان کے دوست نہیں بن سکتے۔ نہ وہ مکالمے کی زبان سمجھتے ہیں۔ تلوار سے ہی وہ سمجھتے آئے، اسی کی زبان سے انہیں سمجھانا ہوگا۔ جہاد کی راہ اپنا کر مسلمان پورے بھارت پر چھا سکتے ہیں۔ کم از کم اپنے اکثریتی خطوں میں آزاد ریاستیں تو قائم کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب بھارت کے طول و عرض میں ہندوؤں کے خلاف جہادی تحریک کے رجحانات فروغ پا رہے ہیں۔

دہلی، مدھیہ پردیش اور اتر پردیش کے علاقے ہندی بیلٹ میں شامل ہیں۔ یہ تمام علاقے جغرافیائی لحاظ سے باہم ملے ہوئے ہیں اور ان علاقوں کے عوام رسم و رواج اور ثقافت میں ایک دوسرے سے کافی حد تک ملتے جلتے ہیں۔ یہ پورے بھارت میں واحد علاقہ ہے جہاں ہندی مکمل طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے اس علاقے کو ہندی بیلٹ کہا جاتا ہے۔ یہ تین صوبے بھارت کے تقریباً قلب میں واقع ہیں اور بھارت کی اونچی ذاتوں (بالخصوص براہمن) آبادی کا ستر فیصد یہیں آباد ہے۔ سوائے مرارجی ڈیسائی کے، تمام وزرائے اعظم، صدور اور اہم شخصیات جن میں سرکاری، غیر سرکاری اور سیاست دان بھی شامل ہیں اسی علاقے (ہندی بیلٹ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس خطے کو بھارت کے دیگر تمام علاقوں پر برتری حاصل ہے۔ بھارت کے کل بجٹ کا ستر فیصد یہاں صرف کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہاں بھارت کی کل آبادی کا صرف ۴۲ فیصد حصہ آباد ہے۔ شمال اور مشرق میں واقع تمام علاقے جن میں بہار، آسام، میزورام، ناگالینڈ اور منی پور وغیرہ شامل ہیں۔ خود کو ہندی بیلٹ کا غلام سمجھنے لگے ہیں۔ اور وہ ہر صورت میں اس بیلٹ سے اپنے آپ کو علیحدہ اور آزاد کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ محنت وہ کرتے ہیں اور اس کے ثمرات ہندی بیلٹ کے استحصالی گروہوں کی جھولی میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔

ہندی بیلٹ کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی زبان ہندی سے بالکل مختلف ہے۔ جس وجہ سے ان علاقوں کے عوام اور سیاسی لیڈروں کو مرکزی سیاست میں آنے سے پہلے ہندی سیکھنا پڑتی ہے۔ ہندی لہجے پر عبور حاصل کیے بغیر انہیں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ حالانکہ ان کے لیے ہندی سیکھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی عربی بولنے والے کے لیے انگریزی سیکھنا۔ اس وجہ سے شمال اور جنوبی بھارت کے عوام کے درمیان زبان نے ایک بہت بڑا مسئلہ کھڑا کر رکھا ہے۔ اسی مسئلہ نے بھارت کو قدرتی طور پر دو خطوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ دونوں علاقوں کے رسم و رواج اور ثقافت میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر

وسطی اور جنوبی ہندی علاقے میں اونچی ذات کے ہندوؤں کی اکثریت آباد ہے تو شمال اور مشرق میں نچلی ذات کے ہندو اکثریت میں ہیں۔ جن میں برہمن سرفہرست ہیں جو کل ہندو آبادی کا ستر فیصد ہیں۔ نچلی ذات کے ہندو اکثریت میں ہیں۔ نچلی ذات کے ہندوؤں میں سیاسی شعور کی بیداری نے انہیں ہندی بیلٹ اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے خلاف کھڑا کر دیا ہے۔ بلحاظ زبان اور تمدن کے لحاظ سے قدرتی تقسیم دن بدن گہری ہوتی جا رہی ہے۔

☆☆☆

اس ہندی اور غیر ہندی تقسیم کو مزید گہرا کرنے میں بھارتی حکومتوں کی غلط اقتصادی پالیسیوں نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ مقتدر ہندی بیلٹ کی تمام مقتدر شخصیات نے وہ تمام پراجیکٹ جو دوسرے علاقوں کی ترقی کے لیے شروع کیے جا رہے تھے روک کر اپنے خطے میں منتقل کر لیے یہی وجہ ہے شمالی بھارت میں ملک کے تمام علاقوں کے مقابلے میں بے روزگاری کی شرح بہت زیادہ ہے۔

مدراس یونیورسٹی کے شعبہ معاشیات کے ہیڈ پروفیسر ناگاتھن کے بقول ہندی غیر ہندی کی تقسیم اور ہندی علاقوں بالخصوص دہلی، اتر پردیش اور مدھیہ پردیش کی پورے بھارت پر اجارہ داری اور معاشی تفاوت نے بھارت کو قدرتی طور پر جنوبی اور شمالی بھارت میں تقسیم کر دیا ہے۔ اگر اس خلیج کو ختم نہ کیا گیا تو مستقبل میں بھارت بہر صورت شمال کی کئی آزاد مملکتوں اور جنوب کے آزاد علاقوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

اسی طرح کرناٹک کے سابق وزیراعظم نے ۱۹۵۵ء میں اخبارات کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا "مرکز کا غیر ہندی اور شمالی علاقوں کی طرف رویہ نہایت معاندانہ اور متعصبانہ ہے۔ بہت سے اقتصادی اور صنعتی منصوبے جو ہم کرناٹک (صوبہ) میں شروع کرنا چاہتے تھے اور جو ٹیکنیکی بنیادوں پر بھی ہمارے علاقوں کے لیے منظور ہو چکے تھے جان بوجھ کر دوسرے مقامات پر منتقل کر دیے گئے۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ کم و بیش بیس ایسے واقعات اور مثالیں دے سکتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مرکز جان بوجھ کر مغربی علاقوں کو اپنا غلام بنا رہا ہے اور معاشی طور پر مفلوج کر رہا ہے۔ یہ صورت حال علاقے کے لوگوں میں بھارت اور مرکز سے نفرت اور علیحدگی کے رجحانات کو فروغ دینے کا باعث بن رہی ہے۔ شمالی علاقوں سے وفاقی پارلیمنٹ کے ممبر چندر شیکھر کے بقول:۔

"ملکی آئین کے مطابق جنوب بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل ہے جتنا شمالی اور وسطی بھارت کے ہندی بولنے والے علاقے، مگر کیا وجہ ہے آج تک نہ تو ہمارے علاقوں سے صدر چنا گیا ہے نہ وزیراعظم! کیا تمام اہم پوسٹیں صرف ہندی بولنے والوں کے لیے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ نہرو، اندرا اور راجیو میں سے

کسی ایک نے بھی ہمارے علاقے کی ترقی کے لیے کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔ انہیں اپنے علاقوں کی اہمیت تو یاد ہے مگر ہمارے علاقوں کو یہ بھول جاتے ہیں جیسے یہ بھارت کا حصہ نہیں۔ اگر یہ صورت حال برقرار رہی تو ہم زیادہ دیر تک بھارت کا حصہ نہیں رہ سکتے۔"

اسی طرح بھارت کی چھوٹی سی ریاست کیرالہ کا معاملہ ہے جو بھارت کے کل رقبے کا صرف ایک فیصد اور کل آبادی کا صرف چار فیصد ہے۔ اسی چھوٹی سی ریاست سے بھارت اپنی سالانہ آمدنی کا ۳۰ فیصد حاصل کرتا ہے مگر اس کے باوجود اس علاقے کی ترقی پر مرکز ایک فیصد بھی خرچ نہیں کرتا۔ کیرالہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ "کیرالہ پرنٹنگ" کے مدیر کے پی رام موہن کے بقول:۔

"مرکز کیرالہ سے ایک کھرب ساٹھ ارب روپے کے برابر خطیر رقم حاصل کرتا ہے، مگر اس علاقے کا بجٹ صرف ۲۰ ارب روپے ہے۔ جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مرکز کیرالہ کے خون سے ہندی بیلٹ کے علاقوں کی آبیاری کر رہا ہے۔"

دھیان رہے کہ اڑیسہ کے بعد کیرالہ دوسری ریاست ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافے کی شرح دیگر علاقوں سے بہت زیادہ ہے۔ یہاں کے زیادہ تر مسلمان خلیجی ممالک میں کام کرتے اور بھارت کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

دہلی اس واضح امتیازی پالیسی نے شمال میں واقع اس چھوٹی سی ریاست کو بھی بھارت کے خلاف آمادہ کر دیا ہے۔ ایک اور جنوبی ریاست تامل ناڈو کے ایک اسکول کی ٹیچر بیس سالہ ایس وی رانی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کسی سے نفرت نہیں کرتے مگر وہ (مراد مرکز) ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ کبھی یہاں فوج بھیج دی جاتی ہے اور کبھی ہمارے فنڈز روک دیئے جاتے ہیں۔ کوئی بھی ہمارے مسائل اور دل کی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ اس صورتحال میں اگر ہمارے نوجوان ہندی بولنے والوں سے علیحدگی چاہتے ہیں تو یہ کوئی غیر اصولی بات نہیں۔"

اسی طرح چنئی کے معروف ماہر اقتصادیات ایس کرشنا کا کہنا ہے کہ جنوب کو جان بوجھ کر شمال والے (مراد ہندی بولنے والے) نظر انداز کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے مجبوراً جنوب والے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ شمال اور جنوب کی یہ تقسیم ایک کھلی حقیقت پر مبنی ہے جسے آج تک کسی نے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر یہ صورت حال مزید گمبھیر ہوتی گئی تو ایک نہ ایک دن جنوب کی تمام ریاستیں اور تمام صوبے (صوبہ) شمال سے علیحدہ اور آزاد ہو جائیں گے۔

(بحوالہ پروگرام ان سائیڈ نیوز بی بی سی ۱۱۶ کتوبر ۱۹۹۶ء)

۲۰۰۰ء میں جنتا دل کے رہنما اور سابق وزیر اعظم اندر کمار گجرال نے ایک جلسہ عام سے خطاب

کرتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ دن دور نہیں جب تمل ناڈو میں قوم پرستی مضبوط ہو گی اور مرکز سے نفرت اپنی انتہا پر پہنچ جائے گی۔ یہ صوبہ دوبارہ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے ابھر آئے گا۔ جس کی اپنی ثقافت اور اپنی زبان ہو گی اور پھر جنوب والے مرکز سے اپنی معاشی بدحالی کا حساب طلب کریں گے۔"

☆☆☆

پاکستان کے مشرق میں پنجاب سے متصل بھارتی صوبہ پنجاب واقع ہے جبکہ اس کے مشرق اور جنوب مشرق میں جغرافیائی اور دفاعی لحاظ سے دو اہم صوبے گجرات اور راجستھان واقع ہیں۔ جس طرح بھارتی پنجاب اور ہمارے پنجاب کی آب و ہوا، زمین، زبان اور بہت سے رسم و رواج میں مطابقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اسی طرح بھارتی صوبے راجستھان اور پاکستان کے صوبہ سندھ میں بہت زیادہ مطابقت ہے۔ ماضی میں بھارت کے یہ دونوں صوبے پاکستان کے ان دونوں صوبوں کا حصہ تھے۔ بھارت میں طبقاتی، نسلی اور لسانی منافرتوں میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان تینوں صوبوں کی پاکستانی صوبوں کی ہم آہنگی یہاں کے عوام کو پاکستان سے قریب تر لانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ بھارتی صوبے پنجاب کی اہم اور اکثریتی قوم سکھ ہے۔ تقسیم کے وقت حضرت قائداعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ نے پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم ہونے سے بچانے اور سکھوں کو پاکستان میں شامل ہونے پر بہت زور دیا تھا مگر اس وقت قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، سکھ ہندوؤں کے جھانسے میں آ گئے۔ مگر تقسیم ہندوستان کے چند سالوں بعد ہی سکھوں کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ ہندوؤں کی طرف سے ان پر لگائی جانے والی قدغنوں اور معاشی استحصال نے سکھ قوم میں بھارت سے جدا اور ایک آزاد و خودمختار مملکت کے حصول کے رجحانات جنم لینے لگے۔

۱۹۸۴ء میں جب اندرا گاندھی نے سکھوں کی مقدس عبادت گاہ گولڈن ٹیمپل پر حملہ کر کے سینکڑوں سکھ حریت پسندوں اور سکھ قوم کے ہیرو سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کو قتل کر دیا تو یہ تحریک اپنی خفیہ کمین گاہوں سے نکل کر پورے بھارتی پنجاب میں پھیل گئی۔ بھارت حکومت اور بھارتی افواج کے بے پناہ مظالم کی وجہ سے بھارت کے تمام سکھ اب اپنی الگ ریاست کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ وہ بھارت سے آزاد ہو کر کنفیڈریشن کی صورت پاکستان سے ملنا چاہتے ہیں۔ بھارت سے مکمل آزادی حاصل کرنے کے بعد اگر وہ پاکستان سے الحاق نہ بھی کرنا چاہیں تو بھی وہ پاکستان کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہیں گے۔ تاہم فی الوقت سکھ راہنماؤں کا کہنا ہے کہ بھارتی پنجاب اور پاکستانی پنجاب کا باہم ملنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

پاکستان کے جنوب مشرق میں ریتلے میدانوں پر مبنی بھارتی صوبے راجستھان میں ۱۰ فیصد مسلمان اور ۶۵ فیصد نچلی ذات کے ہندو آباد ہیں۔ نچلی ذات کے ہندو جنہیں یہاں ہریجن کہا جاتا ہے زیادہ تر صوبے کی اونچی ذات کے ہندوؤں کی زمینوں پر بطور ہاری کام کرتے ہیں۔ تقسیم ۱۹۴۷ء کے بعد جب ہریجنوں نے محسوس کیا کہ آزادی کے بعد تو وہ براہمن کے مزید غلام ہو گئے ہیں اور انہیں وہ مقام نہیں ملا جس کا وہ جمہوری اور سیکولر بھارتی نظام حکومت میں تصور کر رہے تھے تو انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ یہ صورت حال زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ جس کی اصل وجہ راجستھان کا براہمن طبقہ تھا۔ جنہوں نے بڑی تیزی سے قبول اسلام کرنے والے ہریجن ہاریوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس کی اندوہناکی کا اندازہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ تقسیم کے چند ماہ بعد تقریباً دس ہزار نومسلم ہریجنوں کو قتل اور ان کی تمام املاک کو جلا دیا گیا تھا۔

☆☆☆

اس دور کے ہریجن لیڈر ڈاکٹر امبید کرنے ہریجنوں سے براہمنوں کے ناروا سلوک کو دیکھ کر گاندھی جی کو دھمکی دی تھی کہ اگر ہریجنوں کا قتل عام بند نہ کیا گیا تو بھارت کے کروڑوں ہریجن بیک وقت اسلام قبول کر لیں گے۔ ڈاکٹر امبید کر بعد میں گاندھی جی کے جھانسے میں آ گئے۔ اس واقعے کے چند بعد ہی ہندو اصلاحی تحریکیں شروع کی گئیں جن کے تحت راجستھان کے پس ماندہ علاقوں میں سکول، ہسپتال اور ڈسپنسریاں کھولی گئیں مگر یہ صورت حال زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ ایک دفعہ پھر براہمن زمینداروں نے ہریجنوں کا استحصال کرنا شروع کر دیا اسی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء کے عشرے کے دوران اس صوبے میں اسلام قبول کرنے کی تحریک نے پھر زور پکڑ لیا۔ اس تحریک کو دبانے کے لیے بھارتیہ جنتا پارٹی اور راشٹریہ سیوک سنگھ نے باہم مل کر بہت سی مسلم کش تحریکیں چلائیں اور لاکھوں مسلمانوں اور نومسلموں کو جبراً ہندو بنا دیا گیا۔ جبر کا جو نتیجہ نکلنا چاہیے تھا وہی نکلا بھارتیہ جنتا پارٹی اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی اسلام دشمن اور مسلمان دشمن تحریکوں نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام نچلی ذات کے ہندوؤں میں اونچی ذات کے ہندوؤں اور مرکز سے نفرت کے جذبات کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کیا۔

راجستھان میں اونچی جاتی کے جبر کی وجہ سے آج نچلی ذات کے تمام ہندو اور مسلمان بھارت سے علیحدگی کے خواہاں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے تمام مسائل کا حل پاکستان سے جا ملنے میں ہے۔ اس بات کا اب بھی قوی امکان موجود ہے کہ وہاں کی نچلی ذات کے ہندو کسی دن اچانک بیک وقت اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیں گے اور مستقبل کی پاک بھارت جنگ میں نہایت اہم کردار ادا کرنے والا علاقہ بھارت کے پنجہ استبداد سے آزاد ہو جائے گا۔

اسی طرح بھارتی صوبہ گجرات جغرافیائی لحاظ سے پاکستان کے جنوب مشرق میں صوبہ سندھ سے ملحق ہے۔ یوں اس کے ایک طرف پاکستان اور سمندر، شمال کی طرف راجستھان اور مشرق کی طرف بھارتی صوبہ مدھیہ پردیش واقع ہے۔ اس صوبے کے عوام میں بھی اکثریت نچلی ذات کے ہندوؤں کی ہے جو بہر صورت بھارت سے جدا ہو کر ایک الگ ریاست کی صورت میں ابھرنا چاہتے ہیں۔ یہ صوبہ ساحل سمندر پر ہونے کے باوجود معاشی لحاظ سے انتہائی پسماندہ اور نسلی تعصب کا شکار ہے۔ گجرات کے نچلی ذات کے ہندوؤں اور صوبہ راجستھان کے ہندوؤں میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مستقبل میں ان دونوں صوبوں کے باہم مل کر ایک آزاد ریاست کے طور پر ابھرنے اور الحاق پاکستان کے امکانات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆☆

پاک و ہند کی تقسیم کے چند سال بعد ہی بھارتی عوام میں حب الوطنی کے بجائے قومیت اور علاقائیت پسندی کے رجحانات نے فروغ پانا شروع کر دیا تھا اور اب یہ صورتحال اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اپنا دیس اپنے وطن جیسے الفاظ اب ان میں ذرا بھر بھی حب الوطنی کے جذبات نہیں ابھارتے، بلکہ اس قومیت کے الفاظ اور قومی ترانے اب لوگوں کے لیے بوریت کا سماں پیدا کرتے ہیں اور مموماً وطن سے محبت کے الفاظ کا استعمال بڑے طنزیہ اور بیزار کن انداز میں کیا جاتا ہے۔ بھارتی صدر وینکٹ رامن کے دور میں جب حکومت ٹوٹ گئی تو صدر نے جمہوری نظام چلانے اور بھارت کی گرتی ہوئی معیشت کو سہارا دینے کے لیے تمام سیاسی پارٹیوں کو حکومت میں شرکت کرنے کی دعوت دے دی۔ اس موقع پر تمام سیاسی پارٹیوں نے اپنے ارکان اسمبلی کو حکومت میں شامل ہونے سے منع کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر صدر وینکٹ رامن رو پڑے تھے۔ یہ آنسو اس لیے تھے کہ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں قوم اور ملک کے نام پر اپنے صدر کی اپیل کو پایہ استحقار سے ٹھکرا رہی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا "کسی بھی سیاسی پارٹی یا رہنما نے حب الوطنی کا ثبوت نہیں دیا، کیونکہ ہر کوئی حکومت میں شرکت کے بجائے وزیراعظم بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

بھارت میں علاقائی پارٹیوں کے فروغ پانے کے باعث اب ہر اہم سیاسی اور سرکاری شخصیت اپنے آپ کو بھارت میں غیر محفوظ تصور کرنے لگی ہے۔ انہیں بھارت کا مستقبل بھی تاریک نظر آنے لگا ہے جس کی وجہ سے اکثر سیاست دان اور بیوروکریٹس اپنے بچوں کے محفوظ مستقبل کے لیے انہیں بیرون ملک بھجوا رہے ہیں۔ تعلیم کے بہانے بھجواتے ہیں اور بعض مستقل طور پر باہر منتقل کر رہے ہیں بھارتی اخبار "انڈین ایکسپریس" کی رپورٹ کے مطابق آپریشن کولڈن ٹسل، اندرا گاندھی اور راجیو

گاندھی کے قتل اور بابری مسجد کے سانحے اور سکھوں اور کشمیریوں کی علیحدگی کی طاقتور تحریک نے بھارت کے تمام سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کو بھارت کے مستقبل سے اس حد تک مایوس کر دیا ہے کہ وہ بھارت سے باہر اپنی جائیدادیں بنا رہے ہیں اور اپنے بچوں کو منتقل کر رہے ہیں۔ ان کے بچے بھارت کے تعلیمی اداروں میں پڑھنے کی بجائے کیمبرج، آکسفورڈ اور لندن وغیرہ میں داخلہ لے رہے ہیں۔ اسی طرح بھارتی حکومت کی وزارت داخلہ اور آئی بی نے بھی بہت سی ایسی تفصیلات حکومت کو فراہم کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر سیاسی و سرکاری شخصیات اپنی رقوم بھارتی بینکوں سے غیر ملکی بینکوں میں منتقل کر رہی ہیں اور اس سلسلہ میں زیادہ تر ایک غیر ملکی بینک "گرینڈلیز" (Grindlays Bank) کا نام لیا جا رہا ہے۔

ایک اور اخباری رپورٹ کے مطابق ۲۰ ارکان اسمبلی چھ وزراء اور درجنوں سیکرٹریوں نے چار سو ملین ڈالرز کے مساوی خطیر رقوم جو کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی تھیں غیر ملکی بینکوں میں منتقل کر دی ہیں یا پھر ان رقوم کی بھارت سے باہر سرمایہ کاری کی جا رہی ہے۔ ان تمام سیاسی و سرکاری شخصیات کو پختہ یقین ہو چکا ہے کہ دن بدن بھارت کا مستقبل تاریک ہوتا جا رہا ہے۔

۱۹۹۲ء کے "ایشیا ویک" کے نومبر کے تیسرے شمارے نے یہ خبر شائع کی تھی کہ ہر وہ بھارتی سیاست دان اور بیوروکریٹ جس نے دس سال سے زائد عرصہ تک بھارتی سیاست یا حکومت میں شرکت کی ہے مکمل طور پر اس خیال کا حامی ہے کہ بھارت مستقبل میں ٹوٹ جائے گا۔

یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ تقسیم کے چند سال بعد ہی بھارت میں علیحدگی کی تحریکوں نے جنم لینا شروع کر دیا تھا اور آج تو ہر ریاست، صوبے بلکہ شہروں اور قصبوں میں علیحدگی کے رجحانات پر مبنی تحریکیں اور تنظیمیں موجود ہیں۔ جن کی بدولت اب بھارت کا ہر باشندہ خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی مسلم ہو یا ہندو، ہریجن ہو یا برہمن دن بدن اس کی سوچ وطنی کی بجائے علاقائی یا قبائلی ہوتی جا رہی ہے۔

☆☆☆

معاشی بدحالی اکثر جغرافیائی تبدیلیوں کا باعث بنتی ہے۔ مقتدر ہندو طبقے نے بھارت میں آباد سکھوں اور مسلمانوں کو معاشی طور پر تباہ کرنے کی ہر ممکن سعی کی۔ اس چیز نے انہیں بھارت سے متنفر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مختلف ریاستیں اور صوبے اس وجہ سے بھارت سے علیحدگی چاہتے ہیں کہ ان کے عوام سمجھتے ہیں کہ محنت تو وہ کرتے ہیں مگر فائدہ کچھ اور لوگ حاصل کرتے ہیں۔ نچلی ذات کے ہندو بھارت کی کل آبادی کے ۶۰ فیصد سے بھی زائد ہیں مگر وہ تھوڑے سے اونچی ذات والوں کے مقابلے میں بھوکوں مرتے ہیں۔ معاشی بدحالی نے انہیں بھارت سے متنفر کر دیا ہے۔

بین الاقوامی ہفت روزہ "ٹائم" کی رپورٹ کے مطابق دنیا کے تیس فیصد انجینئرز کا تعلق بھارت سے ہے مگر اس کے باوجود وہاں کروڑوں افراد کو رہائش کی سہولت میسر نہیں۔ چھت کے بغیر فٹ پاتھوں پر سونے پر مجبور ہیں۔ اس طرح دنیا بھر کے ڈاکٹروں کا بہت بڑا حصہ بھارت میں موجود ہے مگر اس کے باوجود وہاں کے کروڑوں عوام مختلف بیماریوں میں مبتلا رہ کر لاعلاج مر جاتے ہیں۔ بھارت کی افواج کا شمار دنیا کی چوتھی بڑی فوج میں ہوتا ہے اور تباہ کن اسلحے پر اربوں ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں۔ مگر وہاں غربت کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک کروڑوں افراد کو ایک وقت کا پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے شواہد بھی میسر ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ بھارت کی اقتصادی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے۔ کسی بھی ملک کی معیشت کا اندازہ دو سوالات کو مدنظر رکھ کر لگایا جاتا ہے۔ اول ملک کی اقتصادی ترقی کی موجودہ رفتار کیا ہے؟ دوم مستقبل میں ترقی کی شرح کیا رہے گی؟

ان دونوں سوالات کا جواب ہم مندرجہ ذیل نکات سے اخذ کر سکتے ہیں۔

۲۵ نومبر ۱۹۸۷ء کو شائع ہونے والی "سروے آف انڈیا" اور "فنانشل ٹائمز" کی رپورٹوں کے مطابق بھارت کی ۴۰ فیصد سے زائد آبادی غربت سے نچلے درجے پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے جبکہ آئے دن بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے اور مستقبل میں مزید اضافے کے امکانات ہیں۔ عظیم اکثریت کا معیار زندگی گر رہا ہے۔ ان دونوں جرائد کے مطابق اس وقت کسی بھی ایک کروڑ آبادی والے علاقے یا شہر میں صرف دس لاکھ افراد کو روزگار میسر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گویا بھارت میں ہر کمانے والے شخص کو دس افراد کو قوت لایموت فراہم کرنا پڑتی ہے۔

بھارتی اخبار "ڈیلی نیوز" کی رپورٹ کے مطابق بھارت کی معیشت کو تباہ کرنے والے عناصر میں سیاسی استحکام، مذہبی اور علاقائی فسادات اور علیحدگی کی چلنے والی تحاریک نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہی صورت حال مستقبل میں مزید تباہی اور مشکلات کا باعث ثابت ہوگی۔ ایک اندازے کے مطابق بھارت کو ہر آنے والے برس میں علیحدگی کی تحریکوں سے نمٹنے کے لیے اپنی حفاظتی افواج میں دس فیصد اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اس کی معیشت کو نیا دھچکا لگتا ہے۔ یہی صورت حال رہتی ہے تو دس برس بعد بھارتی بجٹ کا اسی فیصد داخلی شورشوں سے نمٹنے پر خرچ ہونے لگے گا۔

فروری ۱۹۹۳ء میں بھارت میں "بنک آف نیویارک" کے نمائندے نے اسی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا...... "فسادات کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سرحدوں سے ملے ہوئے علاقوں اور صوبوں میں چلنے والی تحریکیں بھارتی معیشت کو سنبھلنے نہیں دیتیں۔ ان میں پنجاب، آسام اور کشمیر (مراد مقبوضہ کشمیر) سرفہرست ہیں۔ جبکہ جنوری ۱۹۹۳ء میں بمبئی کے مسلم کش فسادات نے تمام غیر ملکی سرمایہ داروں

کو بھارت سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تو روپیہ ٹکے کی اہمیت جتنا ہو کر رہ گیا۔"

بھارت میں ۱۹۸۰ء میں ترقی کی شرح رفتار پانچ اعشاریہ پانچ فیصد تھی جو ۹۰ میں ڈھائی فیصد جتنی آدھی ہو کر رہ گئی۔

خوراک کی پیداوار آبادی کے تناسب سے مسلسل کم ہو رہی ہے اور اشیا کی قیمتوں میں افراط زر کی سالانہ شرح ۱۳ فیصد سے بھی بڑھ چکی ہے۔ کسی ملک کی ترقی اور استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس ملک کی سالانہ ترقی کی شرح رفتار ۱۰ فیصد سے زائد ہو جبکہ بھارت کی موجودہ سالانہ شرح ترقی کی رفتار ۵ فیصد سے بھی کم ہے۔ اسی طرح سوویت یونین کے بکھرنے اور بین الاقوامی سطح پر بھارتی مال کے غیر معیاری ہونے کی وجہ سے اس کی برآمدات میں ۹۲-۱۹۹۱ء میں یک لخت پانچ فیصد کمی رونما ہوگئی اور اب ہر سال اس کمی میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

بین الاقوامی ہفت روزہ "اکنامک ریویو" اور "ڈیلی نیوز" کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق اس وقت بھارت دنیا کا تیسرا بڑا مقروض ملک ہے۔ ۱۹۹۰ء کے آخر تک بھارتی حکومت نے ۷۳ بلین ڈالرز بین الاقوامی مالیاتی اداروں کو ادا کرنا تھے۔ ۱۹۹۲ء میں یہ قرضہ ۹۵ بلین ڈالرز تک پہنچ گیا۔ ۱۹۹۵ء کے اس بحران کی بدولت بھارت کو اندازوں سے زیادہ قرضے حاصل کرنے پڑے۔ آج بھارت کو بین الاقوامی سطح پر ۱۶۰ بلین ڈالرز کا قرض ادا کرنا ہے جس کی سالانہ شرح سود ہی اربوں ڈالر تک پہنچ جاتی ہے۔ اب بھارتی حکومت اپنے ایشین ٹائیگر ہونے کے نعرے کس منہ سے لگا رہی ہے یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔

☆☆☆

بھارت کے تمام بڑے شہروں اور اہم علاقوں میں غیر سرکاری عسکری تنظیمیں (Private Armies) اس حد تک استحکام حاصل کر چکی ہیں کہ کئی سالوں کی مسلسل کوشش کے باوجود بھارتی افواج ان کو ختم نہیں کر سکیں۔ موجودہ حالات میں کہ جب بھارت معاشی، سیاسی، سماجی اور عسکری لحاظ سے مکمل طور پر منقسم ہو چکا ہے یہ تنظیمیں اور زیادہ طاقتور ہو چکی ہیں۔ عسکری تنظیموں کے باقاعدہ وجود میں آنے کی تین اہم وجوہ ہیں۔

۱۔ اونچی ذات کے ہندوؤں نے نچلی ذات کے ہندوؤں کو سیاسی شعور حاصل کرنے کے بعد اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرتے دیکھا اور یہ دیکھا کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہو رہے ہیں تو ان پر دباؤ ڈالنے اور معاشرتی طور پر انہیں مفلوج رکھنے کے لیے ایسے مسلح گروپ تیار

کیے جن کا پہلا مقصد نچلی ذات کے ہندوؤں کو جائز مطالبات منوانے سے جبری طور پر روکنا تھا اور دوسرا کام اسلام کی طرف رجوع کرنے والے ہندوؤں پر تشدد کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کے سنگین نتائج کا سامنا کرنے کی دھمکی دینا تھا۔

اونچی ذات والوں نے معاشرے میں اپنی سیاسی اہمیت برقرار رکھنے اور اپنا تفوق ثابت کرنے کے لیے بھی عسکری قوت بننے کو ضروری خیال کیا۔ ماضی میں مسلمانوں کے مقابلے میں وہ ہمیشہ ہی احساس کمتری میں مبتلا رہے تھے۔ اس احساس کو ختم کرنے کے لیے مذہبی تعصب ابھارنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انہوں نے ایسے مسلح گروہ تشکیل دینا شروع کر دیئے جن کا کام ہندو مسلم فسادات کا اہتمام کروا کر مسلمانوں کا قتل عام کرانا اور ان پر اپنی دہشت قائم کرنا تھا۔

۲۔ اونچی ذات کے ہندوؤں کے مسلمانوں، دیگر اقلیتوں اور نچلی ذات کے ہندوؤں پر مظالم کا سلسلہ شروع ہوا تو زیردست طبقوں نے اپنے جان و مال کے تحفظ کے لیے اور اونچی ذات کے ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کے لیے جوابی طور پر عسکری گروہوں اور تحاریک کو منظم کیا۔

۳۔ مسلح گروہوں کے وجود میں آنے کی تیسری اہم وجہ بھارت کا استحصالی اور متعصبانہ نظام حکومت ہے۔ مختلف خطوں اور ریاستوں کے عوام نے شروع شروع میں تو اپنے جائز حقوق منوانے کے لیے سیاسی کوششیں کیں مگر ناکامی کی صورت میں مجبوراً مسلح تحریکیں شروع کر دیں۔ حکمرانوں نے جواباً جبر و ستم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھارت میں سینکڑوں ایسے مقامات ہیں جہاں بھارت اور بھارتی افواج کے خلاف جدید خطوط پر استوار تربیت گاہیں موجود ہیں جن میں گوریلا وار فیئر کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

ایک عام اندازے کے مطابق اس وقت بھارت کے طول و عرض میں ایک ہزار سے زائد ایسی تربیت گاہیں قائم ہیں جن میں ہر نوعیت کے ہتھیار چلانے کی تربیت دی جاتی ہے۔

بھارت میں کام کرنے والی تمام عسکری تنظیموں کو ہم ان کے مقاصد اور نوعیت کے لحاظ سے پانچ اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ اونچی ذات کے ہندوؤں کی زیر نگرانی کام کرنے والی عسکری تنظیمیں
۲۔ نچلی ذات کے ہندوؤں کی اونچی ذات کے ہندوؤں کے خلاف ابھرنے والی عسکری تنظیمیں
۳۔ سکھوں کی بھارت کے خلاف ابھرنے والی عسکری تنظیمیں
۴۔ بھارت اور ہندوؤں کے خلاف سرگرم عسکری تنظیمیں

۵۔ دیگر آزادی پسند تنظیمیں اور تحریکیں

براہمن نژاد عسکری تنظیمیں

مختصر نام

راشٹریہ سیوک سنگھ (R.S.S)

شیو سینا (S.S)

وشوا ہندو پریشد (V.H.P)

آریہ سماج (A.S)

رام راجیہ پریشد (R.R.)

ہندو مہا سبھا (H.M) و بھارتیہ شکتی دل (B.S.D)

ہندو دھرم سبھا (H.D.B)

نچلی ذات کی تنظیمیں

موومنٹ کمیونسٹ سنٹر (M.C.C)

نکسل باڑی

دلت مہا سبھا (D.M)

پیپلز ریپبلک آرمی (P.R.M)

پیپلز وار گروپ (P.W.G)

سکھ عسکری تنظیمیں

سکھ سٹوڈنٹس فیڈریشن (S.S.F)

دل خالصہ

ورلڈ سکھ آرگنائزیشن (W.S.O)

خالصتان کمانڈو فورس (K.C.F)

خالصتان لبریشن فورس (K.L.F)

سکھ یوتھ فیڈریشن (S.Y.F)

اکال فیڈریشن (A.F)

بھنڈرانوالہ ٹائیگر فورس (B.T.F)

خالصتان لبریشن آرمی (K.L.R)

ببر خالصہ (B.K)

مسلم عسکری تنظیمیں

آدم فورس

حزب المجاہدین

حزب اللہ

جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ

اخوان المسلمین

العمر مجاہدین

الجہاد

حرکت المجاہدین

لشکر طیبہ

پیپلز لیگ

لبریشن لیگ

مسلم یوتھ فورس وغیرہ

دیگر آزادی پسند جماعتیں

تری پورہ نیشنل والنٹیرز

الفا (ULFA)

لبریشن فرنٹ

نیشنل سوشلسٹ کونسل آف ناگالینڈ

آسام لبریشن فرنٹ

نکسل باڑی

میزورام لبریشن فرنٹ

گورکھا نیشنل فرنٹ (دارجلنگ)

جھارکھنڈ مکتی مورچہ

تامل ناڈو المری چندتس موومنٹ

تامل لبریشن فورس

ان تنظیموں کے علاوہ درجنوں کی تعداد میں وہ مسلح گروہ بھی ہیں جو بھارتی حکومت کے لیے مستقل درد سر بنے رہتے ہیں جن میں بہار کے مسلح گروہ ہیں جو ٹھاکروں اور ان کے مظلوم اور مجبور ہزاروں نے اپنی اپنی سطح پر بنا رکھے ہیں۔ یہ گروہ آئے روز ایک دوسرے کے دیہاتوں اور لوگوں پر حملے کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اپنے اپنے قرض چکانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی حکومت ان کے خلاف کارروائی کرنے سے ہچکچاتی ہے اگر ٹھاکروں کی کوئی "سینا" چھوٹی جاتی کے ہندوؤں کے دیہاتوں پر حملہ آور ہو کر ان کے دس بارہ لوگوں کو مار ڈالے تو اگلے ہی روز چھوٹی جاتی کے ہندوؤں کی "سینا" ٹھاکروں کے کسی دیہات پر حملہ کر کے اس کا بدلہ چکا لیتی ہے ......

ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کے گروہ اس سے سوا ہیں۔ ویراپن ہی کی مثال لیجیے۔ صندل کی لکڑی چرا کر فروخت کرنے والے اس ڈاکو نے گزشتہ ۲۰ سال سے تامل ناڈو اور کرناٹک کی حکومتوں کو تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔ دو صوبوں کی حکومت مل کر آج تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ پائی اور اب دونوں صوبوں کی حکومتیں ایک دوسرے کو اس کا ذمہ دار قرار دے رہی ہیں۔

بمبئی مافیا بھی حکومت کے لیے مستقل درد سر بنا ہوا ہے۔ حکومت کی لاکھ یقین دہانیوں کے باوجود یہ لوگ فلم انڈسٹری کے بلا شرکت غیرے مالک بنے ہوئے ہیں اور ہر اداکار، فلمساز، ہدایت کار سے لاکھوں کروڑوں روپے غنڈہ ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ بمبئی میں ہونے والے بم دھماکوں میں بھی یہی ہاتھ تھا۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مافیا کے مختلف گروہ جب آپس میں ٹکراتے ہیں تو ایک دوسرے کے خلاف انتہائی جدید اور تباہ کن ہتھیاروں کے علاوہ دھماکوں کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ بڑی بڑی بلڈنگیں اڑا دی جاتی ہیں اور پولیس منہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔

بال ٹھاکرے جو شیو سینا کا لیڈر ہے خود ایک مضبوط مافیا چلا رہا ہے۔ ہندو انتہا پسندی کی آڑ میں اس نے بمبئی پر اپنی حکومت قائم کر رکھی ہے اور فلم انڈسٹری ہی نہیں دیگر شعبہ ہائے زندگی سے بھی باقاعدہ بھتہ وصول کرتا ہے۔ بال ٹھاکرے کی بدمعاشی کا یہ عالم ہے کہ مہاراشٹر کی کوئی حکومت اس کی مرضی کے بغیر نہیں چلتی جب بھی کوئی صوبائی حکومت اس کے ناجائز احکامات کی تعمیل میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرے بال ٹھاکرے کے مسلح کارندے فوراً ہی فسادات کی آگ بھڑکا کر حکومت کے لیے لا اینڈ آرڈر کے مسائل کھڑے کر دیتے ہیں اور حکومت گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

بھارت اب تک کیوں نہیں ٹوٹا؟

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھارت میں اتنی زیادہ حکومت مخالف سرگرمیوں، مسلح جماعتوں اور گروہوں کے باوجود آج تک بھارت کے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہیں ہو گئے؟ اس سوال کا جواب ہمیں تحریک پاکستان کے پس منظر میں تلاش کرنا ہوگا۔ خوش قسمتی سے مسلمانوں کو قائداعظم جیسے عظیم راہنما میسر آ گئے جو مستقل مزاجی اور دلائل کے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ کسی بھی تحریک کی کامیابی کی اولین شرط ذہین راہنما اور جذبہ ایمانی سے معمور عوام کی ضرورت ہے جس کا وہاں فقدان ہے۔ تحریک پاکستان جتنی منطقی اور پرامن تھی آسام کی علیحدگی کی تحریک اتنی ہی پرتشدد ہے۔ پچھلے دنوں علیحدگی پسندوں نے ایسوسی ایشن آف وانسٹری ایجنسیز آف رورل ڈویلپمنٹ (AVARD) کے سربراہ ۳۷ سالہ سنجیو گھوش کو قتل کر دیا جو بھارت کی جنوب مشرقی ریاست میں دیہاتیوں کو کھیتی باڑی اور بہترین پیداوار کے جدید طریقے سکھاتا تھا۔ مشاہدین کا اس بارے میں کہنا ہے کہ وہ آسام میں دیہاتیوں کی فلاح بہبود کے لیے جو کام کر رہا تھا اس سے علیحدگی پسند ناراض تھے کیونکہ ان کے خیال میں اس طرح سے وہ عوامی راہنما بنے اور ان کی تحریک کا سر کچلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبکہ مقامی لوگوں کا اس بارے میں کہنا ہے کہ سنجیو ایک سیدھا سادا نوجوان تھا جس کی زندگی کا واحد مقصد کسانوں کی فلاح و بہبود اور ملکی پیداوار میں اضافہ کرنا تھا۔ اس سلسلے میں وہ بھارت کے دیگر علاقوں میں بھی کافی کام کر چکا تھا۔ راجستھان میں دس سال تک دیہی ترقی کے کام کرنے کے بعد وہ ۱۹۹۶ء میں آسام آیا تھا۔ اس وقت اس علاقہ کے بارے میں اس کے ذہن میں کوئی خاص منصوبہ بندی نہیں تھی لیکن یہاں آ کر ادھر ادھر کے مسائل کو جانچ پرکھ کر اس نے سب سے پہلے کسانوں کو منظم کرنے کا کام کیا اور پھر ان کی عملی طور پر امداد شروع کی۔ اس سلسلہ میں اس کی تنظیم (AVARD) بہت فعال تھی۔ جب اس کی کوشش منظر عام پر آئیں تو بیس ہزار مقامی لوگ اس تنظیم میں شامل ہو گئے اب تنظیم کافی منظم، فعال اور مضبوط ہو چکی تھی۔

انہوں نے دیہی ترقی کے علاوہ عمارتوں کی تعمیر، لائبریریاں اور صحت کے مراکز کے تمام منصوبے بھی چلانے شروع کر دیئے۔ جس نے سنجیو کی مقبولیت میں بے انتہا اضافہ کر دیا۔ (AVARD) کی بڑھتی ہوئی مقبولیت علیحدگی پسندوں کی تحریک جس کا نام یونائیٹڈ لبریشن فرنٹ آسام (ULFA) تھا کے وجود کو خطرہ میں ڈالنے کے مترادف تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جب وسائل سے بھرپور آسام کو آزاد کرنے کے لیے اس تنظیم (ULFA) نے کام کرنا شروع کیا تو ان کے بنیادی مقاصد بھی یہی تھے۔ انہوں نے بھی دیہی ترقی کے منصوبوں کے ذریعہ خود کو عوام میں پذیرائی دلائی تھی۔ سیلاب سے متاثر ہونے والے علاقوں اور عمارتوں کی از سر نو تعمیر ایسے کام تھے جن کی بدولت انہوں نے بہت جلد پسندیدگی حاصل کر لی۔ عوام نے جوق در جوق اس تنظیم میں شمولیت اختیار کرنا شروع کر دی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب انہوں نے تشدد کی راہ اپنانی شروع کی تو آہستہ آہستہ اس کی حمایت سکڑنے لگی۔ لوگوں نے اسے چھوڑنا شروع کر دیا اس کے ساتھ ساتھ آئے دن لیے جانے والے جگا ٹیکس، اغوا، قتل جیسی وارداتوں نے فوج کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ فوج کی طرف سے ہونے والی سخت کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے علیحدگی پسند رہنما بھوٹان، تھائی لینڈ اور ان کے ملحقہ علاقوں میں روپوش ہو گئے۔

بھارت کی خفیہ پولیس کے ایک افسر کا اس بارے میں کہنا ہے کہ ''ایک طرف تو فوج کی سختی اور دوسری جانب (AVARD) کی بڑھتی ہوئی مقبولیت یقیناً ULFA کے رہنماؤں کے لیے تشویشناک تھی کیونکہ آسام کے عوام ULFA سے مایوس ہو کر کسی اور ہمدرد کی تلاش میں تھے۔ اس صورت حال میں انہوں نے سنجیو گھوش اور اس کی تنظیم کے کارکنوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ ان کے خلاف پوسٹرز لگائے گئے جن میں ان سے آسام چھوڑنے کا مطالبہ کیا گیا لیکن (AVARD) کے سرگرم کارکنوں نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نافرمانی نے ''الفا'' (ULFA) کے لیے جلتی پر تیل کا کام کیا کیونکہ ایسی صورت حال میں جب آسام میں ''الفا'' ''ULFA'' کے حکم کے بغیر پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔ اور نئی قائم ہونے والی تنظیم کا مقابلہ پر کھڑے ہو جانا نہایت تشویشناک امر تھا انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ بھارتی فوج ان کی تحریک کا سر کچلنے کے لیے (AVARD) کو سامنے لا رہی ہے اور اب اس کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اس لیے انہوں نے کوئی سنجیدہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور یہ اقدام گھوش کے قتل کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔''

ایک مقامی باشندے کا اس بارے میں کہنا ہے کہ ''گھوش کو پہلے اغوا کر کے اروناچل پردیش کے نزدیک جنگلوں میں واقع ''الفا'' ULFA کے کیمپ میں لے جایا گیا اور بھارتی فوج کی جاسوسی کا

الزام لگا کر اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا۔ جب اس کی بازیابی کی کوششیں ناکام ہو گئیں تو انسانی حقوق کی مختلف تنظیموں نے ULFA کے رہنماؤں سے اس کی رہائی کے لیے اپیل کی اس پر پاریش بارو جو کہ ''الفا'' کا کمانڈر انچیف ہے نے ریڈ کراس سے وعدہ کیا کہ وہ سنجیو کو چھوڑ دیں گے لیکن اس کے لیے انہیں کچھ شرائط ماننا ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ (AVARD) آسام کو چھوڑ دے دوسرے بھارتی فوج علیحدگی پسندوں پر ہونے والے آپریشن کو ختم کر دے۔ ان شرائط کو مانتے ہوئے (AVARD) نے اپنی تمام سرگرمیاں آسام میں معطل کر دیں۔ اس سے اگلے روز الفا کا ایک کمانڈر جنوبی آسام میں واقع ایک قصبہ لکھیم پور میں آیا لیکن وہاں فوج کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس بارے میں پاریش بارو کا کہنا ہے کہ ''ہم نے سنجیو کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس سلسلہ میں اسے ریڈ کراس والوں کو سپرد کرنے کے لیے لکھیم پور لائے لیکن جب فوج نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہمارے ساتھی کو مار دیا تو ہم اسے واپس لے گئے۔ اس دوران وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور سہما ہوا تھا۔ موت کے خوف سے وہ بھاگ کھڑا ہوا اور اس فرار کی کوشش کے دوران وہ گہری کھائی میں گر کر ہلاک ہو گیا۔''

بھارت کی مشرقی فوج کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل اے آر کے ریڈی کا اس بیان کے متعلق کہنا ہے کہ ''پاریش بارو اس دنیا کا سب سے جھوٹا آدمی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ بتا نہیں سکتا کہ وہ کون سی کھائی تھی جہاں سنجیو گر کر مرا ہے۔'' بھارتی حکام کا اندازہ یہ ہے کہ علیحدگی پسندوں نے گھوش کو لے جاتے ہی مار دیا ہوگا اور جو کچھ وہ بتا رہے ہیں وہ صرف کہانیاں ہیں جو انہوں نے اس قتل کو چھپانے کے لیے بیان کی ہیں۔

مخالفین کا کہنا ہے کہ گھوش کے قتل کی وجہ سے ULFA کے بہت سے حمایتی اس کے مخالف ہو رہے ہیں ان میں دانشوروں کا وہ طبقہ بھی شامل ہے جو شروع سے ULFA کے ساتھ تھا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ نوجوانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ آج بھی ULFA کی حمایت میں پیش پیش ہے۔ اس بارے میں پاریش بارو کا کہنا ہے کہ ''یہ تحریک جو ہم نے آسام کی آزادی کے لیے شروع کی تھی اسے غیر اخلاقی ہتھکنڈوں سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔'' پاریش بارو کی بات کی تصدیق بھارت میں ہونے والے حالیہ سروے سے بھی ہو جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر تین میں سے ایک بھارتی باشندے کو یقین ہے کہ آئندہ پچاس برسوں کے دوران ان کا ملک ٹوٹ کر کئی چھوٹے چھوٹے ملکوں کی صورت اختیار کر لے گا جو سب آزاد اور خود مختار ہوں گے۔

پاک بھارت جنگی موازنہ

پاکستان کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ کا معاملہ سامنے آتے ہی کشمیر کا مسئلہ نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ کشمیر جس پر بھارت نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، جسے قائداعظم نے بجا طور پر پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا۔ اگر کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں بنتا تو دو قومی نظریے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ پاکستان کی شہ رگ کو دشمن کے پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے عسکری اداروں کو مضبوط سے مضبوط تر اور جدید سے جدید تر بنانے کے لیے ہر لحظہ پیش قدمی جاری رکھیں۔

بدقسمتی سے پاکستان میں ایسے نام نہاد دانشور اور سیاستدان بھی موجود ہیں جو پاکستان کے عسکری اداروں کو اس ملک کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی ملک اپنی افواج کو کمزور کرنے کی صورت میں زیادہ دیر تک اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ پاتا۔ عسکری اعتبار سے کمزور ملک کو جلد یا بدیر کسی طاقت کی غلامی کا طوق ڈالنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے کجا پاکستان کہ جو پورے عالم اسلام کے لیے اسلام کے قلعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے ہماری بدقسمتی کہیے کہ ملک کا ہر نیا حکمران اپنے انداز میں کوئی نئی عسکری پالیسی وضع کرنے اور نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس سے مسلح افواج کے جدید کاری کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات کسی ایک رکاوٹ سے پورے دفاعی ڈھانچے میں شگاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں کمیشن خوری اور دیگر مفاد پرست عناصر نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر بہت سے عسکری معاہدات یا تو بروقت ہونے نہ دیئے یا پھر انہیں التواء میں ڈالے رکھا، اس سے وطن عزیز کی افواج کی جدید کاری کا عمل بری طرح متاثر ہوا۔ چنانچہ آج سے آٹھ سال قبل فضائیہ نے اپنے ہاں جدید کاری کے عمل کو برقرار رکھنے کے لیے ایک جدید جنگی طیارے کے حصول کا پروگرام بنایا تھا جو ابھی تک تشنۂ تکمیل

ہے۔ بدقسمتی سے کسی بھی حکومت نے پاک فضائیہ کے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی اور پاک فضائیہ اسی مقام پر کھڑی ہے جہاں آٹھ برس قبل تھی۔ میاں نواز شریف حکومت نے پاک فضائیہ کے اس تمام مذاکراتی عمل کو ختم قرار دے کر منسوخ کر دیا ہے جو فرانس سے میراج طیارے خریدنے کے سلسلے میں جاری تھا۔ دراصل مقصد نہ تو حکومت کو صرف میراج طیارے خریدنے پر مجبور کرنا ہے نہ کسی اور ملک سے طیاروں کے حصول میں کوئی نئی ڈیل شروع کرنے پر آمادہ کرنا، بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ ایک بالکل غیر جانبدار اور غیر سیاسی قوت کی اداروں کو ہر بار سیاسی وجوہ کی خاطر پرواز کی تربیت سے ہم آہنگ نہ ہونے دینا بعض اوقات تباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ جدید کاری کا عمل برسوں تک التواء میں پڑا رہتا ہے اور افواج کا معیار ریت کی دیوار بنتا چلا جاتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر یہی صورت حال رہی تو آئندہ چند سالوں میں پاک فضائیہ کا تمام موجودہ عسکری سازوسامان فرسودہ ہو جائے گا۔ جس کا اثر اس کے معیار اور مورال دونوں پر پڑ سکتا ہے۔

آج بھارتی فضائیہ ہماری جغرافیائی حدود کی واضح خلاف ورزی کرنے کے بعد اس سے صاف انکار کر رہی ہے اور اگر فضائیہ کی جدید کاری کا عمل اسی طرح متاثر ہوتا رہا تو وہ وقت دور نہیں جب بھارتی فضائیہ باقاعدہ اعلان کر کے ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی کیا کرے گی اور ساتھ ہی یہ چیلنج بھی دے گی کہ آپ روک سکتے ہیں تو روک لیں۔ بھارتی فضائیہ نے چار سال قبل روس سے ایس یو ۳۰ سخوئی طیارے خریدنے کے سلسلے میں گفت و شنید شروع کی تھی۔ آج چار سال بعد وہ روس سے یہ جدید طیارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے جبکہ پاکستان جو پچھلے آٹھ سال سے جدید طیارہ State of Art خریدنے پر غور کر رہا تھا کہ سابقہ تمام عمل کو مسترد کرنے کے بعد اب دوبارہ نئے سرے سے شروع کرنے کی صورت میں کب اپنے فضائی بیڑے میں نئے طیارے شامل کرنے میں کامیاب ہو گا۔ خدانخواستہ اگر اسی دوران پاک بھارت جنگ چھڑ گئی تو پاکستان ایئر فورس جو وطن عزیز کے دفاع میں ایک اہم مقام حاصل ہے اگر کوئی مستحکم کردار ادا نہ کر سکی تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا۔

یہاں میں ایک اور حقیقت بھی واضح کرنا چاہوں گا کہ دو ماہ قبل فضائیہ کے سربراہ نے کہا تھا کہ فرانس سے طیارے خریدنے کا معاہدہ عنقریب طے پا جائے گا ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا تھا کہ فی الوقت صرف میراج طیارے ہی پاکستان ایئر فورس کی ضروریات کو پورا کر سکتے ہیں۔ افواج پاکستان کے تینوں سربراہوں اور صدر پاکستان نے بھی ان طیاروں کی خریداری پر رضامندی ظاہر کر دی تھی مگر فضائیہ کے اس فیصلے کو موجودہ حکومت نے یکسر منسوخ کر دیا۔ اس فیصلے کو موجودہ حکومت کی عسکری معاملات میں عدم دلچسپی اور ناتجربہ کاری بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ خدشہ بھی پیدا ہو رہا ہے کہ شاید کوئی خفیہ ہاتھ

پوری طرح جدید کاری کے عمل کو تیز کر رہا ہے۔

☆☆☆

سابقہ اور موجودہ دونوں حکومتوں کی عدم دلچسپی کے باوجود یہ حقیقت پھر بھی مسرت افزا ہے کہ بھارتی فضائیہ میں آٹھ ایس یو ۳۰ سکوئی طیارے شامل ہو جانے سے بھارت کو پاکستان ایئر فورس پر جو قدرے برتری حاصل ہوئی ہے وہ برتری محض چند طیاروں کی حد تک محدود ہے اس برتری کو پاکستان ایئر فورس معمولی کوشش سے ختم کر سکتی ہے۔ یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ممالک کی فضائی قوت کا سرسری سا موازنہ کرایا جائے۔

	بھارت	پاکستان
کل جنگی جہاز	۷۱۷	۳۹۵
گراؤنڈ اٹیک سکواڈرن	۲۳	۷
لڑاکا جہازوں کا سکواڈرن	۱۷	۹
آرمڈ ہیلی کاپٹر	۷۵	۱۰

☆☆☆

اس کے علاوہ بھارت کے پاس بحری فضائی جنگ کے لیے بھی ۶۴ جنگی جہاز موجود ہیں جو اہم بندرگاہوں کے ساتھ واقع ہوائی اڈوں یا طیارہ بردار بحری جہازوں پر تیار حالت میں ہیں اس کے مقابلے میں پاکستان نے میراج طیاروں کا بحری جہاز شکن میزائلوں سے لیس ایک سکواڈرن کراچی ایئر پورٹ پر مرکوز کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ حال ہی امریکہ سے حاصل کئے گئے اورین طیاروں کو بھی اوور ہال کرنے کے بعد بحری نگرانی کی غرض سے بحری فضائی فورس کے حوالے کر دیا جائے گا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران بھارتی فضائیہ پاک فضائیہ پر ایک کے مقابلے میں پانچ کی برتری رکھتی تھی مگر پاکستان ایئر فورس نے اس عددی برتری کو اپنے اعلیٰ معیار اور جدید طیاروں کی بدولت چند دنوں میں ہی خاک میں ملا دیا۔ اب اگر دونوں ملکوں کی فضائی قوت کا جائزہ لیا جائے تو ماضی کی نسبت ایک اور پانچ کم ہو کر ایک اور دو تک پہنچ چکی ہے۔ اس وقت بھارت روس سے ایک اعشاریہ سات بلین ڈالر کے عوض ۴۰ کثیر المقاصد "سکوئی" ایس۔ یو ۳۰ طیارے حاصل کر رہا ہے۔ جبکہ اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ آئندہ چند سالوں میں بھارت ان طیاروں کو لائسنس کے تحت اپنے ملک میں اسمبل کرنے اور بالآخر کافی حد تک خود تیار کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر بھارت اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یقیناً اس کی فضائی قوت میں پاکستان کی نسبت تیزی سے اضافہ ہوتا جائے گا۔ لہٰذا

بھارت کے روسی ساخت کے ایس یو ۳۰ طیارے کے مقابلے کے لیے پاکستان کو فی الوقت اس سے بہتر طیارے کی ضرورت ہے۔

بعض پاکستانی سیاستدان اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ پاکستان کو چین کی معاونت سے روس سے مگ۔۲۷ طیارے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اگرچہ ایک خبر کے مطابق روس نے پاکستان کو پیشکش کی ہے کہ وہ چاہے تو اس سے جدید طیارے حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن کیا وہ پاکستان کے مقابلے میں بھارت کو ناراض کرنا پسند کرے گا؟ فرض کیا روس پاکستان کو مگ ۲۷ طیارے فروخت کرنے پر آمادہ ہو بھی گیا تو یہ طیارے اپنی اہمیت کے لحاظ سے ایس یو ۳۰ طیاروں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں۔

بعض پاکستانی ماہرین ساؤتھ افریقہ سے ایف ۱۶ طیارے خریدنے کا پروگرام بھی بنا رہے ہیں۔ ساؤتھ افریقہ یہ طیارے امریکی لائسنس کے تحت تیار کر رہا ہے۔ لہٰذا اس بات کا ایک فیصد بھی امکان نہیں کہ امریکہ اسے پاکستان کو طیارے فروخت کرنے کی اجازت دے گا۔ ساؤتھ افریقہ اس لیے بھی پاکستان کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرے گا کہ اس کے پاکستان کی نسبت بھارت سے زیادہ بہتر عسکری تعلقات قائم ہیں۔ اس کے علاوہ بھارت ساؤتھ افریقہ کے تعاون سے اپنے ملک میں ایک جدید ترین ریڈار سسٹم، میزائل لانچنگ سسٹم اور سمال گائیڈڈ بم تیار کرنے کے پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ یورپی عسکری ماہرین کے نزدیک بھارت مستقبل میں روس کی نسبت اپنا زیادہ عسکری انحصار اسرائیل اور ساؤتھ افریقہ پر کرے گا اور یہ دونوں ممالک اس لیے بھی بھارت سے قریبی فوجی تعلقات کے خواہاں ہیں کہ صرف اس کی بدولت ہی وہ ایشیا میں اپنے فوجی ساز و سامان کی فروخت کے لیے منڈیاں قائم کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں پاکستان ایئر فورس کے جدید کاری کے عمل کو بہتر بنانے اور بھارتی فضائی قوت کا توڑ کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ جلد از جلد ایک ایسا پروگرام وضع کیا جائے جس کے تحت نہ صرف جدید ترین طیاروں کا حصول ممکن ہو بلکہ وطن عزیز کے اندر اپنے دوست ممالک بالخصوص چین اور ترکی کے تعاون سے طیارہ سازی کا ایسا پراجیکٹ بنایا جائے جو مستقبل میں پاکستان ایئر فورس کی تمام ضروریات پوری کر سکے۔

☆☆☆

ایئر فورس کی جدید کاری کا عمل مہنگا ترین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فضائیہ کو اپ ٹو ڈیٹ رکھنے کے لیے بار بار غور کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ طیاروں کی خریداری اور پھر تنصیب میں معمولی سی کوتاہی بھی خریدار کی قوت خرید کو کئی برسوں کے لیے بیکار کر دیتی ہے مگر بری افواج میں جدید کاری کا عمل اتنا مہنگا تو نہیں پڑتا، البتہ یہ انتہائی پیچیدہ ضرور ہے۔

بری فوج کو اس کے کام کی نوعیت اور شدت کے لحاظ سے لاتعداد گروپوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس تقسیم کے باوجود پوری فوج کو ایک ہی گروپ کی صورت میں کام کرنا پڑتا ہے۔ کام کی نوعیت میں آرٹلری، انفنٹری، اور ایئر ڈیفنس رجمنٹ تینوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک بٹالین توپوں سے لیس ہوتی ہے جبکہ دوسری بوری ٹینکوں اور آخرالذکر فضا میں وار کرنے والے ہتھیاروں سے۔ مگر ان کے باوجود تینوں نے باہم مل کر کام کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر گروپ میں اس کے کام کی شدت کے لحاظ سے مزید تنوع موجود ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک سنگل کمپنی کو بھی اپ ٹو ڈیٹ کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً نئے ہتھیاروں اور ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی تکنیک بری افواج کی جدید کاری کے عمل کو انتہائی پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ ہمارے لیے یہ بات یقیناً باعث فخر ہو گی کہ بری افواج کی جدید کاری کے لیے درکار عسکری ضروریات کا نوے فیصد پاکستان میں تیار کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بری افواج کو وقت سے آگے رکھنے میں ہم بھارت سے کئی سال آگے ہیں۔ اس کی سب سے اہم وجہ پاکستانی قوم میں پایا جانے والا جذبہ تحقیق اور فن کی انتہا ہے جو اسے محدود وسائل کو استعمال کر کے جدید ترین ہتھیار "State of Art" تیار کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جبکہ دوسری اہم وجہ پاکستان کے دفاعی ساز و سامان کا اپنی پیداوار کو بین الاقوامی معیار کے مطابق مگر قدرے کم قیمت پر منظر عام پر لانا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں بھارت اپنی کوئی بھی اختراع صرف اپنی افواج کی ضروریات پوری کرنے کے لیے تیار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بھارتی دفاعی ساز و سامان جو زیادہ تر روسی عسکری سامان کی کاپی ہوتا ہے اس میں وہ جدت نہیں ہوتی جو افواج کی جدید کاری کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ عملی میدان میں بارہا ایسا ہوا کہ جونہی کوئی جدید اسلحہ یا سامان بری افواج کے حوالے کیا گیا وہ فرسودہ یا آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہوتا تھا۔ اسی لیے بھارتی افواج بھارت کے ساختہ سامان کو وصول کرنے اور استعمال کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتی ہے۔ بھارتی افواج میں جدید کاری کا عمل متاثر اور بالآخر تباہ ہونے کی ایک بڑا اہم وجہ یہ بھی ہے کہ افواج کی تعداد دستیاب وسائل سے زیادہ ہے۔ بھاری تعداد میں بری فوج رکھنا بھارت کی مجبوری ہے۔ چنانچہ بھارتی بری فوج نے جانوروں کے طویلے کی صورت اختیار کر لی ہے جسے سنبھالنا اب اس کے محافظوں کے بس میں نہیں رہا۔ بھارت کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی علیحدگی کی تحریک نے بھی فوج کو برسوں سے ایک مکمل اور مسلسل جنگ میں جتا کر رکھا ہے۔ اس چیز نے افواج کے مورال اور معیار کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ دونوں ممالک کی بری افواج کا مزید بہتر انداز میں تقابل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اعداد و شمار کی زبان میں ایک مختصر خاکہ پیش کر دیا جائے۔

بری افواج

	پاکستان	بھارت
افرادی قوت	۵۸۷۰۰۰	۱۲۶۷۰۰۰
آرمرڈ ڈویژن	۲	۳
انفنٹری ڈویژن	۱۹	۲۲
خودمختار آرمرڈ بریگیڈ	۹	۵
پہاڑی ڈویژن		۱۰
آرٹلری بریگیڈ	۹	۳
آرمی ایوی ایشن سکواڈرن	۱۵	۱۴
پیرا بریگیڈ		۱
ایئر ڈیفنس بریگیڈ	۸	۶

☆☆☆

پاکستان اور بھارت کی بری افواج کی گروپ بندی پر غور کرتے وقت ہمیں اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ دونوں ممالک نے اپنی افواج کی ٹاسک کی شدت اور اہمیت کے لحاظ سے گروپ بندی اور تنظیم قائم کی ہے۔ ہر ملک کے ایک ہی نام کے دو گروپوں میں دوسرے ملک سے افرادی قوت اور فوجی ساز و سامان میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہر ملک کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کے کسی بھی گروپ یا ڈویژن کی اصل استعداد یا قوت کار کا دوسرے ملک کو علم نہ ہونے پائے۔ ہمیں اس حقیقت کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ پاکستان نے اپنے تقریباً تمام ڈویژن اور بریگیڈ افراد کے لحاظ سے بھارت سے قدرے چھوٹے سائز میں کیے ہیں، مگر جسامت میں چھوٹا کرنے کا اسے یہ فائدہ ہے کہ وہ ہر ڈویژن کو بہت کم وقت پر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ تاہم اس کا ایک نقصان بھی ہے کہ ایک ملک دوسرے کے جسامت میں قدرے چھوٹے ڈویژن کے مقابلے پر جب بڑا ڈویژن لاتا ہے تو اس کو سمجھنے اور اس کے برابر قوت لانے میں بعض اوقات دقت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

بھارت نے اپنے جغرافیائی حالات اور عسکری پالیسی کے مدنظر دس پہاڑی ڈویژن بھی تیار کیے ہیں اور ہنگامی حالات سے نپٹنے کے لیے ایک پیرا بریگیڈ بھی قائم کر رکھا ہے۔ چین سے سرحدی معاہدے طے کرنے کے بعد اب بھارت اپنے یہ دونوں گروپ کشمیر میں استعمال کرنے کی پوزیشن میں

ہے۔ جبکہ پاکستان ان دہشت گرد گروہوں کے منہ بند کرنے کے لیے یا تو عام فورس کو استعمال کرتا ہے یا پھر ہنگامی وقت میں اسپیشل سروسز گروپ (S.S.G) کو عمل میں لاتا ہے۔ یہ گروپ ہلکے مگر تباہ کن ہتھیاروں سے مسلح ہو کر دشمن کے قلب میں ضرب لگانے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی کے زور پکڑنے کے ساتھ ہی پاکستان نے کشمیری جوانوں پر مشتمل مجاہد بٹالین کے نام پر تقریباً ایک ڈویژن کے برابر چھوٹے چھوٹے گروپ قائم کرنا شروع کر دیے تھے اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان بٹالین گروپس کو کشمیر میں جنگ کی صورت میں آگے لا کر پاکستان اپنی اصل قوت کو ریزرو میں رکھنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ جس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ پاکستان اپنی اصل فوج کو کسی اور شدت والے محاذ پر استعمال کر سکے گا۔ پاکستان اپنی مجاہد بٹالینز ریگولر افواج کی نسبت انتہائی کم اخراجات پر کھڑی کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ہر گروپ کے ذمہ محض اپنے اصل علاقے کی حفاظت کرنا ہوگا جس سے پاکستان اصل موبائل فورس کو بہتر انداز میں استعمال کرنے کی پوزیشن میں آ جائے گا۔

اس وقت پاکستان اپنی بری افواج پر صرف کی جانے والی کل رقم کا تقریباً پچاس فیصد اس کی جدید کاری پر صرف کر رہا ہے جس سے اس کی استعداد کار میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف بھارت جس کی بری فوج پاکستان سے جسامت میں تقریباً دو گنی ہے دفاع پر صرف کی جانے والی کل رقم کا صرف ۲۵ فیصد جدید کاری کے عمل پر صرف کر رہا ہے۔ جس سے بری فوج کی جدید کاری کا عمل پاکستان سے تقریباً پچاس فیصد کم رفتار پر ہو رہا ہے۔ اس کم رفتاری یا سست روی کی اصل وجہ بھارت کی بری فوج کے لیے مختص کیے جانے والے بجٹ کا ۷۵ فیصد حصہ تنخواہوں اور پنشنوں کی صورت میں ضائع ہو جاتا ہے۔ یوں صرف ۲۵ فیصد موجود سرمائے سے جب فوج کی جدید کاری کا عمل فوج کے ایک سرے سے شروع ہو کر آخری سرے تک پہنچتا ہے تو اس دوران اس میں اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے کہ نقطہ آغاز پھر سے فرسودہ نظر آنے لگتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ماضی کی نسبت پاکستان کی بری افواج بھارت سے استعداد کار میں کئی گنا آگے بڑھ چکی ہیں اور اس اہلیت نے بھارت کی بظاہر نظر آنے والی عددی برتری کو مکمل طور پر خاک میں ملا دیا ہے۔ پاکستان نے ہمیشہ بھارت کی عددی برتری کا مقابلہ اعلیٰ معیار سے کیا ہے۔ مثلاً ۱۹۶۵ء کی جنگ میں بھارت نے اپنی تمام قوت جو اکیس ڈویژن فوج پر مبنی تھی، میدان جنگ میں جھونک دی۔ اس کے مقابلے میں پاکستان نے صرف سات ڈویژن فوج سے وہ نتائج حاصل کر لیے جو بھارت ۲۱ ڈویژن سے نہیں حاصل کر سکا تھا۔

صرف سیالکوٹ کے محاذ پر بھارت نے اپنی تیس ہزار سپاہ کو میدان جنگ میں اتارا تھا جبکہ

پاکستان نے صرف ۹ ہزار فوج کو میدان میں لا کر بھارت کو کئی میل پیچھے دھکیل دیا۔ یوں ماضی میں اگر پاکستان چار کے مقابلے میں ایک فوجی کھڑا کر کے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر سکتا ہے تو اب اس کی فوج جو ماضی کی نسبت زیادہ بہتر حالت میں ہے یقیناً زیادہ اچھے نتائج حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے گی۔

☆☆☆

پاکستان کی بحری قوت اور اس کی میزائل سازی کی اہلیت ''غوری'' میزائل کے مثالی تجربے کے بعد دوست دشمن سب پر عیاں ہو چکی ہے جہاں تک بحریہ کا تعلق ہے تو بحیثیت ایک پاکستانی کے مجھے اور میری قوم کو اس بات پر فخر ہونا چاہیے کہ بھارت سے کئی گنا چھوٹا ہونے کے باوجود ہماری نیول فورس، ہماری میزائل سازی کی اہلیت اور ہمارا نیوکلیئر پروگرام بھارت کی نسبت زیادہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ اگرچہ بھارت نے پرتھوی میزائل کی پہلی کھیپ اپنی بری افواج کے حوالے کر دی ہے مگر اس کا سب سے زیادہ نقصان بھارت کو اٹھانا پڑے گا کیونکہ اب مجبوراً پاکستان نے بھارت میں گہرائی تک تباہی پھیلانے والے اپنے قابل فخر حتف۔۳ میزائل کی تیزی سے پیداواری صلاحیت میں اضافہ کر لیا ہے۔ اگرچہ پاکستان نے حتف تھری میزائل کی باقاعدہ پیداوار دو سال قبل ہی شروع کر دی تھی مگر پاکستان ایک امن پسند ملک ہونے کے ناطے اور بین الاقوامی دباؤ کو محسوس کرتے ہوئے اس میزائل کو منظر عام پر نہ لانے پر مجبور تھا، مگر بھارت کے پرتھوی میزائل کے میدان میں آنے کے بعد ساری دنیا جانتی ہے پاکستان کو اپنی بقا کے لیے مجبوراً اس تباہ کن اہلیت کے حامل میزائل کو فوج کے حوالے کرنا پڑا۔ یہ اس کا فطری حق تصور کیا جائے گا۔

☆☆☆

دنیا کی تیسری بڑی فوج ہونے کا اعزاز حاصل کرنے والی بھارتی فوج نے بھارت کے معاشی اور معاشرتی ڈھانچے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ بھارتی حکومت اپنے کل بجٹ کا ۶۵ فیصد اپنے ۱۲ لاکھ ۶۵ ہزار فوجیوں کی بھینٹ چڑھا دیتی ہے لیکن بھارتی فوج اس بجٹ سے بھی مطمئن نہیں اور وہ ''ھل من مزید'' کی رٹ لگا رہی ہے۔ جس تیز رفتاری سے اب بھارت میزائل کی دوڑ میں شامل ہو گیا ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ شرح اب کہاں تک پہنچ جائے گی۔ ایشیا اور پھر دنیا میں خود کو مضبوط فوجی قوت تسلیم کروانے کی دھن بھارتی حکومت کو لے ڈوبے گی۔

ایک ایسا ملک جس کے صرف ایک شہر بمبئی میں ۲۵ لاکھ عورتیں جسم فروشی کے دھندے سے وابستہ ہوں۔ جہاں کے ۷۰ فیصد عوام Below the Poverty Line زندگی بسر کر رہے ہوں

دوبارہ اس فوجی ڈویژن کو تباہی کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ بھارت کو اپنی پیدل فوج کو تباہی سے بچانے والے ہتھیاروں سے لیس کرنے کے لیے ۱۲ اعشاریہ ۶ بلین ڈالرز درکار ہوں گے۔ سادہ سی حقیقت یہ ہے کہ ۱۰ سال پہلے بھارتی جرنیلوں نے اپنی فوج کو اے کے ۴۷ سے لیس کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا وہ بھی مکمل نہیں ہو سکا اور ابھی وہ فوج کے بارہویں حصے کو بھی مطلوبہ خودکار بندوق سے لیس نہیں کر پائے۔

بھارت نے اتنی غربت کے باوجود جن دفاعی منصوبوں پر کھربوں ڈالر خرچ کر ڈالے، مگر یہ منصوبے بری طرح ٹھپ ہو گئے۔ مثال کے طور پر بھارت نے انٹرمیڈیٹ بلاسٹک (درمیانے درجے یا پچیس سو کلو میٹر تک مار کرنے والے) میزائل بنانے کے پراجیکٹ پر اربوں ڈالر خرچ کیے۔ اس کو اگنی پراجیکٹ کا نام دیا گیا۔ اس میں ناکامی کے بعد اس پراجیکٹ کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا ہے جبکہ اس پراجیکٹ پر "The Statesman" کی رپورٹ کے مطابق تقریباً ملین ڈالرز خرچ کیے گئے۔

اس کے علاوہ دس سال قبل بھارت نے ہلکے جنگی طیارے بنانے کا منصوبہ (Light Combat Aircraft Project) شروع کیا تو مگر "آئی ڈی آر" کی رپورٹ کے مطابق تقریباً ۲۰ ملین ڈالرز کے برابر رقم خرچ کرنے کے باوجود بھارت یہاں ابھی تک ایک بھی بین الاقوامی معیار کا طیارہ تیار نہیں کر سکا۔ جو دو ماڈل طیارے تیار کیے گئے تھے ان کے انجن فرانس سے اور ڈھانچے کا ڈیزائن برطانیہ سے خریدا گیا تھا مگر یہ جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے مسترد ہو چکے ہیں۔

بھارتی معیشت کی تباہی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اپنے مشہور طیارہ بردار بحری جہاز وکرانت کو جسے دس سال قبل مرمت کی غرض سے خشک گودی میں پہنچایا گیا تھا مرمت نہ ہونے کی وجہ سے وہیں پڑا زنگ آلود ہوتا رہا اور بالآخر اس کی وفات حسرت آیات ہو کر رہی۔ اس جہاز کی مرمت کے لیے بھارتی بحریہ نے ڈیڑھ کھرب روپے کا تخمینہ پیش کیا تھا مگر رقم نہ ہونے سے مرمت میں تاخیر واقع ہوتی رہی۔ اب تازہ اطلاعات کے مطابق یہ جہاز اس قابل نہیں رہا کہ دوبارہ سمندر میں اتارا جا سکے لہٰذا اس کا "کریا کرم" کر دیا گیا ہے۔

☆☆☆

بھارت فرانس سے میراج طیارے اس وجہ سے نہیں خرید سکا تھا کہ ان کی قیمت بہت زیادہ تھی حالانکہ بھارتی فضائیہ نے ۴۰ طیاروں کو خریدنے کی بھرپور خواہش کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد متبادل کے طور پر فضائیہ نے روسی ساختہ ایک سو مگ ۲۹ طیارے خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر رقم نہ ہونے کی وجہ سے صرف ۳۲ طیارے حاصل کیے جا سکے۔ یہ بھارتی حکومت کی اپنی فضائیہ کے لیے گزشتہ

دس سالوں میں سب سے بڑی ڈیل تھی جبکہ بھارتی فضائیہ کی مانگ اس سے آٹھ گنا زیادہ تھی۔

فوج بھارتی معیشت پر کس طرح بوجھ بنی ہوئی ہے اس کی مظہر یہ حقیقت بھی ہے کہ اس وقت صرف کشمیر میں ابھرنے والی آزادی کی تحریک کو دبانے کی ناکام کوشش میں بھارت کو روزانہ تیس سے چالیس ملین ڈالرز کے برابر خطیر رقم صرف کرنا پڑ رہی ہے جبکہ بھارت کو اس کے طول و عرض میں ایک لاتعداد تحاریک کا سامنا ہے۔

یہ سوال تو بھارت میں بچے بچے کی زبان پر ہے کہ آیا اتنی بڑی فوج رکھنے اور اتنے زیادہ اخراجات برداشت کرنے سے بھارت وہ مقاصد حاصل کر سکا ہے جس کے لیے اسے قائم کیا گیا تھا....؟ جواب نفی میں ہے، کیونکہ اتنی بڑی فوج سے ابھی تک بھارت ایک بھی اہم کام نہیں لے سکا۔

اب اسے سب سے پہلے ۱۹۶۲ء میں چین سے شکست کھانے کے ساتھ ساتھ ہزاروں مربع میل رقبے سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اس کے علاوہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارتی فوج کا جو حشر ہوا تھا وہ دنیا کے سامنے ہے۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں اگرچہ بھارت پاکستان کا مشرقی بازو جدا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اب وہی بازو بنگلہ دیش کے روپ میں ابھر کر شمالی علاقوں میں دردِ سر بنا ہوا ہے۔

اس کے بعد بھارت نے اپنی افواج کو سری لنکا اور مالدیپ میں اتارا۔ یہاں بھی بدنامی اور رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اب یہی فوج اپنے ہی ملک کے عوام پر ظلم و جبر کی تاریخ رقم کر رہی ہے جس کے جواب میں نہ صرف مختلف بھارتی ریاستوں کے لوگ بھارت سے بدظن ہو رہے ہیں اور ان کے شعور میں ایک الگ قوم، ایک الگ فلسفہ حیات اور ایک الگ ملک کا احساس تیزی سے ابھرتا جا رہا ہے بلکہ فوج کے اندر بھی شعوری طور پر کئی قسم کی بغاوتیں چل رہی ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ مختلف خطوں کے یونٹ آگے چل کر ایک عظیم تر بغاوت کو تشکیل دیں اور بھارت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں۔ پھر دنیا کی کون سی قوت بھارت کو یکجا رکھنے میں کامیاب ہو سکے گی۔

فوج کے گرتے ہوئے مورال، ڈسپلن کی خلاف ورزی اور عام فوجیوں میں خودکشی کے رجحانات میں اضافے اور کمانڈنگ افسروں کی کمی اور تربیت کے فقدان نے فوج کو بے جان ڈھانچہ بنا ڈالا۔

بھارتی سورماؤں کی حالت کی یہ ہے کہ صرف درجنوں کی تعداد میں مسلح کشمیری مجاہدین نے ۷ لاکھ بھارتی فوج کو ۶ سال سے مقبوضہ کشمیر میں پھنسا رکھا ہے۔ اس سے بھارتی فوج کی اہلیت اور قابلیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بمبئی میں تخریب کاری

بھارت کے سب سے ۔۔ شہر اور تجارتی مرکز بمبئی میں گزشتہ دنوں ہونے والی تخریب کاری کے بعد سے بھارتی لیڈر شپ اشارے کنائے میں پاکستان کے خلاف زہریلے پراپیگنڈے میں مصروف ہے جہاں متعصب ہندو لیڈر ایل کے ایڈوانی نے کھل کر اس تخریب کاری کا ذمہ دار پاکستان کو قرار دے کر بھارتی حکومت سے مطالبہ داغ دیا ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف ''انتہائی اقدام'' کرے وہاں دوسری طرف بھارتی وزیراعظم، صدر اور وزیر داخلہ ایس بی چوان کھینچ تان کر اس مسئلے کی تان پاکستان پر توڑنا چاہتے ہیں اور دھماکوں کے اگلے روز سے تادم تحریر بھارتی میڈیا خصوصاً آل انڈیا ریڈیو نے بمبئی کے واقعات کی آڑ میں پاکستان کے خلاف جھوٹ اور افترا طرازی کی گھناؤنی مہم چلا رکھی ہے سرکاری سرپرستی میں چلنے والی اس مہم میں بھارتی پرنٹ میڈیا بھی دامے درمے سخنے اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ ۱۲ مارچ کو ہونے والے تخریب کاری کے ان واقعات کے فوراً بعد ۱۴ مارچ کو بھارتی ریڈیو سے خصوصاً پاکستان کے خلاف انتہائی زہریلا پراپیگنڈہ کرتے ہوئے ماضی کے جھوٹے سچے واقعات کا حوالہ دے دے کر یہ ثابت کیا گیا کہ یہ دھماکے بھی پاکستان انٹیلی جنس کا کارنامہ ہو سکتا ہے؟ گو کہ مبصر نے کھل کر پاکستان کا نام ۱۲ مارچ کے واقعہ کے حوالے سے نہیں لیا، لیکن جس طرح ۱۳ مارچ سے تادم تحریر بھارتی میڈیا کبھی مصر، کبھی شام، کبھی الجزائر کے حوالے سے پاکستان کو ''عالمی تخریب کاری کا مرکز'' قرار دینے پر تلا ہوا ہے اور جس طرح ۱۴ مارچ کو آل انڈیا ریڈیو نے اس تخریب کاری کے ڈانڈے امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے جوڑے اس کے بعد کوئی عقل کا اندھا بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس ساری کارروائی کے پیچھے کون سی گھناؤنی سازش کارفرما ہے مختصر یہی کہا جا سکتا ہے کہ بھارت کی طرف سے پاکستان کو ''دہشت گرد ملک'' قرار دلوانے کی سازش کا یہ کلائمکس ہے اور اگر ہماری وزارت

داخلہ نے اس مسئلے کی سنگینی کو محسوس نہ کیا تو سفارتی سطح پر بھارت کے اس بھرپور حملے سے ہماری ساکھ داؤ پر لگنے کا خطرہ برقرار رہے گا۔

گزشتہ چند ماہ میں بھارت میں مختلف سربراہان مملکت کی آمد سے بھارتی عوام اور حکومت اس وہم کا شکار ہو گئے تھے کہ شاید یورپی صنعتکاروں کو دنیا میں اور کوئی منڈی نہیں مل رہی اور اب وہ بھارت ماتا کو سونے کی چڑیا بنا کر چھوڑیں گے لیکن اس تلخ حقیقت کو نظرانداز کر دیا گیا کہ ترقی یافتہ ممالک کا صنعتکار کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کر سکتا اور محض خیر سگالی کے بیانات سے یہ تاثر قائم کر لینا کہ اب باقی معاملات بھی ٹھیک ہیں اور ہمارا تیر عین نشانے پر لگا ہے غلط بات ہے۔ یورپی سرمایہ کار کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرتے۔ اس سے پہلے بھارتی حکومت نے غیر ممالک میں بسنے والے بھارتی نژاد باشندوں کو بھی بہت سی ترغیبات سے بھارت میں سرمایہ کاری پر راغب کیا تھا اور انہیں اتنی مراعات دینے کا اعلان کیا تھا کہ جن کا اس سے پہلے کبھی کسی بھارتی کے ہاں تصور ہی موجود نہیں تھا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کچھ بھارتی نژاد غیر ملکی سرمایہ کاروں نے اس سلسلے میں دلچسپی بھی ظاہر کی اور دہلی میں کچھ صنعتیں قائم بھی ہوئیں لیکن جس تیزی سے بھارت میں اکثریت کی طرف سے اقلیتوں کو کچل دینے کی مہم جاری ہے اور اس پر اب مجبور ہو کر جس طرح اقلیتوں نے ہتھیار اٹھا لیے ہیں اس کے بعد سے بھارتی معیشت بے یقینی کا شکار ہو گئی ہے اور کسی بھی سرمایہ کار کے لیے یہ کوئی ''آئیڈیل پوزیشن'' نہیں ہے۔

جس ملک میں کشمیر، خالصتان، ناگالینڈ، تامل، گورکھالینڈ، منی پور اور جھارکھنڈ جیسی مضبوط آزادی کی تحریکیں سرگرم عمل ہوں وہاں کے حکمران اگر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کو ''دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت'' یا سیکولرازم کے نام پر بیوقوف بنا لیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جن نیک خواہشات کا اظہار غیر ملکی حکمرانوں نے اپنی بھارت یاترا کے دوران کیا اس پر وہ عمل پیرا نہیں ہو سکے کیونکہ جس نوعیت کا سیکولرازم بھارت میں نافذ ہے اس طرح کا ان ممالک میں بھی خصوصاً یہاں کے سرمایہ کار اور صنعتکار اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر جب حقائق کا کھوج لگایا تو یہ جان کر حیران رہ گئے کہ گزشتہ پانچ سال سے بھارتی سرکار نے کسی غیر ملکی انسانی حقوق کی تنظیم کو مقبوضہ کشمیر اور مشرقی پنجاب کا دورہ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی ظاہر ہے ایسے ملک میں جہاں ہر وقت تخریب کاری کا دھڑکا لگا رہے جہاں بنیادی انفراسٹرکچر بھی موجود نہیں، سرمایہ کاری سے متعلق وہ نتائج حاصل کرنا جو چین کو حاصل ہوئے ہیں آسان کام نہیں تھا۔

دوسری طرف کانگرس بھارتی عوام کو مسلسل بیوقوف بنا رہی ہے اور گزشتہ دو سال سے انہیں

بھی بتایا جا رہا ہے کہ کانگرس اس ملک کی قسمت بدل کر رکھ دے گی اور بھارت سے غربت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں بلاشک و شبہ بڑی حد تک انتخابی معاشی پروگرام بھی بنائے گئے لیکن آج کی تیسری دنیا کا کوئی ملک جس پر ایک ہی وقت میں ہتھیاروں اور خطرناک ایٹمی ہتھیاروں کے بل بوتے پر سپر پاور بننے کا جنون بھی سوار ہو اور دوسری طرف وہ یہ بھی چاہے کہ معاشی انقلاب سے اپنے بھوکے ننگے عوام کی قسمت بدل کر رکھ دے گا کے لیے کامیابی اتنی آسان بھی نہیں ہے۔ اس صورتحال نے بھارتی حکومت کو پریشان کر رکھا ہے۔

بھارت میں چلنے والی آزادی یا علیحدگی کی تحریکوں نے اپنے ہیڈکوارٹرز ترقی یافتہ ممالک میں بنا رکھے ہیں جہاں ان کا رابطہ بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیموں سے قائم رہتا ہے اور بھارت میں تحریکوں پر ہونے والے مظالم کی تفصیلات یہ لوگ ان اداروں کو مع ثبوت پہنچاتے رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے عالمی سطح پر بھارت کو زبردست بدنامی بھی اٹھانی پڑتی ہے یہی وجہ ہے کہ برطانوی حکومت کے ساتھ مجرموں کے تبادلے کا نام نہاد معاہدہ طے پا جانے کے بعد بھی بھارتی حکومت آج تک برطانیہ سے کسی کو واپس نہیں لے سکی اور "چالمل کیس" تو اب بھارت کی چڑ بن کر رہ گیا ہے کہ ایک ایسے شخص کو جس کی ملک بدری پر برطانیہ کی اعلیٰ ترین عدالت بھی صاد کر چکی ہے۔ بھارتی حکومت اپنے ملک میں نہیں لا سکی کیونکہ عالمی انسانی حقوق کی تنظیمیں اس کے راستے کی رکاوٹ بنی ہوئی تھیں۔

بھارت کے نام نہاد سیکولرازم پر یہ بدنامی تو زحمتاً گزشتہ پانچ سالوں سے ہو رہا ہے جس میں کشمیری اور سکھ پیش پیش ہیں۔ اس کا جواب بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں پنجاب اور مقبوضہ کشمیر میں بے گناہوں کے قتل عام سے دے رہی ہیں اور ہتھیار یہ عوامی کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے ان غیرملکیوں خصوصاً سکھوں کی تحریک کو کچل کر رکھ دیا ہے لیکن حقائق اس کے بالکل برعکس ہیں اور کوئی دن ایسا نہیں جاتا جب پنجاب سے شائع ہونے والے اخبارات کے صفحہ اول پر بھارتی پیرا ملٹری فورسز کے ساتھ سکھوں کے مقابلے کی خبر نہیں ہوتی۔ جس میں دونوں فریق جانی نقصان اٹھاتے ہیں حالانکہ پنجاب کا پولیس چیف کے پی ایس گل ہر پندرہ بیس روز بعد ڈیڑھ سو سکھوں کی طرف سے "آتم سمرپن" (ہتھیار ڈالنے) کا کوئی نہ کوئی ڈرامہ بھی پیش کرتا رہتا ہے اور دوسری طرف مقبوضہ کشمیر سے بھی کسی نہ کسی کو ٹی وی کی نمائش بنا کر ایک رٹی رٹائی کہانی سنا دی جاتی ہے جس میں کیمرے کے سامنے بیٹھا شخص بتا رہا ہوتا کہ اسے پاکستان نے تربیت دے کر بھیجا ہے لیکن یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ مقبوضہ کشمیر میں تو بالکل "امن و امان" ہے اور لوگ آرام کی زندگی گزار رہے ہیں انہیں بھارتی حکومت سے کوئی شکایت نہیں ہے وغیرہ

وغیرہ تو اس کے ضمیر نے ملامت کی اور اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اب صورتحال یہ ہے کہ غیرملکی پریس کی تو بات ہی کیا خود بھارتی پریس بھی اس حکومت کی ڈرامہ بازی سے تنگ آ گیا ہے اور بھارتی عوام تو بطور خاص اب "آتم سمرپن" کی کسی بھی خبر کو مذاق سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

ان حالات میں کانگرس سرکار کے پاس فرار کا کوئی راستہ اب باقی نہیں بچا۔ "بابری مسجد" پر کانگریس کی ڈھیلی ڈھالی پالیسی اور بلوائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام اور انٹرنیشنل پریس کی درگت کے بعد سے اب سیکولرازم والا ڈرامہ بھی فلاپ ہوتا جا رہا ہے اور وہی غیرملکی پریس جو کبھی بھارتی جمہوریت اور لامذہبیت کا راگ الاپتے نہیں تھکتا تھا اب اسے ہندو دہشت گرد حکومت کہنے سے بھی نہیں چوکتا۔ ان حالات میں ظاہر ہے کوئی سرمایہ کار بھارت کا رخ کیوں کرتا؟ دوسری طرف خصوصاً بابری مسجد کے سانحے کے بعد بھارت میں نئے انتخابات اور نرسیما راؤ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک بھی لوک سبھا میں پیش ہوئی ہے۔

صورتحال کی سنگینی کا احساس کرتے ہی کانگرس نے منصوبہ بندی کر کے دراصل اگلے انتخابات میں کامیابی کا راستہ ہموار کرنے کی کوشش کی ہے۔ کانگرس سرکار ایسے ایڈونچر کرنے کا ماضی میں خاصہ تجربہ رکھتی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں جب کانگرس کا اقتدار ڈانواں ڈول تھا تو "بنگلہ دیش ایڈونچر" کیا گیا۔ ۸۴ء میں کانگرس کو برسر اقتدار لانے کے لیے موجودہ وزیر اعظم اور اس وقت کے وزیر داخلہ نرسیما راؤ کے مشورے سے "دربار صاحب" پر حملہ کیا گیا اور مسز گاندھی کی موت پر اگلے الیکشن میں ان کے صاحبزادے کی کامیابی اور کانگرس سرکار کا تسلسل برقرار رکھنے کے لیے سکھوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اور آنجہانی راجیو گاندھی نے اس پر تبصرہ فرمایا کہ تیز آندھی سے درختوں کے پتوں اور جڑوں کو نقصان پہنچ ہی جاتا ہے کوئی اچنبھے یا پریشانی کی بات نہیں۔

"را" کی تربیت یافتہ دہشت گرد تنظیموں کے ہاتھوں مسٹر راجیو گاندھی کے قتل کے بعد کانگرس نے پھر مظلومیت کا ڈرامہ رچا کر اقتدار کے سنگھاسن پر قبضہ جما لیا۔ اب پھر اقتدار کا سنگھاسن ڈانواں ڈول تھا تو عین ممکن ہے کہ فوراً "را" نے ہی بمبئی میں تخریب کاری کا یہ ڈرامہ رچا کر جہاں ایک طرف اپنے عوام کو اس طرح مطمئن کرنا چاہا ہے کہ یہ بین الاقوامی سازش ہے جس کا مقصد بھارت کی مضبوط ہوتی معیشت کا دھچکا لگانا یا بیرونی سرمایہ کاری کو روکنا ہے وہاں دوسری طرف اشارے کنائے سے اس کے ڈانڈے پاکستان سے ملا کر اور دن رات "بنیاد پرستی" کا پرچار کر کے بھارتی حکومت اپنی اس ناکام مہم کے تن مردہ میں جان ڈالنا چاہتی ہے جس کے تحت وہ پاکستان کو امریکہ کی مدد سے "دہشت گرد

حکومت" قرار دلانے کے سلسلے میں چلا رہی تھی۔

بھارتی میڈیا کی اطلاعات کے مطابق اب تک اس سلسلہ میں جو مشتبہ لوگ گرفتار ہوئے ہیں ان کا تعلق ایل ٹی ٹی ای (تامل گوریلا تنظیم) سے ہے اور جس نوعیت کے دھماکے ہوئے ہیں اور اگر کوئی تخریبی کارروائی تھی تو اس میں تامل گوریلوں کا ہاتھ ہونا ہی ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے بعد تو بھارتی سرکار کو مکافات عمل کا ضرور قائل ہو جانا چاہیے کہ وہ بھی تامل گوریلے ہیں جن کو "را" نے دہشت گردی کی تربیت دی اور جدید ساز و سامان سے لیس کر کے ایک چھوٹے سے کمزور ملک سری لنکا کے لیے مستقل دردِ سر بنا دیا تھا لیکن حالات نے پلٹا کھایا تو یہی تامل اب بھارت کے لیے عذاب بن گئے ہیں ان کے ہاتھوں مسٹر راجیو گاندھی پرلوک سدھارے اور اب دہشت گردی کی اتنی بھیانک واردات بھی تاملوں نے کی ہے۔ ۱۵ مارچ کو بھارتی خبر رساں ایجنسی نے ایک پھلجھڑی اڑائی تھی کہ اس کی ذمہ داری سکھوں کی ایک تنظیم نے اپنے سر لی ہے لیکن ۱۶ مارچ کو لندن سے سکھوں کی پانچ مسلح تنظیموں کی قائم کردہ ڈاکٹر سوہن سنگھ کی پینتھک کمیٹی کی طرف سے خالصتان کمانڈو فورس کے جرنیل پرم جیت سنگھ پنجوڑ نے جو بیان جاری کیا ہے اس میں کہا کہ ہماری پینتھک کمیٹی سے منسلک کسی بھی سکھ جتھے بندی کا ان دھماکوں سے کوئی تعلق نہیں۔ یوں بھی اب تک تصویر خاصی واضح ہو چکی ہے اور اس بات کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں کہ سکھوں یا کشمیری مجاہدین کا ان دھماکوں میں کوئی ہاتھ ہے۔

مکافات عمل کا دوسرا نام......تامل ٹائیگرز

اخباری اطلاع کے مطابق ۸ جولائی کو تامل ٹائیگرز نے ایک گاؤں پر حملہ کر کے ۲۰ مسلمانوں اور سنہالی باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جبکہ اگلے ہی روز تامل ناڈو میں پناہ گزین تامل ایلم کے ایک باغی لیڈر کو جس کے متعلق یہ کہا جا رہا تھا کہ وہ تامل ٹائیگرز کے سربراہ پربھاکرن کا مشیر تھا لیکن بعد میں "را" سے مل گیا۔ تامل ٹائیگرز نے ایک بازار میں پیدل چلتے ہوئے گھات لگا کر اسے بھی مار ڈالا۔ تامل ٹائیگرز جنہوں نے اس سے پہلے سری لنکا جیسے پرامن اور چھوٹے ملک کو اپنی تخریب کاری سے ہلا کر رکھ دیا تھا اب بھارتی اقتدار اعلیٰ کے لیے بھی خطرات کا باعث بن رہے ہیں۔ خصوصاً سابقہ بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کی تامل ٹائیگرز کے ہاتھوں بم دھماکے میں ہلاکت نے بھارتی سیکورٹی ایجنسیوں کو خاص طور سے تامل ٹائیگرز سے متعلق اپنی سابقہ حکمت عملی پر غور کر کے انہیں "دشمن" سمجھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ خیال رہے کہ مسٹر راجیو گاندھی کی موت سے پہلے بھارتی انٹیلی جنس تامل ٹائیگرز کو کسی سطح پر بھارت کے لیے خطرہ تو محسوس کرتی تھی لیکن ابھی تک انہوں نے خصوصاً تاملوں کے مضبوط ترین گروپ "تامل ایلم" کو جس کی کمانڈ پربھاکرن کے ہاتھ میں تھی "انڈر ایسٹی میٹ" کیا ہوا تھا اور یہ سمجھا جا رہا تھا کہ "را" سے اپنے دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر کبھی نہ کبھی بھارتی حکومت "پربھاکرن" کو دوبارہ بھارت سے ہاتھ ملانے پر مجبور کر سکے گی۔

۱۹۷۴ء میں جب بھارتی حکومت نے جنوبی بھارت کے شہر بجنور میں باغی تاملوں کی تربیت کا سلسلہ شروع کیا اور مکتی باہنی کی طرز پر تامل ٹائیگرز کو آرگنائز کیا تو اس وقت کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے ذہن پر "بنگلہ دیش" کا نشہ طاری تھا اور وہ "راون کے سری لنکا" کو فتح کر کے "رام راجیہ" قائم کرنے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔

تاریخ کے بعض اسباق ناقابل فراموش ہوتے ہیں۔ خصوصاً یہ بات کہ باغی تاملوں کی تربیت کے لیے "را" نے مسز اندرا گاندھی کی ہدایت پر ان کے چہیتے ڈائریکٹر انٹیلی جنس آر این کاؤ کی سربراہی

میں جو کیمپ قائم کیا گیا تھا۔ اس میں تاملوں کی تربیت کے لیے ایک مرتبہ پھر "کمی بانی ٹیم" جنرل شوبیگ سنگھ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس سے پہلے ۷۱ء میں جنرل شوبیگ سنگھ مشرقی پاکستان میں باغیوں کو جنگی تربیت دے کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ ستم ظریفی قدرت کی ملاحظہ کیجئے کہ ۸۴ء میں یہی جنرل شوبیگ سنگھ علیحدگی پسند سکھوں کی مدد کرتے ہوئے دربار صاحب میں مارا گیا۔ مسز اندرا گاندھی کے قتل کا باعث دربار صاحب پر حملے کا واقعہ تھا اور ان کے بیٹے راجیو گاندھی کے خصوصی دوست تامل ٹائیگرز کے کمانڈر "پربھاکرن" نے راجیو گاندھی کی جان لے لی۔ یہ تمام واقعات دس سال کی قلیل مدت میں پیش آئے۔ جو مکافات عمل کی بہترین مثال ہیں لیکن یہ الگ بات کہ بھارتی حکمرانوں نے مکافات عمل سے سبق نہ سیکھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

تامل ٹائیگرز کی جنگ بظاہر مختصر لیکن بھیانک ہے۔ ۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق سری لنکا میں سنہالی باشندوں کی تعداد ۱۰۹۸۵۶۶۶ تھی جو کل آبادی کا ۷۴ فیصد ہے۔ تامل باشندوں کی تعداد ۲۳۰۱۷۱۹ تھی جو کل آبادی کا ۱۲ اعشاریہ ۶ فیصد ہے جبکہ مظلوم اور مقہور مسلمان ۱۰۵۶۹۷۲ تھے جو کل آبادی کا ۷ اعشاریہ ۱ فیصد ہیں۔

بھارتی حکومت نے اپنے قیام کے روز اول ہی سے ہمسایہ ملکوں میں اپنے سیاسی گرو کوٹلیہ چانکیہ کی تعلیمات کے عین مطابق مداخلت اور تخریب کاری شروع کر رکھی تھی اور سری لنکا میں بھارتی مداخلت کا ثبوت ۱۹۷۵ء میں اس وقت ملتا ہے جب یہاں پہلی مرتبہ بائی کولا اور بیناروا میں لسانی بنیادوں پر فسادات کا آغاز ہوا۔ سری لنکا کے شمال اور مشرقی حصوں میں جافنا، بیناروا، الوینا، مانیوا اور ٹرنکومالی میں تامل زبان بولنے والوں کی اکثریت آباد ہے۔ ان میں ۸۱ء ہی کی مردم شماری کے مطابق ۸۲۵۲۳۳ ہندوستانی نژاد تامل باشندے بھی موجود ہیں جو بھارتی صوبہ تامل ناڈو سے یہاں منتقل ہوئے ہیں اور درحقیقت یہی لوگ فسادات کی جڑ ہیں۔

۷۵ء میں ہونے والے فسادات پر اس وقت کی سری لنکن سرکار نے دبی زبان میں بھارت سے احتجاج بھی کیا تھا کہ اس کے ساتھ ہی تاملوں کو مطمئن رکھنے کی کوششیں بھی شروع کر دیں۔ ۷۶ء تک سری لنکا حکومت کا کنٹرول بڑا مضبوط رہا۔ ۷۶ء کے آخر میں صرف سیاسی سطح پر تامل متحرک نظر آتے ہیں۔ جب تامل کانگریس، فیڈرل پارٹی اور دیگر تامل تنظیموں نے متحدہ محاذ کی صورت اختیار کی۔ اس کے بعد سے سری لنکا مسلسل تخریب کاری کی زد میں رہا ہے۔

۷۷ء میں بھارتی حکومت نے "را" کے ذریعے تامل ٹائیگرز کی سرپرستی شروع کر دی تھی اور ۷۸ء میں بھی تاملوں کے مضبوط گروپ تامل فریڈم فرنٹ کی طرف سے ایک کانفرنس میں باقاعدہ

اعلان آزادی جاری ہوا۔ جس میں تاملوں نے سری لنکا سے اپنی علیحدہ مملکت کے قیام کا اعلان کر دیا اور تامل تحریک نے اتنا زور پکڑا کہ سری لنکا کی فوجی کارروائی کے باوجود ۷۷ء کے انتخاب میں سری لنکا کے شمال میں ۱۶ نشستوں پر مشرقی ساحل کی ۴ اور جافنا کی تمام یعنی ۱۱ نشستوں پر آزادی پسند تامل امیدوار کامیاب قرار پائے کا ان جزائر کی صرف ایک نشست پر سری لنکا سے الحاق کے حامی امیدوار کو کامیابی ملی۔ یہ بہت بڑا "سیٹ بیک" تھا جس کا سامنا سری لنکا کو کرنا پڑا۔

اسی دوران بھارتی حکومت کھل کر سامنے آ گئی تھی اور ۸۱ء میں "تامل ایلم" جسے ایل ٹی ٹی ای یا "لٹے" یا تامل ٹائیگرز کہا جاتا ہے اور تامل باغیوں کا سب سے بڑا اور مضبوط گروپ سمجھا جاتا ہے کا قیام عمل میں لایا گیا۔

۸۲ء سے ۸۴ء تک کا عرصہ بھارتی حکومتوں کے لیے سکھوں کی شورش کے نقطہ عروج کا عرصہ شمار ہوتا ہے۔ اس دوران "را" کو "تھرڈ ایجنسی" کا روپ دھار کر بھارتی صوبے پنجاب میں موجود سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کے مسلح ساتھیوں کو کنٹرول کرنے پر ساری توجہ صرف کرنی پڑی۔ اس عرصے میں مسز اندرا گاندھی کو کچھ عرصہ چونکہ اقتدار سے الگ بھی رہنا پڑا اور جنتا دل نے مرار جی ڈیسائی کی سیاسی کمان میں جب عنان اقتدار سنبھالی تو پہلا کام یہی کیا کہ "را" کی بدنام زمانہ کارروائیوں کے سبب نہ صرف اس کے ڈائریکٹر آر این کاؤ کو جو مسز اندرا گاندھی کے دست راست سمجھے جاتے تھے چھٹی کرا دی بلکہ سختی سے "را" کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ ہمسایہ حکومتوں میں موجود اپنے تخریب کاری مشن بند کر دے۔

مسز اندرا گاندھی نے سربراہ سلطنت ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ "را" کے سابق ڈائریکٹر مسٹر آر این کاؤ کو اپنا سیکورٹی چیف بنا کر تمام انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سر پر مسلط کر دیا۔ کاؤ نے ہی بعد میں "تھرڈ ایجنسی" کو متحرک کیا گو کہ تھرڈ ایجنسی کی سرگرمیوں کا مرکز پنجاب اور مقبوضہ کشمیر تھا لیکن محدود پیمانے پر مسٹر کاؤ نے سری لنکا میں بھی مداخلت جاری رکھی اور جب جون ۸۴ء میں بھارتی فوج نے امرتسر میں سکھوں کے روحانی مرکز دربار صاحب پر حملہ کر کے بھنڈرانوالہ اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا تو اپنی دانست میں مسز اندرا گاندھی نے خالصتان مسئلے کا ہی خاتمہ کر دیا تھا کیونکہ حملے کے فوراً بعد انہوں نے بڑی نخوت سے اعلان فرمایا تھا کہ ہمسایہ ملک کی شہ پر چلنے والی اس تحریک میں ڈھائی تین سو انتہا پسند شامل تھے وہ سب مارے گئے ہیں جس کے بعد مسٹر کاؤ نے سری لنکا پر زیادہ توجہ دینا شروع کی۔

☆☆☆

۱۹ مئی ۸۵ء کے انگریزی ماہنامہ "عربیہ" میں پہلی مرتبہ چھپنے والے ایک مضمون نے عالمی سطح پر شہرت حاصل کی۔ مضمون نگار نے تصاویر کے ساتھ ثابت کیا کہ بھارت کے صوبہ تامل ناڈو میں ۳ ہزار

تامل باشندوں کو جنگی تربیت دی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں ضلع بجنور میں ایک کیمپ بھی لگائے گئے ہیں اور تامل ٹائیگرز کا کمانڈر "پربھاکرن" بھارتی حکومت کے سرکاری مہمان کی حیثیت سے یہاں مقیم ہے۔ اس مضمون میں چونکا دینے والی بات یہ بھی تھی کہ بھارتی حکومت نے تخریب کاری کے لیے جن تاملوں کو منتخب کیا ہے ان کی بڑی تعداد شام اور لیبیا میں بھی تربیت حاصل کر رہی ہے۔ مئی ۸۵ء میں سارک وزارتی اجلاس میں سری لنکا نے بطور احتجاج شمولیت نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ صورتحال اتنی سنگین تھی کہ اجلاس اس چپقلش کی بھینٹ چڑھ جاتا لیکن جنرل ضیاء الحق کی کوشش سے معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اس دوران سری لنکا کے صدر جے وردھنے نے عالمی سطح پر منعقدہ پریس کانفرنس میں بھارت پر الزام لگایا کہ وہ تامل ناڈو میں موجود ایک لاکھ تاملوں کو تخریب کاری کی تربیت اور اسلحہ دے کر سری لنکا کا امن وامان تہ وبالا کرنے پر تلا ہے جبکہ اس دور میں تامل ناڈو کے وزیر اعلیٰ ایم جی رام چندرن نے ان تخریب کاروں کو "ریفیوجی" بتایا اور بھارتی وزیر مملکت خورشید عالم خان نے کہا کہ سری لنکا تاملوں کے ہاتھ سے اپنی فوج سنبھال لے گویا الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق بھارتی حکومت کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ ان کے بھیجے گوریلوں کے خلاف اس ملک کی فوج کوئی ایکشن بھی لے۔

پاکستان، چین اور برطانیہ کے فوجی انسٹرکٹرز حکومتی معاہدات کے تحت سری لنکا کی فوج کو تربیت دیا کرتے تھے۔ اس بات کا غصہ بھی بھارت نے سری لنکا کے مسلمانوں پر نکالا اور اچانک ہی تامل باغیوں نے اپنی پالیسی میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا بھی شامل کر لیا اور مسلمانوں پر حملوں کی اطلاعات بھی آنے لگیں۔

۱۸ جون ۸۵ء کو سری لنکا کے مسلم امور کے وزیر حنیف محمد نے بیان دیا کہ پرامن اور بے گناہ مسلمانوں کو نہ صرف جافنا اور تامل اکثریت کے دیگر علاقوں میں تامل قتل کر رہے ہیں بلکہ ان کی فصل کا ۵۰ فیصد حصہ بھی زبردستی ہتھیا لیتے ہیں۔ اس دوران بھارتی حکومت کی بلیک میلنگ بھی جاری رہی اور ۸ تا ۱۵ جولائی ۸۵ء کو بھوٹان میں ایک ہفتہ تک سری لنکا اور بھارت کے درمیان سفارتی مذاکرات جاری رہے ان مذاکرات کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں برآمد ہوا کیونکہ بھارتی حکومت نے تمام اخلاقیات بالائے طاق رکھ کر ایک طرف تو مذاکرات کا ڈھونگ رچایا اور دوسری طرف سری لنکا کے صدر مسٹر جے وردھنے کی جان لینے کی ناکام کوشش کی۔ مسٹر وردھنے کو کولمبو میں قتل کرنے کی سازش پکڑی گئی انہیں ریموٹ کنٹرول بم کے ذریعے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ اس سلسلے میں جو گولہ بارود برآمد ہوا اس پر بھارت کے اسلحہ ساز کارخانوں کی مہریں لگی تھیں۔ یہ اوچھی حرکت ان لمحات میں کی گئی جب ایک طرف دونوں حکومت کے درمیان مذاکرات جاری رکھنے سے معذرت کی اور حکومت کی طرف سے مسٹر وردھنے

کے خلاف قتل کی سازش کی ذمہ داری بھارت پر عائد کی گئی لیکن حسب روایت بھارت کے سیکرٹری خارجہ رومیش بھنڈاری نے اس الزام کو بے بنیاد بتایا۔

۱۸ ستمبر ۸۵ء کو عالمی سطح پر بھارتی سازش بے نقاب ہو گئی جب ایل ٹی ٹی ای کے سربراہ پربھاکرن نے بھارتی وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی سے ملاقات کر کے بھارت سے سری لنکا کے خلاف فوجی مدد کی اپیل کی۔ اس کے ساتھ ہی جافنا میں سنہالی اور مسلمان باشندوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔

بھارتی پشت پناہی سے تاملوں نے جافنا میں سنہالی اور مسلمان باشندوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو ۱۷ مئی ۸۶ء کو سری لنکا کی افواج نے پہلی مرتبہ جافنا پر سہ طرفی حملہ کیا۔ جس پر مسٹر راجیو گاندھی اور اس وقت کے بھارتی وزیر خارجہ شیو شنکر نے واویلا مچایا۔ خصوصاً مسٹر راجیو گاندھی نے صدر جے وردھنے کو دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔

فروری ۸۷ء میں "عرب نیوز" جدہ کو انٹرویو دیتے ہوئے سری لنکا کے صدر جے وردھنے نے اقوام متحدہ کو باور کرایا کہ بھارت نے سری لنکا کی سلامتی کے لیے زبردست خطرہ پیدا کر دیا ہے اور بھارتی فوجی تامل باغیوں کے روپ میں جافنا میں گھس آئے ہیں۔ اس انٹرویو میں صدر وردھنے نے تاملوں کی بغاوت کچلنے کے زبردست عزائم کا اظہار کیا اور اپریل ۸۷ء میں سری لنکا ائرفورس نے جافنا پر زبردست بمباری شروع کر دی۔ جس کے بعد ایل ٹی ٹی ای کے سب سے مضبوط مورچے "پوائنٹ پیڈرو" پر سری لنکا کی مسلح افواج نے قبضہ کر لیا۔ مئی کے آخری ہفتے تک تاملوں کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی جب ۴ جون ۸۷ء کو بھارتی بحریہ کی ۲۰ جنگی کشتیوں نے سری لنکا کے جزیرے جافنا پر چڑھائی کر دی۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ بھارت نے الزام یہ لگایا کہ جافنا میں پاکستانی فوج تاملوں کے خلاف کارروائی میں حصہ لے رہی ہے۔ اس کارروائی پر گو کہ بھارت کو عالمی لعن طعن کا سامنا ہوا لیکن یہ بھارتی حکومت کے لیے کوئی اہم بات نہیں تھی ۲۴ جون ۸۷ء کو ساری دنیا نے بھارت کے "ایگل ۔۴" مشن کا حیرت سے نظارہ کیا جب پانچ این ۳۲ فوجی باربردار جہاز جنہیں بھارتی ایئرفورس کے ایک میراج سکواڈرن کا کور حاصل تھا۔ بنگلور کے ہوائی اڈے سے اڑے اور انہوں نے سری لنکا کے ساتھ لگنے والی ۲۲ میل سمندری پٹی پر فضائی کنٹرول حاصل کر لیا۔ جس کے بعد جافنا کے شمال میں "کوکودل" نامی جزیرے پر جہاں تامل باغی عملاً محاصرے کی حالت میں تھے ۲۲ ٹن وزنی سامان حرب وضرب گرا کر ان کی مدافعت کو دوبارہ مستحکم کر دیا۔

یہ وہ آخری کارروائی تھی جس نے سری لنکا کی کمزور حکومت کو گھٹنے ٹیکنے اور بھارتی شرائط کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا اور اچانک ہی عالمی سیاست کی عجیب وغریب صورت حال دیکھنے میں آئی کہ وہی بھارت جس کی شہ پر تاملوں نے سری لنکا کی سلامتی کو چیلنج کر رکھا تھا اس ملک کے وزیراعظم ۲۹

جولائی ۸۷ء کو سری لنکا تشریف لے گئے۔ مسٹر راجیو گاندھی کو کہ یہاں امن معاہدے پر دستخط کرنے آئے تھے لیکن کولمبو میں ان کی آمد پر زبردست مظاہرے شروع ہو گئے ان مظاہروں کی شدت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسٹر گاندھی کی سری لنکا میں موجودگی کے دوران ۳۰ مظاہرین مارے گئے ۳ سو سے زائد زخمی ہوئے یہ بھی سرکاری اعداد و شمار ہیں ان زخمی ہونے والوں میں سری لنکا کی سابقہ وزیراعظم مسز بندرانائکے بھی شامل ہیں الوداعی تقریب میں اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لیے سری لنکا کے گارڈ آف آنر دینے والے دستے کے ایک فوجی نے راجیو گاندھی پر خالی بندوق سے حملہ بھی کیا لیکن وہ بچ گئے۔

اگست ۸۷ء میں بھارتی فوج جسے بھارت نے ''امن فوج'' کا نام دیا تھا سری لنکا میں داخل ہو گئی اور اپنے ہی تربیت یافتہ بھارتی ہتھیاروں سے لیس تامل ٹائیگرز کے خلاف سرگرم عمل ہو گئی۔ بالآخر سیاسی ڈرامے کا خاتمہ بھی ہوا جب سری لنکا کے بار بار احتجاج کے ہاتھوں مجبور ہو کر بھارتی امن افواج کو لوٹنا پڑا۔

اس سیاسی ہیرا پھیری میں بھارت کے ہاتھ کیا آیا؟ اس کا مختصر جواب تو رسوائی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ بھارت سری لنکا پر قبضہ نہیں کر سکا نہ ہی سری لنکا کے سنہالی عوام کو اپنا ہمنوا بنا سکا البتہ اس نے تاملوں کی دشمنی ضرور مول لے لی ہے اور جہاں ایک طرف تامل ٹائیگرز سری لنکا کے خلاف سرگرم عمل ہیں وہیں دوسری طرف وہ تامل ناڈو میں بھی مسلسل تخریبی کارروائیاں کر رہے ہیں اور تامل ناڈو میں کوئی سرکار ان کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتی۔

بھارت کے تازہ انتخابات میں تامل ناڈو میں کو کہ کانگرس نے مسز جے للیتا نامی سابقہ فلم ایکٹریس کی سربراہی میں اپنی سرکار تامل ناڈو میں بنالی ہے لیکن اس بات کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ وہ تامل ٹائیگر کے گوریلوں کا راستہ روک سکیں گی۔

حال ہی میں ایک بھارتی ہفت روزہ میں چھپنے والی رپورٹ کے مطابق تامل ٹائیگرز کے کمانڈر پر بھارکرن کے حکم پر طے شدہ منصوبے کے مطابق مسٹر راجیو گاندھی کو قتل کیا گیا کیونکہ تامل ٹائیگرز کو اب اس بات کا ڈر تھا کہ اگر مسٹر راجیو گاندھی دوبارہ واپس آ گئے تو بھارتی فوجیں پھر ان پر حملہ آور ہوں گی کیونکہ اب بھارت اپنے ہی تربیت یافتہ تخریب کاروں کو سری لنکا سے زیادہ اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگا تھا۔ ۱۸ ستمبر ۸۵ء کو مسٹر راجیو گاندھی سے ملاقات کر کے اور سالوں ان کے زیر سایہ رہنے کے بعد پر بھارکرن نے بالآخر اپنے ''سیاسی محسن'' کو بھی مار ڈالا۔ یہ ستم ظریفی حالات ہے یا مکافات عمل؟ بات کچھ بھی رہی ہو بھارت اپنی پالیسی بدلنے پر آمادہ نہیں اور اس نے پنجاب اور مقبوضہ کشمیر میں آج بھی اپنی جابرانہ پالیسی مسلط کر رکھی ہے۔

بھارتی حکمرانوں کا چیلنج...........

کراچی کا سلگتا ہوا آتش فشاں ایک بار پھر بھڑک اٹھا ہے۔ گزشتہ کئی روز سے وہاں مسلسل خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے اور بے گناہ نہتے شہریوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا رہا ہے۔ نامعلوم افراد راکٹ برسا رہے ہیں، بسوں کو نذر آتش کیا جا رہا ہے اور ایسی خبریں بھی آئی ہیں کہ نقاب پوش نوجوانوں نے مورچہ بند ہو کر گزرتی گاڑیوں پر اندھا دھند فائرنگ کی۔ شہر میں خوف اور دہشت کے سائے لمبے ہوتے جا رہے ہیں اور لوگوں نے ڈر کے مارے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا ہے۔ دہشت گردوں نے اپنی طاقت اور بے خوفی کے مظاہرے کے طور پر جناح ہسپتال کے زیر تعمیر وارڈ کو بم مار کر اڑا دیا اور الذوالفقار ایکسپریس کے سلیپر پر بم پھینک کر آگ لگا دی۔ پولیس گاڑیوں پر راکٹ لانچروں سے حملے ہوئے اور لاشیں اٹھانے والوں پر بھی بے رحمی سے فائرنگ کی گئی۔

شہر قائد اس وقت راکٹ، میزائل اور کلاشنکوفوں کی زد میں ہے یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے نوجوانوں نے متاثرہ علاقوں میں جانے کے لیے اپنے تحفظ کی ضمانت طلب کی ہے۔ کراچی سے اٹھنے والے آگ کے شعلے اب اندرون سندھ سکھر تک پھیل گئے ہیں اور عوام اس شہر نگاراں کو بیروت بنتے دیکھ کر سخت اضطراب کی حالت میں ہیں ادھر حکومت کے تجاہل عارفانہ کا یہ عالم ہے کہ صدر فاروق لغاری نے بڑے اطمینان بھرے انداز میں یہ انکشاف کیا ہے کہ ملک میں نہ تو کوئی بے چینی ہے اور نہ ہی سیاسی عدم استحکام انہوں نے فرمایا کہ کراچی کے حالات کو بہتر بنایا جا رہا ہے۔

یہ زیادہ پرانی بات نہیں جب بھارتی ذمہ دار حلقوں کی طرف سے کشمیر یا کراچی کا نعرہ بلند ہوا تھا اور مقبوضہ کشمیر میں جدوجہد آزادی کے زور پکڑتے ہی بھارتی قیادت کی طرف سے یہ بات کہی جانے لگی تھی کہ وہ پاکستان کو اسی پوزیشن میں لے آئیں گے جہاں اسے خدانخواستہ کراچی یا کشمیر میں سے

ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے حوالے سے ملنے والی خبروں کا اگر بنظر غور جائزہ لیا جائے تو یہ بات اب کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی کہ کراچی کے حالات اتنے خطرناک ہو چکے ہیں کہ بھارت حکمران اپنی زبان سے کہہ چکے یا نہ کہیں صورتحال ایسی ہو گئی ہے جس میں پاکستان کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کی اخلاقی حمایت سے ہاتھ اٹھا لے۔ بین الاقوامی فورموں پر کشمیریوں کی حمایت بند کر دے اور اس مسئلہ کو جسے ہزاروں کشمیریوں نے اپنے خون کی لالی سے زندہ کیا ہے پھر سے سرد خانے میں ڈال کر گہری نیند سلا دے تاکہ گذشتہ ۴۰ سال کی طویل غلامی کے بعد اب جب مقہور و مجبور کشمیریوں نے آزادی یا موت کا نعرہ مستانہ بلند کیا ہے تو انہیں ایسا خاموش کروایا جائے کہ وہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔

حال ہی میں ایک تقریب میں وزیراعظم صاحب کے میڈیا ایڈوائزر جناب حسین حقانی نے بھی اس خدشے کا اظہار برملا فرمایا ہے کہ بھارت نے دو "ک" کے درمیان مسئلہ رکھ دیا ہے اور پاکستان کو سیدھا میسج دیا ہے کہ وہ یا تو کشمیر سے ہاتھ اٹھا لے یا پھر کراچی سے ہاتھ دھونے کے لئے تیار ہو جائے۔ بین الاقوامی سطح پر ہماری خارجہ پالیسی کا یہ حال ہے کہ وہ امریکہ جس کی حمایت میں ہم مرے جاتے ہیں وہ جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہم نے اپنی عزت نفس کو داؤ پر لگا دیا ہے اسی نے ہمیں ہمارے خرید کردہ ایف سولہ طیارے دینے سے انکار کر دیا ہے اور ڈیفنس کے معاملات میں بھی ہمارے بجائے بھارت کے ساتھ پینگیں بڑھا رہا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق امریکہ نے بھارت میں بحری اڈے بنانے کے لیے مذاکرات شروع کر دیئے ہیں۔ اس ضمن میں بمبئی کوچین اور گوا کی بندرگاہوں کو امریکہ اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے۔ امریکی ایڈمرل رونالڈز لاج پر نے بھارتی بحریہ کے سربراہ ایڈمرل وی ایس شیکھاوت سے بحری تعاون کے لیے مذاکرات شروع کر دیئے ہیں جبکہ "مالابار" کے نام سے امریکہ اور بھارتی کمانڈوز نے مشترکہ مشقیں بھی شروع کر دی ہیں جو اپنی نوعیت کی اہم ترین جنگی مشقیں ہوں گی۔ پاکستانی عوام کی بہت کم تعداد کو اس بات کا علم ہو گا کہ بھارت اور امریکہ کے دفاعی تعلقات کوئی نئی بات نہیں۔

۱۹۵۱ء میں بھارت اور امریکہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے بھارت کے فوجی دستوں کو امریکہ میں تربیت دینا طے پایا۔ اس معاہدے کی رو سے بھارت نے اسلحہ اور فوجی ساز و سامان امریکہ سے خریدا، اگرچہ یہ خریداری محدود پیمانے پر ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں چین کے ہاتھوں شکست کھا جانے کے بعد امریکہ نے بھارت کو بڑے پیمانے پر اسلحہ بھیجا، جس میں بھاری اسلحہ بھی شامل تھا۔ لیکن یہ معاملہ کسی رسمی معاہدے کی رو سے نہیں ہوا۔

دراصل ۱۹۸۵ء میں ہی امریکہ اور بھارت کے درمیان دفاعی معاملات کے بارے میں بعض نئی راہیں تلاش کی گئیں۔ ریگن انتظامیہ کے دوران ایک بھارتی نژاد امریکی سید احمد میر کو نئی دہلی سفارتخانے میں صرف اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ دونوں ممالک کے درمیان سائنسی اور تکنیکی ہم کاری کو فروغ دینے کی کوشش کرے۔ ۱۹۸۷ء میں ۱۳ ہزار سے زائد بھارتی امریکہ کی یونیورسٹیوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے جبکہ پاکستانی طلبہ کو ان شعبوں میں داخلہ دینے سے انکار کیا گیا۔ دفاع کے سیکرٹری واین برگر نے ۱۹۸۷ء میں کانگریس کو بتایا کہ پینٹاگان نے اعلیٰ تکنیکی ساز و سامان کے حصول کے بارے میں بھارت کی تین ہزار درخواستوں پر نظرثانی کی ہے جن میں سے ۹۲ فیصد منظور کی گئی ہیں۔ کانگریس کو کہا گیا کہ یو ایس نے ۱.۲ بلین ڈالر کا اعلیٰ تکنیکی ساز و سامان بھارت کو فروخت کیا۔ ۱۹۷۵ء میں یو ایس نے بھارت کو اقتصادی تعاون بحال کرتے ہوئے ۵ بلین ڈالر ادا کئے۔ ۱۹۷۶ء میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے نیوکلیئر ریگولیٹری کمیشن سے کہا کہ وہ تارا پور اٹامک ری ایکٹر کے لیے دوسرا یورینیم شپمنٹ منظور کرے، لیکن اس سب کے باوجود ۱۲ جنوری جمعرات کو نئی دہلی میں امریکہ کے وزیر دفاع ولیم پیری کے دورے کے دوران بھارت اور امریکہ کے درمیان جو دفاعی معاہدہ ہوا وہ ان دو ممالک کے درمیان اپنی نوعیت کا پہلا معاہدہ ہے معاہدے کی بنیاد اصل میں اس وقت پڑی تھی، جب بھارت کے وزیراعظم پی وی نرسمہا راؤ نے مئی ۱۹۹۴ء میں امریکہ کا دورہ کیا اور وہاں صدر کلنٹن اور دیگر حکام کے علاوہ وزیر دفاع ولیم پیری سے بھی ملاقات کی۔ بھارت اور امریکہ کے درمیان سات نکاتی دفاعی معاہدہ جن معاملات پر محیط ہے۔ وہ تقریباً وہی ہیں جن کا امریکہ اور پاکستان کا مشاورتی گروپ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ لیکن ایک نکتے میں فرق ضرور ہے اور وہ یہ کہ زیر بحث معاہدہ کی دفعہ ۶ کی رو سے امریکہ اسلحہ کی پیداوار اور تحقیق میں بھارت سے تعاون کرے گا اور ایک جوائنٹ ٹیکنیکل گروپ دونوں ممالک کے درمیان کواپریٹو دفاعی تحقیق اور پیداوار کی مزید کارروائیوں کی وسعت اور گنجائش پر کام کرے گا جبکہ پاکستان کا ایسا کوئی معاہدہ امریکہ کے ساتھ نہیں ہے اور پریسلر ترمیم کی رو سے اسلحہ کی فروخت اور دونوں ممالک کے درمیان اسلحے کی مشترکہ پیداوار پر پابندی ہے بھارت اور امریکہ کے درمیان پہلے سے بھارت کے لائٹ کمبیٹ ائر کرافٹ کو ترقی دینے کے بارے میں کافی حد تک تعاون و اشتراک ہو رہا ہے اور جوائنٹ ٹیکنیکل گروپ امریکہ کی دفاعی ٹیکنالوجی کے بھارت پہنچنے کا راستہ ہموار کرے گا اور اس طرح بھارت کا سوویت سسٹم پر مبنی اسلحہ کا نظام بڑی حد تک ترقی کرے گا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ امریکہ سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے بقول پرتھوی اور اگنی میزائلوں کے خالق ڈاکٹر عبدالکلام ورجینیا میں والپس جزائر کے راکٹ سنٹر میں ہی تربیت پا چکا ہے۔

دفاعی معاہدوں کا ایک نکتہ یہ بھی کہ دونوں ممالک کے درمیان فوری طور پر صلاح و مشورہ شروع کیا جائے گا تاکہ مخصوص معلومات کے تحفظ کے لیے ایک دو طرفہ معاہدہ پر اتفاق رائے پیدا کیا جا سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بھارت اور امریکہ کے درمیان رسمی طور پر انٹیلی جنس کے تعلقات قائم ہو جائیں گے۔ اگرچہ اس سلسلے میں غیر رسمی طور پر پہلے ہی دونوں کے درمیان شراکت موجود ہے۔ اب باضابطہ دونوں جانبوں کے انٹیلی جنس آفیسرز ایک دوسرے کے ممالک کا دورہ کریں گے۔ ان حالات میں امریکہ سے پاکستان کی امیدیں کیا رنگ لائیں گی یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی جہاں تک امریکہ کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ وہ پاکستان اور بھارت سے یکساں اور برابری کی سطح پر تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے تو اس منافقانہ سلوک کا بھانڈا ابھی بیچ چوراہے میں پھوٹ چکا ہے۔ امریکہ نے بھارت سے باقاعدہ دفاعی معاہدہ کیا ہے جس میں بھارت کا اسلحہ کی تیاری میں مدد دینے کا وعدہ بھی شامل ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ امریکہ نے بھارت کو آج تک اپنا ایٹمی پروگرام کیپ کرنے کا پابند بھی کسی معاہدے میں نہیں کیا۔ اس کا بھارت کے ساتھ ایک ارب ۳۰ کروڑ ڈالر کا تجارتی معاہدہ موجود ہے جبکہ ہمارے سر پر ابھی تک پریسلر ترمیم کی تلوار لٹک رہی ہے۔

جون ۱۹۹۵ء میں بھارت کی طرف سے ۲ ارب ڈالر کی امریکن ۱۵۵۔ ایم رائفلیں خریدنے کا عندیہ بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ بھارت کی دشمنی کا یہ عالم ہے کہ حال ہی میں بھارتی صدر شنکر دیال شرما نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ آزاد کشمیر سے اپنا قبضہ ختم کر دے کیونکہ آزاد کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور دعویٰ کیا ہے وہ یہ قبضہ ختم کروا کر ہی دم لیں گے جبکہ خود بھارت کے مقبوضہ کشمیر کا یہ حال ہے کہ چرار شریف کی بھارتی فوج کے ہاتھوں تباہی، ہزاروں کشمیری مسلمانوں کی شہادت کے بعد بھی نرسمہا راؤ مقبوضہ کشمیر میں الیکشن کروانے پر بضد تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب بھارتی الیکشن کمشنر مسٹر ٹی این سیشن جب مقبوضہ کشمیر میں الیکشن کی تیاریوں کی صورتحال کا جائزہ لینے گئے تو ان کا ایسا "شاندار" استقبال ہوا کہ انہوں نے سرینگر میں "ناسازگار حالات" کی بناء پر الیکشن ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا اور مقبوضہ کشمیر میں صدر راج ہی جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

ایک طرف مقبوضہ کشمیر کے مجاہدین ہیں جو اپنے جان و مال، عزت و آبرو کی قربانیوں دے کر اپنی آزادی کی جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں جنہوں نے بھارتی سامراج کو ساری دنیا کے سامنے ننگا کر دیا ہے اور دوسری طرف ہم ہیں جو اپنی ناعاقبت اندیش سیاست میں ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب پہلے کابل کا کیس ہارے تھے اب کراچی کو بیروت بنائے ہوئے ہیں۔ خدا نہ کرے کہیں ہم کشمیری مجاہدین کی ہزاروں جانوں کی قربانی دے کر جیتی ہوئی اس جنگ کو اپنے گھر کی [illegible] کی بھینٹ چڑھا دیں۔

دنیا میں موجود ہر تنظیم یا سوسائٹی کسی نہ کسی مقصد یا "کاز" کے گرد ہی اپنا کام شروع کرتی ہے۔ اور اپنا مقصد تشکیل تحریک پیدا کئے بغیر حاصل نہیں کر سکتی۔ اگر اس تحریک میں ذاتی پسند یا گروہی سیاست کا عنصر شامل ہو جائے تو مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے بارش کا ایک قطرہ سانپ کے منہ میں چلا جائے تو زہر اور اگر سیپ کے منہ میں چلا جائے تو موتی بن جاتا ہے۔ اس مسلمہ امر سے کوئی انسانی ذہن انکار نہیں کر سکتا کہ اگر لیڈر شپ ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ دے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کے عزائم کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ آج عالمی امن کا گراف مسلسل نیچے جا رہا ہے۔ تیسری دنیا کے معاشی حالات دگرگوں ہیں۔ اسلامی ممالک استعمار کی زد میں ہیں۔ یہ اتفاقی عالمی سپر پاورز کی ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ آج ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے تمام اسلامی ممالک ٹھیکے پر دیئے جا رہے ہوں۔

خدا وہ دن نہ لائے جب ہمارے عوام بھارتی حکومت کے اس زہریلے پروپیگنڈے کا اثر قبول کریں کہ اگر انہیں کراچی میں امن چاہیے تو وہ کشمیر سے دست بردار ہو جائیں۔ اس مرحلے پر ہماری سیاسی قیادت کو انتہائی تحمل، بردباری اور سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ ممکن ہے آج ہم اس تلخ حقیقت کا ادراک نہ کریں لیکن جلد ہی ساری قوم کو اس بات کی سمجھ آ جائے گی کہ جب تک پاکستان میں اندرونی سطح پر امن قائم نہیں ہوگا، ہم کشمیر کے مسئلہ پر کچھ نہیں کر پائیں گے اور نہ صرف یہ کہ ہمارا کیس بین الاقوامی سطح پر کمزور ہوگا بلکہ کشمیری مجاہدین کا مورال بھی گرتا چلا جائے گا۔

بھارتی حکومت کا انوکھا مطالبہ

بھارتی حکومت نے بالآخر اپنے پرانے دوست اور "را" کے تربیت یافتہ بین الاقوامی شہرت کے حامل ایل ٹی ٹی ای کے سربراہ پربھاکرن اور ان کے دو ساتھیوں کو سری لنکا حکومت سے ان کے حوالے کرنے کی "درخواست" کر دی ہے۔ یو این آئی کی ایک خبر کے مطابق بھارت نے سری لنکا سے ایل ٹی ٹی ای کے سربراہ پربھاکرن اور ان کے دو ساتھیوں پوٹو امن اور اکیلا کو بھارت کے حوالے کرنے کے لیے کہا ہے۔ کیونکہ یہ تینوں افراد بھارتی وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی قتل کیس کے اصل ملزم ہیں۔ شنید ہے کہ وزیر مملکت پی چدمبرم نے بھارتی راجیہ سبھا کو بتایا کہ تین الگ الگ درخواستوں کے ساتھ ایک وفد اس سلسلے میں سری لنکا روانہ ہو چکا ہے۔

مسٹر چدمبرم نے بتایا کہ مقدمہ نمبر سی سی ۲۹-۱۲ اور سی سی ۹۲-۱۱ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد بھارتی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے اور سی بی آئی کی ایک ٹیم کو اس ضمن میں پربھاکرن اور ان کے ساتھیوں کے وارنٹ گرفتاری بھی جاری کر دیے گئے ہیں۔

تامل ناڈو حکومت کی درخواست پر جہاں مسٹر راجیو گاندھی اپنی انتخابی مہم کے دوران تامل ٹائیگرز کی ایک رضاکار کے ہاتھوں موت کی نیند سو گئے تھے اور یہ رضاکار جس نے رضاکارانہ خودکشی مہم میں حصہ لیا تو خود بھی ماری گئی تھی۔ مرکزی حکومت نے سی بی آئی کو اس قتل کی تحقیقات پر لگایا تھا۔ ۲۴ مئی ۱۹۹۱ء کو ان تحقیقات کا آغاز ہوا اور ۲۰ مئی ۹۲ء تک سی بی آئی نے ۴۰ ملزمان کو نامزد کیا۔ ۱۲ ملزمان دوران تفتیش ہی مارے گئے باقی پر ۱۲۵ الزامات عائد کرنے کے بعد ان کے خلاف مقدمہ چلایا گیا اور اب تک اس مقدمے میں ۲۲۳ گواہوں پر جرح مکمل ہو چکی ہے۔

اپریل ۱۹۹۱ء میں راجیو گاندھی کے قتل کے بعد سے آج تک بھارتی حکومت نے اس کیس کے [illegible] بدلے ہیں اس سلسلے میں سب سے زیادہ مشکل یہ پیش آ رہی ہے کہ

جن ملزمان کو آج بھارتی حکومت طلب کر رہی ہے وہ کوئی اور نہیں "را" کے اپنے تربیت یافتہ ملزم ہیں۔ آج سری لنکا کے خلاف سرگرم عمل کوئی بھی ایسا تامل گوریلا نہیں جسے "چکراتا" کے ٹریننگ کیمپ میں تربیت نہ دی گئی ہو اور جس کو اعلیٰ بھارتی حکومت نے [illegible] یہ الگ بات کہ اب وہی گوریلے بھارتیوں کی جان کو آنے لگے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "را" کے اپنے تربیت یافتہ تامل گوریلے جنہیں [illegible] تحت تربیت دے کر سری لنکا جیسے چھوٹے اور کمزور ملک میں تخریب کاری کے لیے [illegible] بھارت ان کے خلاف کیوں ہو گیا ہے۔

اس سوال کا جواب کوئی مشکل یا انہونا نہیں بلکہ سیدھی سی بات ہے کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" نے اپنی چانکیائی سیاست کے عین مطابق پہلے سری لنکا کا امن و امان تہ و بالا کرنے کے لیے اپنے تامل گوریلوں کو تیار کیا تاکہ ان کے ذریعے سری لنکا پر اپنا دباؤ بڑھا کر پہلے اپنے حق میں نتائج حاصل کرے جس کے بعد پھر اپنے ہی تیار کردہ گوریلوں کو اپنی عزت نفس اور تمام اصول و ضوابط داؤ پر لگا کر سری لنکا حکومت سے صلح پر مجبور کیا۔ جب تامل گوریلوں نے اس چانکیائی طرز سیاست کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا تو ان کے خلاف بھارتی فوج کو لڑائی کے میدان میں جھونک دیا گیا۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی بھارتی فوج ان تامل گوریلوں کی مدد کے لئے سری لنکا کے جزائر جافنا میں داخل ہوئی تھی۔ جس پر سری لنکا نے بہت چیخ پکار کی لیکن ان بے چاروں کی کون سنتا تھا۔ اس دوران بھارتی حکومت کے منافقانہ طرز عمل کے خلاف تامل سراپا احتجاج ہوئے تو تامل ناڈو میں ان کے "شرنارتھی کیمپوں" سے جو بھارتی انٹیلی جنسی ایجنسیوں نے ہی قائم کئے تھے۔ سینکڑوں تاملوں کو گرفتار کر کے نامعلوم مقامات پر منتقل کر دیا گیا پھر ان بے چاروں کا کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔

دراصل یہ وہی تامل گوریلے تھے۔ جنہیں "را" نے خود تربیت دی تھی اور اب اپنے ہی تربیت یافتہ گوریلوں کو اپنے ہی ہاتھوں موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اس طرح "را" نے جہاں [illegible] اپنے لیے میدان ہموار کر لیا تھا اور خود کو مستقبل کے خدشات سے محفوظ کر لیا تھا وہاں اس نے ایک تیر سے دو شکار بھی کئے تھے۔ اپنی خفیہ سرگرمیوں کو بھی دنیا کی نظروں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی تھی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہو سکا اور آج ساری دنیا کو اس حقیقت کا علم ہو چکا ہے کہ سری لنکا کے ہزاروں بے گناہ شہریوں اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں جن میں سابقہ صدر بھی شامل ہیں کو انہیں تامل گوریلوں نے موت کے گھاٹ اتارا جو "را" کے تربیت یافتہ تھے۔

ایل ٹی ٹی کے سربراہ پربھاکرن کے لیے بھارت حکومت خصوصاً مسٹر راجیو گاندھی کا رویہ سرپرستی کے مترادف تھا۔ ان کے سیکڑوں جاں نثار ساتھی بھارتی حکومت نے مروا لیے تھے اور اب تاملوں میں حکومت کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ بالآخر مسٹر راجیو گاندھی کو اس آگ کا ایندھن بننا پڑا۔ ان کی موت افسوسناک تھی لیکن مکافات عمل بھی تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ کی موت سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا اور ''را'' کے ہاتھوں میں کھلونا بنے رہے۔ یوں لگتا ہے کہ بھارت میں ''را'' کو تمام حکومتی اداروں پر ہر طرح کی برتری حاصل ہے اور اس کے فیصلوں کو ہی اولیت اور اہمیت بھی دی جاتی ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ اسی ''را'' نے جس کی سفارش پر آج بھارتی حکومت پربھاکرن کو طلب کر رہی ہے۔ گزشتہ سال بھارتی وزیراعظم نرسیما راؤ کے دورہ انگلستان کو کامیاب بنانے اور انہیں تاملوں کے غیظ و غضب سے محفوظ کرنے کے لیے ان کے ساتھ ایک ''خفیہ ڈیل'' کی تھی جس کے عوض انہیں ایک خطیر رقم بطور رشوت پیش کرنے کے بعد ان سے ضمانت لی گئی تھی کہ وہ دورہ انگلستان کے دوران مسٹر نرسیما راؤ پر حملہ نہیں کریں گے۔

یوں دکھائی دیتا ہے جیسے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی حکومت کی جارحیت بے نقاب ہونے اور اپنا کیس مقبوضہ کشمیر میں مکمل ہارنے کے بعد جب بھارتی ایوانوں میں انٹیلی جنس ایجنسیوں کا کردار زیر بحث آنے لگا ہے اور پریس میں بھی سیکورٹی فورسز پر لعن طعن ہونے لگی ہے تو حکومت نے پریس اور عوام کی توجہ کا رخ دوسری طرف موڑنے کے لیے ایک نیا ایشو کھڑا کر دیا ہے۔ جس کا آغاز یکم جون کو راجیہ سبھا میں ہوا جب اپوزیشن ارکان نے بھارت کے چھ سینئر اراکین پر راجیو گاندھی کے قتل کی ذمہ داری ڈالی اور ان کے خلاف ایکشن کا مطالبہ بھی داغ دیا۔ تفصیلات کے مطابق بھارتی راجیہ سبھا میں اس وقت محاذ آرائی کی صورتحال پیدا ہو گئی جب اپوزیشن ارکان نے حکومت پر چھ سینئر عہدے داروں کو راجیو گاندھی قتل کیس میں چارج شیٹ کرنے کو منصفانہ کارروائی قرار دیا۔ اپوزیشن کا کہنا تھا کہ سابق سیکرٹری زد ویاترے، سابق ڈائریکٹر آئی بی آر پی جوشی، سابق ہوم سیکرٹری مسٹر شرومنی شرما اور سابق ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس ... اور دیگر دو عہدے داروں کو استغاثہ نوٹس کے اجراء پر تنقید کرتے ہوئے انہیں قربانی کا بکرا بنائے جانے کا الزام عائد کیا۔ اپوزیشن ارکان ایس جے پاک ریڈی (جنتا دل) ایم اے بے بی (سی پی آئی ایم) ڈگ وجے سنگھ (جنتا دل ایس) اور مسٹر ٹی این چترویدی (بی جے پی) نے کہا کہ یہ کارروائی تین سال کی قانونی مدت کے اختتام کے بعد کی جا رہی ہے اور اس سے سرکاری عہدے داروں کے حوصلے پست ہوں گے۔

مسٹر ریڈی نے یاد دلایا کہ حکومت نے ورما کمیشن کی سفارشات میں اپنی کارروائی رپورٹ

میں کہا تھا کہ راجیو گاندھی کو مناسب سیکورٹی فراہم کی گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ جس حکومت نے ۱۹۹۲ء میں سیکورٹی کو مناسب قرار دیا تھا اب قابل بازپرس ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کارروائی رپورٹ پر وہ تحفظات رکھتے تھے اور اسی وقت اپنے احساسات کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ مسٹر ایم اے بے بی (سی پی آئی ایم) نے کہا کہ اگر سیاسی قیادت کا کوئی فیصلہ غلط ثابت ہوتا ہے تو اس کے لیے سابق عہدے داروں کو قربانی کا بکرا بنانا غلط ہو گا۔ مسٹر ڈگ وجے سنگھ (ایس جے پی) نے الزام عائد کیا کہ برسراقتدار جماعت نے عہدے داروں کے خلاف سابق وزیر برائے فروغ انسانی وسائل مسٹر ارجن سنگھ کے دباؤ کے باعث کارروائی کرنے کے فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حکومت پر قتل کیس میں تساہل کا الزام عائد کیا ہے۔ مسٹر سنگھ نے جو قتل کے وقت چندر شیکھر حکومت میں شامل تھے، کہا چونکہ راجیو گاندھی کے لیے ایس پی جی تحفظ کی برخاستگی سیاسی فیصلہ تھا، اس لیے حکومت کو سابق وزرائے اعظم وی پی سنگھ اور چندر شیکھر کے خلاف کارروائی کرنی چاہئے۔ اس بحث مباحثہ کے بعد بھارتی حکومت نے سری لنکا سے پربھاکرن کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔

اس مطالبے کا جو پس منظر دکھائی دیتا ہے وہ یہ ہے کہ راجیو گاندھی کے قتل کے سلسلے میں پربھاکرن کی طلبی تو صرف ''آئی واش'' ہے دراصل بھارتی حکومت بڑی باریک بینی سے سری لنکا کی وزیراعظم چندرا کمارا کی طرف سے تامل ٹائیگر کے ساتھ مصالحتی کوششوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ ان کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ''را'' نے تاملوں میں اپنے گروپوں سے خطرناک کارروائیاں بھی کروائی تھیں۔ چندرا کمارا کے کان پر جوں نہیں رینگی اور وہ ہر قیمت پر سری لنکا میں امن و امان قائم کرنے کے عزم پر قائم ہیں۔

مذاکرات کی غیر مشروط پیش کش

اپنی سیاسی بداعمالیوں کی وجہ سے بدقسمتی سے آج ہم بھارتی حکومت کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا "سافٹ ٹارگٹ" بن چکے ہیں۔ ہمارے قائدین کی ہوس اقتدار نے قومی معاملات کو پس پشت ڈال کر دشمن کو کھل کھیلنے کا موقعہ دے دیا ہے اور ملک کی تباہ حال معیشت اور معاشرت کو سنبھالا دینے کے بجائے ہمارے بیشتر ارباب سیاست ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں مشغول ہیں۔ جس کا نتیجہ ہم کراچی میں بھگت رہے ہیں۔ ایک عرصے سے یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں کشمیر کی جنگ کراچی میں لڑ رہی ہیں اور یہ پاکستان کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا۔ جب دشمن کی طرف سے کشمیر یا کراچی کا نعرہ بلند ہوا لیکن پاکستانی عوام کی بدقسمتی کے سوا اسے کیا نام دیا جا سکتا ہے کہ اس پیغام کو بھی ہمارے لیڈر اور قائدین مملکت نے درخور اعتنا ہی نہیں جانا۔ خدا جانے اپنی کون سی ایجنسیاں روزانہ "سب اچھا" کی رپورٹ دے کر مطمئن کر دیتی ہیں اور ملکی سالمیت کے اس رستے ہوئے ناسور سے انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اگر کچھ ہو بھی رہا ہے تو وہ ڈنڈے کے زور پر حالات سدھارنے کی حکمت عملی ہے جس کا نتیجہ صرف تباہی ہے اور کچھ نہیں۔ چرار شریف کی شہادت نے جس طرح مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کے دلوں میں بھڑکتی آزادی کی چنگاری کو الاؤ کا روپ دے دیا تھا اور مقبوضہ کشمیر میں چپے چپے پر موجود مسلمانوں نے سراپا احتجاج ہو کر بھارتی فوج کی گولیوں اور سنگینوں کے سامنے اپنے سینے ننگے کر کے ان سے قسم کھائی اور اپنے عزم پر کاربند رہنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا اس کے بعد اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ حکومت اور عوام دونوں سطح پر اس مسئلے کو بین الاقوامی فورموں پر اٹھایا جاتا۔

مہذب دنیا کو بھارتی بربریت سے آگاہ کیا جاتا اور کشمیری مجاہدین کو کسی لمحے پر یہ احساس نہ ہونے پاتا کہ وہ آزادی کی اس جنگ میں اکیلے ہیں اور پاکستان کی طرف سے صرف زبانی جمع خرچ ہی نہیں ہو رہا ہے۔ کم از کم اخلاقی سطح پر اور اگر ممکن ہو تو مادی سطح پر بھی ہمیں ان کا بھرپور ساتھ دینا چاہیے تھا

لیکن افسوس ہمارے دشمن نے اس محاذ پر ایک مرتبہ پھر ہمیں مات دے دی ہے۔

جس طرح بھارتی حکومت نے ستمبر ۶۵ء کی جنگ سے سبق سیکھ کر اپنے لیے خود کو تیار کیا تھا اور ہم دشمن کو کمزور سمجھ کر غفلت کی نیند سو گئے تھے۔ بعینہٖ بھارتی حکومت نے چرار شریف میں مجاہدین اور عالمی رائے عامہ کے ہاتھوں زک اٹھانے کے بعد نئے سرے سے تیاریاں شروع کیں اور پاکستانی ایجنسیوں کو کراچی میں اس بری طرح الجھایا کہ سارے ملک میں کراچی کراچی کا نعرہ ہونے لگا اور بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے پاکستانی قوم اور پریس کو اس بری طرح کراچی میں الجھایا کہ مسئلہ کشمیر ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا بدقسمتی سے اس دوران بھارتی پراپیگنڈہ نے کشمیر میں بہت کام کیا اور انہیں "تنہائی" کا احساس دلانے میں بھی کسی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

تازہ اطلاعات کے مطابق بھارتی وزیر بھونیش چترویدی نے ایک بیان میں کشمیری مجاہدین کی تمام جماعتوں کو غیر مشروط گفتگو کی دعوت دی ہے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے بھارتی حکومت کا یہ اصرار تھا کہ کشمیری مجاہدین پہلے ہتھیار رکھیں جس کے بعد ہی ان سے بات چیت کی جائے گی۔ یہ بیان چترویدی نے اپنے دورہ مقبوضہ کشمیر کے دوران دے کر ایک مرتبہ تو ساری دنیا کی پریس کو چونکا کر رکھ دیا ہے۔

اپنے چار روزہ مقبوضہ کشمیر کے دورے کے اختتام پر جس میں چترویدی کے ساتھ مرکزی افسران کی ایک خصوصی ٹیم بھی شامل تھی بھارتی وزیر نے کسی سیاسی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر یہ اہم بیان دے کر بظاہر اس جمود کو توڑنے کی کوشش کی ہے جو بھارتی حکومت پر اس سلسلے میں ایک عرصے سے طاری تھا۔ حالانکہ اگر کانگریس حکومت کی طرف ایسی کسی کوشش کا عملی ثبوت ملتا تو اسے بی جے پی کی بھی زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا۔ جو مقبوضہ کشمیر کو اندرونی اٹانومی دینے کی بھی مخالفت کر رہی ہے۔ چترویدی نے اس موقعہ پر ۱۵ بلین روپوں کے ترقیاتی پروگرام کا بھی اعلان کیا ہے۔ اتنی بڑی رقم کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

دوسری طرف لیفٹیننٹ جنرل ڈی شکلانی نے جو "ہوم آلیٹر" کا انچارج ہے مقبوضہ کشمیر میں بھارتی سیکورٹی فورسز کی مزید ۵۰ کمپنیاں طلب کر کے انہیں حساس مقامات پر تعینات کر دیا ہے۔ تاکہ مجاہدین کی سرحد پار آمد و رفت کو روک سکے۔ بھارتی حکومت کی طرف سے اگلے تین ماہ میں مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کا پروگرام طے پا چکا ہے اور اس پر بڑی تیزی سے عمل درآمد بھی ہو رہا ہے۔ اس مرتبہ بھارتی حکومت اس بات پر تلی ہوئی ہے کہ وہ جس طرح بھی ممکن ہو مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کا ڈرامہ رچا دے کیونکہ انہیں ماضی میں مشرقی پنجاب میں ایسا تلخ تجربہ ہو چکا ہے جب پہلی مرتبہ الیکشن کا ٹرن آؤٹ گیارہ فیصد اور دوسری مرتبہ ۵۷ فیصد تھا۔ بھارتی حکومت کے سیاسی پنڈت مشرقی پنجاب کی تاریخ

مقبوضہ کشمیر میں دہرانا چاہتے ہیں اور انہیں یہاں بھی غدار میسر آ گئے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہمیشہ غداری قوموں کی قربانیوں پر پانی پھیرا کرتے ہیں۔ اس مرحلے پر بھارت کی ریشہ دوانیوں سے خبردار رہنا ناگزیر ہو چکا ہے۔ ماضی میں بھارت نے تمام بین الاقوامی قوانین کو پس پشت ڈال کر پاکستان کے خلاف بھی جارحیت سے اجتناب نہیں کیا۔ ۱۹۸۶ء کے بعد بھارتی بحریہ کے جہاز کئی مرتبہ بغیر اجازت پاکستان کے سمندر میں داخل ہوتے رہے۔ یہ انکشاف ایک انٹیلی جنس ادارے نے حال ہی میں حکومت کو پیش کی گئی ایک رپورٹ میں کیا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بھارت نے ۲۰۱۰ء تک اپنی موجودہ ۳۶ ڈویژن فوج کو ۴۰ ڈویژن تک لے جانے کا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔

بھارت دنیا کی چوتھی بڑی فوجی قوت ہے۔ بھارت کے پاس ۱۰۰ مگ ۲۹ طیارے ہیں۔ بھارت اپنے وسائل سے مزید ایک سو ایسے طیارے بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بھارتی فضائیہ کے پاس ۱۰۰۰ لڑاکا طیارے ہیں۔ پرتھوی میزائل کی تنصیب سے اس کی ایٹمی طاقت بننے کے عزائم کا پتہ چلتا ہے۔ ابتدائی سیٹلائٹ لانچ وہیکل کی کامیابی کے بعد بھارت اب ۶ ہزار کلومیٹر رینج سیٹلائٹ لانچ وہیکل تیار کر رہا ہے جو ایٹمی ہتھیار بھی لے جا سکتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق بھارت اپنے مفادات کا تحفظ فوجی طاقت کے ذریعے کرنا چاہتا ہے اور وہ اپنی قوت جنوبی ایشیا سے آگے آسٹریلیا، مشرق وسطیٰ اور افریقہ تک پھیلانا چاہتا ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۹۶-۱۹۹۵ء کے لیے اس نے اپنے دفاعی بجٹ میں گزشتہ سال کے مقابلے میں ۱۱ فیصد اضافہ کر دیا ہے۔ اگلے مالی سال کے بجٹ میں بھارت اپنی بری فوج پر ۱۲۰،۴۳۲ کروڑ روپے، فضائیہ پر ۴،۱۳۵ کروڑ روپے اور بحریہ ۱۰،۵۳۴ کروڑ روپے صرف کرے گا۔ رپورٹ کے مطابق بھارتی بحریہ کے پاس اس وقت ۱۴ آبدوزیں ہیں جن میں ۴ فیصد کا اضافہ متوقع ہے۔ اس کے پاس ۵ تباہ کن جہاز ہیں، ۱۹ فریگیٹس، بھارتی بحریہ کے پاس کئی منی [illegible] خشکی اور سمندر میں لڑنے والی قوت اور ۲۰۷ میزائل ہیں۔ حال ہی میں بھارتی بحریہ نے امریکی بحریہ کے ساتھ مل کر مشقیں کی ہیں۔ ان حالات میں بھی اگر ہم ہوش میں نہیں آئے تو پھر کب ہوش آئے گا۔

مقبوضہ کشمیر میں ۶ جولائی کو چار غیر ملکی ٹورسٹوں کا ایک غیر مانوس اور گمنام قسم کی مجاہد تنظیم کے ذریعے "اغوا" کا پاکستان کے خلاف بڑا بھرپور حملہ ہے۔ اس مرحلے پر بھارتی حکومت ساری دنیا کو یہ بتانے جا رہی ہے کہ اس کے الیکشن کے پرامن پروگرام کو پاکستان نے سبوتاژ کرنے کے لیے یہ حرکت کی ہے تا کہ کشمیریوں کی قربانیوں نے عالمی رائے عامہ میں ان کے لیے جو ہمدردانہ جذبات پیدا کیے ہیں ان کا "کریا کرم" کر سکے۔ اس صورت حال میں بھی اگر ہمارے ارباب حل و عقد نے سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کیا تو پھر ہمارا خدا ہی حافظ ہو گا۔

پاکستان کے خلاف نیا محاذ

اسے ملت اسلامیہ کی بدقسمتی ہی کہا جائے گا کہ افغان جہاد میں بہنے والا لاکھوں مجاہدین کا خون بظاہر رائیگاں جاتا دکھائی دے رہا ہے اور پاکستانیوں نے جس طرح اپنے افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ اس جہاد میں قربانیوں کی ناقابل فراموش مثالیں قائم کی تھیں افسوس پاکستانی قوم کو ان ثمرات سے بہرہ ور ہونے نہیں دیا جا رہا۔ جس کی امید کی جا رہی تھی اور بظاہر وہ خواب پایہ تکمیل تک پہنچتا دکھائی نہیں دے رہا جو افغانستان کی آزادی کے بعد سنٹرل ایشیا کی مسلم ریاستوں تک براہ راست پاکستان کی رسائی پر مشتمل تھا۔

افغانستان کے کسی شہری کو اس تاریخی حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جب عالمی سپر پاور روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کیں تو یہ پاکستانی عوام ہی تھے جو ان کے اور روس کے درمیان سد سکندری کی طرح حائل ہوئے تھے۔ انہوں نے افغانی مسلمانوں کے لیے اپنے گھروں اور دلوں کے دروازے کھول دیئے اور سارا پاکستان افغان مجاہدین کا بیس کیمپ بن گیا۔

پاکستان کی تقریباً تمام مذہبی اور سیاسی تنظیموں نے افغان مجاہدین کی امداد میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا اور تمام ملکی اور غیر ملکی پریشر نظر انداز کر کے اپنے افغان بھائیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر جہاد میں تن من دھن سے شرکت کی۔ افغان جہاد کے آغاز سے پہلے پاکستان میں کلاشنکوف یا ہیروئن کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا اور اس تلخ حقیقت کا اقرار کیے بغیر چارہ نہیں کہ پاکستانی بے گناہ عوام کو اس جہاد میں شرکت کی قیمت جہاں اپنے جانی اور مالی نقصان کی صورت میں ادا کرنی پڑی وہاں کلاشنکوف کلچر اور ہیروئن کی لعنت بھی ہماری نوجوان نسل کو مل گئی جس نے ملک کے امن کو متعدد مرتبہ تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔

ہماری درس گاہوں میں سیاسی ہنگامہ آرائی نے سیاسی دہشت گردی کا روپ دھار لیا ہے اور

سنٹرل کے مولویوں نے قلم ایک طرف رکھ کر کلاشنکوف ہاتھوں میں تھام لی۔ بلاشبہ یہ بڑا مشکل وقت تھا۔ پاکستانی قوت کو غیروں سے زیادہ اپنوں کی تنقید کا سامنا تھا اور دنیا کی تین بڑی اور مضبوط انٹیلی جنس ایجنسیوں کے جی بی "را" "موساد" "خاد" نے پاکستان کی سالمیت کے خلاف مشترکہ آپریشن شروع کر دیا تھا۔ پاکستان میں دھماکوں کی ایک سیریز شروع ہو چکی تھی۔

ان نامساعد حالات میں بھی پاکستانی عوام نے ہمت نہ ہاری اور نہ صرف مالی قربانیاں دیں بلکہ افغان مجاہدین کے ساتھ جہاد میں عملی شرکت کی۔ اگر ہزاروں نہیں تو سینکڑوں پاکستانی مجاہدین نے بھی اس جہاد میں جام شہادت نوش کیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستانی عوام کو آخر کس جذبے نے ان بے مثال قربانیوں پر آمادہ کیا۔ اس کا سیدھا سا جواب تو ان کا جذبہ اسلامی ہے۔ پاکستانی عوام کو آج تک یہی امید ہے کہ سنٹرل ایشیا میں مسلم ریاستوں کی آزادی کے بعد سے ہرات اور قندھار سے سنٹرل ایشیا کی مسلم ریاستوں تک ایک ایسی مضبوط گزرگاہ بن جائے گی جو امت مسلمہ کے بکھرے ہوئے دانوں کو ایک تسبیح کی صورت میں اکٹھا کر دے گی۔

اور مغربی دنیا کے ناجائز تجارتی پریشر جن کے ہاتھوں ساری امت مسلمہ بلیک میل ہو رہی تھی ختم ہو جائیں گے اور ہم پاکستانی مسلمان ایک آزاد قوم کی حیثیت سے معاشی ترقی کر سکیں گے اور نہ صرف اپنے قدموں پر کھڑے ہو جائیں گے بلکہ ان ریاستوں میں موجود بے پناہ قدرتی وسائل کو بھی استعمال میں لا کر اپنی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کریں گے۔ بڑی طاقتوں کی محتاجی اور بلیک میلنگ سے نجات ہو جائے گی۔ ان مسلم ریاستوں میں زیر زمین قدرتی وسائل کا ایک سمندر بہہ رہا ہے اور یہاں موجود توانائی کے ان ذخیروں کو دنیا کو منتقلی کے لیے اگر ہم پاکستان کو بطور گزرگاہ استعمال کرنے کے قابل ہو جائیں تو صرف راہداری ٹیکس ہی کی صورت میں پاکستان کا شمار دنیا کی امیر اقوام میں ہو جائے گا۔

یہ تھیں وہ توقعات جن کے لیے حکومت اور عوام گزشتہ دس سال سے مصائب اور وحشت گردی کا سامنا کرتے آ رہے تھے لیکن ہماری سیاسی نااہل قیادت کی کم فہمی یا پھر نیتوں کا کھوٹ کہ افغانستان سے روسی فوجوں کی روانگی کے فوراً بعد ہی وہاں جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا جس میں تمام وہ گروپ ملوث رہے ہیں جن کی پاکستان نے آٹھ سال تک میزبانی کی تھی اور ہمارے زعماء اس پوزیشن میں بھی تھے کہ وہ اگر انصاف پسندی اور اپنی عقل سے کام لیتے تو نہ صرف ہمارا یہ دیرینہ خواب پورا ہوتا بلکہ افغان عوام بھی زندگی کی تمام سہولیات سے بہرہ ور ہو کر ایک آزاد اور خودمختار قوم

کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہوتے۔

ہم نے اس مرحلے پر بین الاقوامی پریشرز کو خواہ مخواہ اپنے اوپر مسلط کر لیا اور خانہ جنگی کی یہ آگ اتنی پھیلنے لگی کہ اب ہمارا اپنا دامن بھی جلتا دکھائی دے رہا ہے۔ افغانستان کی ربانی حکومت نے جس کو طالبان کے ہاتھوں زبردست ہزیمت کا سامنا ہے اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار پاکستان کو گردانتے ہوئے اپنے عوام میں پاکستان کے خلاف بھارتی انٹیلی جنس یعنی "را" کی مدد سے نفرت انگیز مہم چلا رکھی ہے۔

گزشتہ تین چار ماہ سے یہ خبریں تسلسل کے ساتھ آ رہی تھیں کہ ربانی سرکار نے زیر سایہ اس سرکار سے محبت کی پینگیں بڑھانی شروع کر دی ہیں اور تازہ ترین اطلاع یہ تھی کہ ۳ ہزار بھارتی کمانڈوز کابل پہنچ چکے ہیں جبکہ "را" نے پاکستان کے شمال مغربی سرحدی علاقے کو اپنی مذموم سرگرمیوں کے لیے چن لیا ہے اور کابل میں اپنا بیس قائم کرنے کے بعد ربانی حکومت کی مکمل آشیرباد کے ساتھ اپنی پاکستان دشمن مہم شروع کر دی ہے۔ جہاں وہ کابل کی حکومت کو "مشترکہ دشمن کے خلاف" "مشترکہ حکمت عملی" کا چکر دے رہے ہیں وہاں دراصل وہ مقبوضہ کشمیر سے اپنی فوجوں پر آنے والا دباؤ کم یا ختم کروانے کے لیے اب کراچی کے بعد دوسرا محاذ کھول چکے ہیں۔

کابل میں پاکستانی سفارت خانے پر حملہ اسلام آباد، کوئٹہ اور پشاور میں افغان سفارت کاروں کی ناپسندیدہ سرگرمیاں اس امر کی غماز ہیں کہ بھارت نے پاکستان پر تازہ حملہ کر دیا ہے اور ہمیں ایک سازش کے تحت اس پوزیشن پر واپس لایا جا رہا ہے جس میں کبھی ہم تھے۔ افغانستان میں جب کمیونسٹ حکومتیں برسر اقتدار تھیں تو وہاں بھارت کا ہی ڈنکا بجتا تھا۔

اس مفروضے کے شواہد ابھی سامنے نہیں آ رہے کہ طالبان کو پاکستان ایجنسیاں واقعی سپورٹ کر رہی ہیں؟ لیکن یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں ربانی حکومت کی مکمل پشت پناہی کرنے لگی ہیں اور اس نازک مرحلے پر جب کہ پاکستانی قوم بری طرح سیاسی انتشار میں مبتلا ہے۔ سیاست دان ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں جتے ہوئے ہیں اور قومی پریشانیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے خدانخواستہ وہ خدشات جن کا اظہار جہاد افغانستان کے دوران پاکستان کے "ترقی پسند دانشور" کیا کرتے تھے ہماری سیاسی بداعمالیوں کے سبب کہیں حقیقت کا روپ نہ دھار لیں۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ پاک افغانستان تعلقات کے حوالے سے پاکستان ایک بار پھر آج سے تقریباً ۱۶ برس پہلے کی پوزیشن پر واپس چلا گیا ہے۔ جب سفید ریچھ نے ہمسایہ ممالک میں مداخلت

کرتے ہوئے وہاں اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کی تھی۔ سرخ سامراج کی نمائندہ وہ کٹھ پتلی حکومت پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے لیے ہر دم کوشاں رہتی تھی۔ اب کابل میں پروفیسر ربانی کی حکومت ہے جنہوں نے برسوں تک اپنے ساتھیوں سمیت پاکستان کی میزبانی کا لطف اٹھایا ہے پاکستان کے ساتھ ہی تصادم کی راہ پر گامزن ہے۔ افغان بھائیوں اور پاکستانی عوام میں کرنے کی کوشش کی جا رہی ہیں حکومت پاکستان کی تردید کی باوجود ربانی حکومت نے یہ الزام واپس لیا۔

ہرات پر طالبان کے قبضے کے اگلے ہی روز ایک مشتعل ہجوم نے کابل میں پاکستانی سفارت خانے پر حملہ کیا، سفارتی عملے کو بری طرح زدوکوب کیا اور عمارت کو آگ لگا دی۔ اس مشتعل ہجوم کو ربانی حکومت کی آشیرباد حاصل تھی کیونکہ کہا جاتا ہے کہ ہجوم کے پاس واکی ٹاکی تھے۔ پاکستان نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ ۱۳ افغان سفارت کاروں کو ناپسندیدہ شخصیات قرار دے کر ملک چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ ان تمام افغان سفارت کاروں کا تعلق ربانی گروپ سے ہے۔ آئندہ دنوں میں پاک افغانستان تعلقات مزید کشیدہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن جہاں تک ربانی حکومت کے اس الزام کا تعلق ہے کہ پاکستان طالبان کی پشت پناہی کر رہا ہے تو پروفیسر ربانی سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب فروری ۱۹۹۴ء میں کابل میں پاکستانی سفارت خانے پر حملہ ہوا تھا، اس وقت تو طالبان منظر عام پر نہیں آئے تھے۔

اس سب کے باوجود حکومت پاکستان کو ٹھنڈے دماغ سے اس مسئلے کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے پالیسی سازوں کو اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ ایران، ربانی حکومت کی حمایت کر رہا ہے جبکہ پروفیسر ربانی بھارت کے ساتھ رابطے بڑھا رہے ہیں۔ اقوام متحدہ بھی ربانی حکومت کو جائز تسلیم کرتی ہے۔ یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں کہ ربانی حکومت کے کمزور ہونے سے افغانستان میں پاکستان کی پوزیشن مضبوط ہو۔ پاکستان کی موجودہ افغان پالیسی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسے جو فی الحال "کامیابی" ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ کل کے دوست آج دشمن بن کر للکار رہے ہیں۔

تاریخ کی ستم ظریفی

اگست کے پہلے ہفتے میں "گونڈی صاحب" میں ہونے والے ایک سماگم میں یہاں سے منتخب کانگریس کے ایم ایل اے شیر سنگھ گریوال نے ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے مشرقی پنجاب کے وزیراعلیٰ اور کانگرس پنجاب کے چیف سردار بے انت سنگھ جو گورونانک دیو اور صاحب سری گورو گوبند سنگھ سے تشبیہ دی تو وہاں موجود ہندو کانگرس لیڈر رسوم دت کی غیرت نے جوش مارا اس نے بے انت سنگھ کو بھگوان رام بنا ڈالا۔

شیر سنگھ نے کہا تھا کہ جس طرح گورونانک دیو جی کے "اوتار" ہونے کا علم لوگوں کو بہت بعد میں ہوا تھا اسی طرح سردار بے انت سنگھ کے "اوتار" ہونے کا علم بھی بعد میں ہوگا کیونکہ انہوں نے بھی گورو گوبند سنگھ کی طرح پنجاب سے ظلم وستم کا خاتمہ کیا اور بھگوان نے انہیں "اوتار" کا روپ دے کر پنجاب میں نازل کیا تھا تاکہ پنجابیوں پر ہونے والے ظلم وستم کا خاتمہ کرسکیں۔

بے انت سنگھ کو اس طرح سکھ گوروؤں کے مقابل شخصیت قرار دینے سے سکھوں کے مذہبی حلقے میں غصے کی لہر دوڑ گئی اور بے انت اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے "سکھ جگت" سے کھلے عام معافی کا مطالبہ کیا جانے لگا اور ان کے خلاف لہر زور پکڑ رہی تھی کہ "کل یگ کا یہ اوتار" ۳۱ اگست کو ایک زبردست بم دھماکے میں اس طرح مارا گیا کہ اس کے جسم کی شناخت بھی ممکن نہ رہی۔ ۳۱ اگست کی شام ۵ بج کر ٹھیک پانچ منٹ پر جب خود ستائشی کے جنون کا شکار ۷۲ سالہ کانگرس سکھ سردار بے انت سنگھ چندی گڑھ میں پنجاب ہریانہ سیکرٹریٹ کی سیڑھیوں سے وی آئی پی پارکنگ کی طرف جا رہا تھا تو "آر ایکس ڈی" کے زبردست دھماکے نے جو اس کی کار یا اس سے ملحقہ کار میں لگائے ڈائنامائٹ کے ذریعے کیا گیا تھا۔ سردار بے انت اور اس کے سولہ "بلیک کیٹس" کو ان تینوں کاروں سمیت تباہ کر کے رکھ دیا۔ یہ دھماکہ اتنا زوردار تھا کہ سیکرٹریٹ کی گیارہ منزلہ بلڈنگ میں سے ۸ منزلوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔

آج سے ایک سال پہلے بھی سیکرٹریٹ کے نزدیک بے انت سنگھ کو قتل کرنے کے لیے ایک

دھماکہ کیا گیا تھا جو ان کی آمد سے پہلے ہی ہو گیا اس میں کوئی ہلاکت نہیں ہوئی لیکن یہ ثبوت ضرور مل گیا تھا کہ یہ دھماکہ سردار بے انت سنگھ کے لیے ہی کیا گیا تھا۔ موجودہ دھماکہ اتنا تباہ کن تھا کہ دھماکے میں مرنے والوں کی لاشیں ٹکڑوں میں بٹ گئیں اور بلٹ پروف کاروں کے پرخچے اڑ گئے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک ماہ پہلے ہی بھارتی انٹیلی جنس کی طرف سے ملنے والی اطلاعات کے بعد کہ پنجاب میں سکھ حریت پسند سرگرم ہیں اور انہوں نے بطور وزیر اعلیٰ بے انت سنگھ اور ڈائریکٹر جنرل پولیس کے پی ایس گل کو ہلاک کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی ہوئی ہے۔ سردار بے انت سنگھ کی سیکورٹی کے انچارج ڈی آئی جی کو اس کے عملے سمیت تبدیل کر دیا گیا تھا۔ سردار بے انت کے لیے "احتیاطی حفاظتی اقدامات" کیے گئے تھے اور جس عمارت کے سامنے دھماکہ ہوا اس کو بھی "میکسیمم سیکورٹی کمپلیکس" بنایا گیا تھا۔ انٹیلی جنس کی زبان میں ایسی عمارات میں تخریب کاری کے امکانات صفر فیصد بھی نہیں رہا کرتے جبکہ تخریب کاری کی ایسی بھرپور اور نتائج انگیز کارروائی شاید ہی دنیا میں کہیں دیکھنے میں آئی ہو کہ جہاں تخریب کاروں نے اپنے "ٹارگٹ" کے علاوہ اس کی حفاظت پر متعین تمام کمانڈوز کو بھی ایک ہی بم دھماکے میں مار ڈالا ہو۔

مشرقی پنجاب میں ۷۸ء سے چل رہی سکھوں کی آزادی کی تحریک پر ۹۲ء سے اب تک جتنا نازک دور گزرا ہے اتنا کبھی نہیں رہا۔ ۱۹۹۱ء میں سردار بے انت سنگھ کے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد پنجاب میں کانگرس کے اس چہیتے وزیر اعلیٰ نے اپنے پولیس ڈائریکٹر کے پی ایس گل کو "فری ہینڈ" دے کر اپنی دانست میں تو خالصتان تحریک کا قلع قمع ہی کر دیا تھا۔ خصوصاً پنتھک کمیٹی کے سربراہ ڈاکٹر سوہن سنگھ کی نیپال کے شہر کھٹمنڈو سے گرفتاری کے بعد سے تو ساری دنیا میں یہ تاثر جڑ پکڑنے لگا تھا کہ اب سکھوں کی آخری امید بھی دم توڑ جائے گی کیونکہ اس سے پہلے ببر خالصہ کے سکوندر سنگھ پرمار خالصتان لبریشن فورس کے حوالدار کے علاوہ حال ہی میں خالصتان کمانڈو فورس کے ہی بہت اہم کمانڈر پولیس مقابلوں میں مارے جا چکے تھے اور بھارتی حکومت کی طرف سے شائع کردہ رپورٹ کے مطابق زندہ بچ جانے والے خطرناک سکھ حریت پسندوں میں خالصتان کمانڈو فورس کے پرم جیت سنگھ پنجوڑ اور اس کے کچھ ساتھی، ببر خالصہ کے اپنے کچھ ساتھیوں سمیت باقی بچے تھے جو اپنی جانیں بچانے کے لیے زیر زمین چلے گئے تھے۔ اس دوران خالصتان کمانڈو فورس پنجوڑ اور لبریشن فورس کی طرف سے اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دینے کے لیے کچھ کارروائیں بھی کی گئیں جن میں سے ایک ادھوری کارروائی دہلی میں کانگریس یوتھ پنجاب کے صدر منندر جیت سنگھ بٹا کے قتل کی سازش تھی جو شدید زخمی ہونے کے بعد بچ گیا اور دوسری اپنے کچھ ساتھیوں کی رہائی کے لیے راجستھان میں ایک وزیر کے بیٹے کا اغوا تھا جس میں

سکھوں کو ناکامی ہوئی۔

گزشتہ تین چار ماہ میں بھارتی حکومت کی طرف سے خالصتان کمانڈو فورس پنجوڑ کے چار ساتھیوں کی یکے بعد دیگرے گرفتاری اور ان کی گرفتاری کے بعد ہونے والے انکشافات سے یہ تو ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی بڑی کارروائی کرنے جا رہے ہیں لیکن مشرقی پنجاب میں سیکورٹی کے مضبوط ترین انتظامات اور گزشتہ چار سال میں کے پی ایس گل اور بے انت سنگھ کی باہمی مشاورت سے مارے گئے سینکڑوں بے گناہ سکھ نوجوانوں کی موت سے پیدا ہونے والے خوف و ہراس کے بعد اس بات کا تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ سکھ اتنی بڑی کارروائی کر سکتے ہیں کیونکہ گزشتہ چار برس میں پنجاب کا کوئی ایسا گھرانہ باقی نہیں بچا تھا جو براہ راست پولیس گردی کا شکار نہ ہوا ہو۔

کے پی ایس گل نے ان سکھ حریت پسندوں کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی جو پولیس کے ساتھ جعلی مقابلوں میں مارے جا چکے تھے۔ پنجاب کے عوام میں اتنا خوف اور دہشت پھیلی ہوئی تھی کہ وہ پولیس کی لسٹ پر آ جانے والے کسی بھی حریت پسند کے گھر والوں کے نزدیک سے بھی نہیں گزرتے تھے اور انہیں ایک طرح سے معاشرتی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

گزشتہ دنوں جب کمانڈو فورس پنجوڑ گروپ کے دو نوجوانوں کو پولیس نے مخبری پر سنگرور سے گرفتار کیا تو یہ اعلان بھی ساتھ کر دیا کہ اب سنگرور کا صرف ایک مفرور باقی رہ گیا ہے۔ ان خبروں سے یہی تاثر ملتا تھا کہ اب شاید سکھوں کی کمر ہمت ٹوٹ جائے گی کیونکہ پنجوڑ گروپ کی طرف سے چار مسلسل کوششیں ناکام ہو چکی تھیں لیکن ۳۱ اگست کو بالآخر سکھوں نے ماضی کی طرح اپنے آپ کو سچ کر دکھایا اور اپنی تاریخ کے دو بڑے مجرموں میں سے ایک کو مار ڈالا جبکہ کے پی ایس گل ابھی تک ان کی ہٹ لسٹ پر موجود ہے۔

یکم ستمبر تک کی اطلاعات کے مطابق اب تک مرنے والوں کی تعداد ۱۶ ہو گئی ہے اور بھارتی سیکورٹی ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ بم ریموٹ کنٹرول نہیں تھا بلکہ یہ "خودکشی مشن" تھا اور بم بردار بھی بم کے ساتھ ہی مارے گئے ہیں۔ سردار بے انت سنگھ کی موت کے بعد کے پی ایس گل نے کہا تھا کہ ہمارے سیکورٹی کے انتظامات ناقص تھے اور اب بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں اس بات کو تسلیم کرتی ہیں کہ انہوں نے خالصتان تحریک سے متعلق غلط اندازہ لگایا تھا یہ تحریک اب بھی زندہ ہے اور کسی بھی وقت سکھ حریت پسند کوئی بڑی کارروائی کر سکتے ہیں۔

سردار بے انت سنگھ پہلی مرتبہ آزاد حیثیت میں ۶۹ء میں الیکشن لڑ کر کانگرس کی مدد سے برسر اقتدار آئے تھے۔ ۷۲ء سے ۷۷ء تک وہ اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور ۸۰ء میں

کانگرس حکومت میں انہیں وزیر دیہات بنایا گیا۔ ۱۹۵۹ء میں انہیں پنجاب کانگرس کا جنرل سیکرٹری اور ۱۹۹۱ء میں پنجاب کانگرس کا سربراہ بنا دیا گیا۔ ان کا دور حکومت سکھوں کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے کیونکہ اس دوران ہزاروں سکھ نوجوانوں کو جعلی پولیس مقابلوں میں مار دیا گیا۔ سکھوں نے سردار بے انت سنگھ اور کے پی ایس گل کو اپنے دور کے تاریخی مجرم قرار دیا تھا اور بمشکل دو ڈھائی سال پہلے بھارت دور درشن پر اسی ببر خالصہ کے گروپ سنگھ ریسا نے اس سردار بے انت سنگھ اور کے پی ایس گل کی موجودگی میں "سرنڈر" کیا تھا۔ گروپ سنگھ ببر خالصہ کا دماغ سمجھا جاتا ہے اور اس کے پنجاب حکومت کے سامنے "آتم سمرپن" کے بعد یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ ببر خالصہ جیسی مضبوط جتھے بندی ختم ہو گئی ہے لیکن اس ببر خالصہ نے بے انت سنگھ کو مار دیا۔ افسوس بھارتی حکمرانوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا ورنہ وہ بہت پہلے اس حقیقت کو جان لیتے کہ آزادی کی تحریکوں کو ظلم و جبر سے کچھ دیر کے لیے دبایا تو جا سکتا ہے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

بھارت کی ایٹمی یلغار

امریکہ نے حال ہی میں بھارت سے بڑے سخت لہجے میں کہا ہے کہ وہ عالمی امن کے لیے امریکی فارمولا نیوکلیئر ٹیسٹ بین ٹریٹی کی مخالفت چھوڑ کر اس سلسلے میں تعاون کا رویہ اپنائے اور ایسے حالات پیدا نہ کرے جو دنیا خصوصاً ایشیا میں امن کے لیے خطرناک ہوں کیونکہ امریکہ بھارت کی مرضی کے بغیر ہی ایسے حالات پیدا کر سکتا ہے جن میں بھارت کے لیے اس معاہدے پر دستخط کرنا ضروری ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے پاکستان متعدد مرتبہ بھارت کو ایشیا کو ایٹم سے پاک خطہ بنانے کے لیے باہمی معاہدے کی پیشکش کر چکا ہے اور سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے سلسلے میں بھی بھارت کی طرف سے دستخط کرنے کی شرط عائد کی ہے جو بھارت کو منظور نہیں کیونکہ وہ اپنی دھونس دھاندلی سے اس خطے کا تھانیدار بننے پر تلا ہوا ہے۔

بھارت کا شمار آج دنیا کے ان چند ممالک میں ہوتا ہے۔ جو "نیوکلیئر فیول سائیکلنگ" کے تمام مرحلوں سے متعلق تکنیکی مہارت رکھتا ہے۔ مائننگ یورینیم، فابریکیٹنگ نیوکلیئر الیکٹریشن پلانٹ کی ڈیزائننگ، تعمیر اور تنصیب ضائع شدہ فیول کی ری پروسسنگ اور ریڈیو ایکٹو استعمال شدہ فیول کو سٹور کرنا، غرض کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں بھارت نے پیش رفت نہ کی ہو۔ ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو بھارت نے اپنے ایٹمی مقاصد کے حصول کے لیے ٹرامبے میں اٹامک انرجی اسٹیبلشمنٹ (اے ای ای ٹی) قائم کی تھی جبکہ ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ڈاکٹر ہومی جے بھابھا کے قائم کردہ ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامینٹل ریسرچ نے قیام پاکستان کے بعد سے اس مشن پر کام شروع کر دیا تھا جس کے بعد پھر اے ای ای ٹی اور ٹی آئی ایف آر کے سائنس دانوں کے ایک مشترکہ بورڈ نے بھارت کے ایٹمی پروگرام کو مثالی بنانے اور اس پر غور کے لیے کام شروع کیا۔ اے ای ای ٹی کو پھر مزید جدید ترین سہولیات سے آراستہ کر کے ۱۹۶۷ء میں اس کا نام بھابھا اٹامک ریسرچ سینٹر بی اے آر سی رکھا گیا جس نے بھارت کے نیوکلیئر الیکٹریسٹی پروگرام کو

کانگرس حکومت میں انہیں وزیر دیہات بنایا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں انہیں پنجاب کانگرس کا جنرل سیکرٹری اور ۱۹۹۱ء میں پنجاب کانگریس کا سربراہ بنا دیا گیا۔ ان کا دور حکومت سکھوں کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے کیونکہ اس دوران ہزاروں سکھ نوجوانوں کو جعلی پولیس مقابلوں میں مار دیا گیا۔ سکھوں نے سردار بے انت سنگھ اور کے پی ایس گل کو اپنے دو بڑے تاریخی مجرم قرار دیا تھا اور بمشکل دو ڈھائی سال پہلے بھارت دوردرشن پر اسی ببر خالصہ کے گروپ سنگھ پیا نے اس سردار بے انت سنگھ اور کے پی ایس گل کی موجودگی میں "مردِ زر" کہا تھا۔ گروپ سنگھ ببر خالصہ کا دماغ سمجھا جاتا ہے اور اس کے پنجاب حکومت کے سامنے "آتم سمرپن" کے بعد یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ ببر خالصہ جیسی مضبوط جتھے بندی ختم ہو گئی ہے لیکن اسی ببر خالصہ نے بے انت سنگھ کو مار دیا۔ افسوس بھارتی حکمرانوں نے تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا ورنہ وہ بہت پہلے اس حقیقت کو جان لیتے کہ آزادی کی تحریکوں کو ظلم و جبر سے کچھ دیر کے لیے دبایا تو جا سکتا ہے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

بھارت کی ایٹمی یلغار

امریکہ نے حال ہی میں بھارت سے بڑے سخت لہجے میں کہا ہے کہ وہ عالمی امن کے لیے امریکی فارمولا نیوکلیئر نیسٹ بین ٹریٹی کی مخالفت چھوڑ کر اس سلسلے میں تعاون کا رویہ اپنائے اور ایسے حالات پیدا نہ کرے جو دنیا خصوصاً ایشیا میں امن کے لیے خطرناک ہوں کیونکہ امریکہ بھارت کی مرضی کے بغیر ہی ایسے حالات پیدا کر سکتا ہے جن میں بھارت کے لیے اس معاہدے پر دستخط کرنا ضروری ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے پاکستان متعدد مرتبہ بھارت کو ایشیا کو ایٹم سے پاک خطہ بنانے کے لیے باہمی معاہدے کی پیشکش کر چکا ہے اور سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے سلسلے میں بھی بھارت کی طرف سے دستخط کرنے کی شرط عائد کی ہے جو بھارت کو منظور نہیں کیونکہ وہ اپنی دھونس دھاندلی سے اس خطے کا تھانیدار بننے پر تلا ہوا ہے۔

بھارت کا شمار آج دنیا کے ان چند ممالک میں ہوتا ہے۔ جو "نیوکلیئر فیول سائیکلنگ" کے تمام مرحلوں سے متعلق تکنیکی مہارت رکھتا ہے۔ مائننگ یورینیم، فائبر پیکنگ نیوکلیئر الیکٹریشن پلانٹ کی ڈیزائننگ، تعمیر اور تنصیب ضائع شدہ فیول کی ری پروسسنگ اور ریڈیو ایکٹو استعمال شدہ فیول کو سٹور کرنا، غرض کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں بھارت نے پیش رفت نہ کی ہو۔ ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو بھارت نے اپنے ایٹمی مقاصد کے حصول کے لیے ٹرامبے میں اٹامک انرجی اسٹبلشمنٹ (اے ای ای ٹی) قائم کی تھی جبکہ ۱۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کو ہومی جے بھابھا کے قائم کردہ ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامینٹل ریسرچ نے قیام پاکستان کے بعد سے اس مشن پر کام شروع کر دیا تھا جس کے بعد پھر اے ای ای ٹی اور ٹی آئی ایف آر کے سائنس دانوں کے ایک مشترکہ بورڈ نے بھارت کے ایٹمی پروگرام کو مثالی بنانے اور اس پر غور کے لیے کام شروع کیا۔ اے ای ای ٹی کو پھر مزید جدید ترین سہولیات سے آراستہ کر کے ۱۹۶۷ء میں اس کا نام بھابھا اٹامک ریسرچ سینٹر بی اے آر سی رکھا گیا جس نے بھارت کے نیوکلیئر الیکٹرسٹی پروگرام

آگے بڑھ کر علاقائی امن کے نام پر اپنی دھاک کے لیے راہ ہموار کی۔

بھارت کے ایٹم بردار جدید ترین میزائل کا تو ذکر ہی کیا اس نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو پی ایس ایل وی (پولر سیٹلائٹ لانچ وہیکل) لانچ کیا اور پھر ۹۳۰ کلوگرام وزن کے ساتھ آئی آر ایس پی ۳ فضا میں لانچ کر کے اپنی تکنیکی اور خلائی برتری کا ثبوت دیا ہے۔ بھارت نے پی ایس ایل وی پروگرام کے تحت جو سیٹلائٹ فضا میں بھیجے ہیں ان میں نصب جاسوسی کیمرے اتنے حساس ہیں کہ بیٹھا گاؤں کو بھی ان کی نظر دامن گیر رہتی ہے۔ ان آلات کے ذریعے بھارت اپنے تمام ہمسایہ ممالک پاکستان، چین اور ایران سمیت سب پر کڑی نظر رکھتا ہے۔

بھارت میزائل پروگرام میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور موجودہ یونائیٹڈ فرنٹ کی لبرل گورنمنٹ کے وزیر دفاع نے بھی حکومت سے ڈیفنس کی رقم میں اضافہ کی درخواست کی ہے۔ گویا اب بھارت کو جدید ترین ڈیفنس پروگرام درکار ہیں جس پر پہلے ہی ملکی بجٹ کا خطیر حصہ خرچ ہو رہا ہے۔

جب اس بھارت کی طرف سے پاکستان کو جو آلو ٹماٹر گندم اور چینی کے لیے بھی اسی کا محتاج ہے مذاکرات کی پیشکش کی جائے تو اسے بھیڑ اور بھیڑیے کے مذاکرات سے زیادہ اور کیا کہا جائے گا۔ جب کہ ہماری حکومت کی طرف سے اب امریکہ بہادر سے درخواستیں کی جانے لگی ہیں کہ وہ مسئلہ کشمیر میں ثالث کا کردار ادا کرے ظاہر ہے امریکہ کچھ ناز و ادا دکھانے کے بعد اس پیشکش کو "بادل نخواستہ" قبول کر ہی لے گا۔

اس ضمن میں کچھ خدشات نے بری طرح محب وطن حلقوں میں سر اٹھایا ہے جن کا جواب دینا اور عوام کو مطمئن کرنا حکومت پاکستان کا فرض ہے۔ آج امریکہ اس خطے میں جس پوزیشن میں کھڑا ہے وہ کوئی "مضبوط پوزیشن" نہیں ہے۔ چین نے گزشتہ دو سال میں تین مسئلوں پر امریکہ کو منہ توڑ جواب دیا ہے پہلے پاکستان کو ایم الیون میزائل کی سپلائی کا الزام، دوسرا تائیوان کا مسئلہ اور تیسرا امریکی کاپی رائٹ ایکٹ کی خلاف ورزی۔

تینوں ایشوز پر چین نے امریکہ کی کسی دھونس دھمکی کی پرواہ کیے بغیر اسے کھری کھری سنائی ہیں اور تینوں مرتبہ امریکہ کی طرف سے چین پر تجارتی پابندیاں عائد کرنے کی باتیں خالی خولی دھمکیاں ثابت ہوئیں۔ بالآخر امریکہ نے "اطمینان بخش مذاکرات" کا ڈھونگ ہی رچایا ہے۔

ایران نے بلاشبہ امریکہ کو چاروں شانے چت کیا ہے اور کسی مسئلہ پر کمزوری نہیں دکھائی۔ امریکہ نے ایران پر جعلی ڈالر چھاپنے تک کے الزامات لگائے اور دھمکیاں دیں لیکن ایران کا کچھ نہیں بگاڑ

اسرائیل میں نیتن یاہو سرکار نے متعصب یہودی حکومت کا بھرپور کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے اور اب امریکہ کی ڈکٹیشن لینے سے انکاری ہے۔ اس طرح اردن، ترکی اور اسرائیل کی جو بیلٹ ایران، عراق اور شام کے خلاف امریکہ قائم کرنے کی فکر میں ہے وہ خواب پورا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔ نیتن یاہو نے اپنے دورہ امریکہ میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اسرائیلی مفادات پر کوئی سودے بازی نہیں کریں گے اور صدر کلنٹن ان کے اس بیان سے خوش دکھائی نہیں دے رہے۔

ایران، چین اور بھارت کے درمیان ہم آہنگی بڑھ کر اب ایک اتحاد کی صورت اختیار کر رہی ہے جبکہ پاکستان عوام اور پریس نے خصوصاً سینیٹ کے چیئرمین کے ساتھ امریکی سفارتخانے کے سیکرٹری حکام کی بدتمیزی کا سخت نوٹس لیا ہے۔

ان حالات میں امریکہ کہیں بھارت سے محض سی ٹی بی ٹی پر دستخط کروانے کے چکر میں پاکستان کو کسی "کیمپ ڈیوڈ" میں تو نہیں پھنسا دے گا؟ دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کے ناطے ظاہر ہے امریکہ کو اپنے مفادات کے حصول کے لیے پاکستان جیسے کسی بھی چھوٹے ملک کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ خدا کرے یہ بات غلط ہو۔ ایسا اندیشہ باطل ہو لیکن ماضی کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو کچھ بعید بھی نہیں اس لیے بہت سوچ سمجھ کر امریکہ کو "چودھری" بنائیے کہیں یہ چودھراہٹ ہمیں ہی نہ لے ڈوبے۔

سی ٹی بی ٹی......لیکن کس قیمت پر؟

کمپری ہینسونسٹ بین ٹیسٹ (سی ٹی بی ٹی) پر دستخطوں کی ڈیڈ لائن جو امریکہ نے ۲۸ جون مقرر کی تھی گزر گئی۔ بات چیت کرنے والی کمیٹی کے چیئرمین جاپ راما کیر نے جمع ہونے والے ۶۱ ممالک کے نمائندوں کو نئی ٹیکسٹ کی تیاری کی ہدایت کے ساتھ اپنے اپنے ممالک کے دارالحکومتوں کو روانہ کر دیا ہے۔ ۶۱ ممالک کی یہ کانفرنس آن ڈی آرمامنٹ ڈیلی گیشن کے نام پر طلب کی گئی تھی اور یہ امید کی جا رہی تھی کہ یہیں سی ٹی بی ٹی پر دستخط ہو جائیں گے۔ لیکن بھارت کی طرف سے خصوصاً ہٹ دھرمی کے مظاہرے اور کچھ ممالک کی تکنیکی اعتراضات نے امریکہ بہادر کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ گو کہ راما کیر نے امید ظاہر کی ہے کہ ۲۹ جولائی کو جب جنیوا میں یہ ڈیلی گیشنز اکٹھے ہوں گے تو وہ ایک ایسی دستاویز تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے جو دستخطوں کے لیے یو این او کے ستمبر میں ہونے والے اجلاس میں پیش کی جائے۔ اس طرح ۹۶ء سے شروع ہونے والی یہ تحریک اپنے اختتام کو مثبت نتائج کے حصول کے ساتھ پہنچ جائے گی لیکن بھارت کی طرف سے ضد کا رویہ اپنانے کے بعد عین ممکن ہے کہ اسے پانچ نیوکلیئر ویپن سٹیٹ (این ڈبلیو ایس) میں یا پھر ان تین نیوکلیئر تھریشولڈ سٹیٹس سے متعلقہ دفعات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

غالب امکان یہی ہے کہ بھارت اپنی ضد پر قائم رہے گا کیونکہ ۱۸ جولائی کو نئی دہلی میں غیر ملکی سفیروں کے اعزاز میں دی گئی ایک ضیافت سے خطاب کرتے ہوئے بھارتی وزیر خارجہ اندر کمار گجرال نے ایک مرتبہ پھر اس عزم کا اعادہ کیا ہے کہ بھارت کسی بھی صورت سی ٹی بی ٹی کا فریق بننے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ غیر ملکی سفیروں کی یہ میٹنگ بطور خاص اس مقصد کے لیے طلب کی گئی تھی اور بھارتی وزیر خارجہ نے غیر ملکی سفیروں کو محض یہ سمجھانے کے لیے اکٹھا کیا تھا کہ آخری مراحل پر اگر وہ بھارت سے یہ امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنا موقف بدل لے گا تو وہ اپنی یہ خوش فہمی دور کر لیں۔ انہوں نے اس توقع کو ایک "گمراہ کن

خوش فہمی" تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ کسی عالمی طاقت کی بلیک میلنگ میں نہیں آئیں گے اور اپنے ملکی مفادات کو کبھی پس پشت نہیں ڈالیں گے۔

دوسری طرف پاکستانی وزارت خارجہ کے ایک ترجمان نے بھی اخبار نویسوں کو بریفنگ دیتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان اپنی سلامتی کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر ہی اس پر دستخط کرے گا اور کسی ایسی شق کی گنجائش نہیں چھوڑے گا جس سے کسی دوسرے ملک کو فائدہ اٹھا کر ایٹمی دھماکے کا موقع مل سکے۔ خیال رہے کہ اس سے پہلے پاکستان نے ہمیشہ ان دستخطوں کو بھارت کے دستخط کرنے سے مشروط قرار دیا ہے اور کہتا آیا ہے کہ جب تک بھارت رضامند نہ ہو پاکستان بھی دستخط نہیں کرے گا۔ جب یہ سوال کیا گیا کہ دستخط کے لیے کون سا وقت مناسب ہے تو ترجمان نے اس سوال کا جواب نہیں دیا۔ ترجمان سے پوچھا گیا کہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے ضمن میں پاکستان کے سیکورٹی خدشات ہیں تو ترجمان نے کہا کہ سمجھوتہ اس وقت اپنا مقصد کھو بیٹھے گا اگر تمام ممالک خصوصاً وہ ممالک جو ایٹمی صلاحیت رکھتے ہیں، سمجھوتے پر دستخط نہیں کریں گے۔ پاکستان کا اب تک موقف یہی رہا ہے کہ وہ ایسی صورت میں سمجھوتے پر دستخط کرے گا جب بھارت اس سمجھوتے پر دستخط کرے گا لیکن اب اس کے موقف میں کوئی تبدیلی آئی ہے تو ترجمان نے اس کا کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ ترجمان نے کہا کہ سمجھوتے کی "انٹری ان ٹو فورس" کی شق میں کسی ترمیم یا تبدیلی کی پاکستان مخالفت کرے گا۔ اس شق کے تحت جب تک ایٹمی صلاحیت کی دہلیز پر پہنچ جانے والے ممالک جب تک دستخط نہیں کریں گے اس وقت تک سمجھوتہ پر عمل درآمد نہیں ہو گا۔"

ترجمان نے ان افواہوں کی سختی سے تردید کی کہ امریکہ سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں کے عوض پاکستان کی سلامتی اور مسئلہ کشمیر کے حل کی ضمانت دے گا۔ ترجمان نے واضح کیا کہ امریکہ کے ساتھ اس قسم کے کوئی روابط زیر غور نہیں۔ اس سوال کے جواب میں اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے لیے دنیا کے ۳۹ ممالک نے رضامندی کا اظہار کیا ہے اور بعض دیگر ممالک مختلف وجوہات کی بنا پر دستخط نہیں کر رہے جن میں پاکستان بھی شامل ہے۔ جہاں تک بھارت کا سوال ہے تو اس نے سی ٹی بی ٹی کا معاہدہ مکمل مسترد کر دیا ہے اور امریکہ کو صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے ملک میں چکوال سسمک سنٹر کی طرز کا کوئی مانیٹرنگ سٹیشن قائم نہیں ہونے دیں گے اور نہ ہی ایٹمی دھماکوں سے متعلق معلومات مہیا کریں گے۔ بھارت نے جنوبی ایشیا میں ہونے والے ایٹمی تجربات سے کوئی بھی معلومات (آئی ایم ایس) انٹرنیشنل مانیٹرنگ سسٹم کو فراہم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور "سی ڈی" کے صدر سے درخواست کر دی ہے کہ وہ بھارت کو ایٹمی تجربات کی روک تھام کے معاہدہ سی ٹی بی ٹی کے ڈرافٹ کے ساتھ منسلک ان ممالک کی

فہرست سے خارج کر دیا جائے جہاں ایٹمی مانیٹرنگ سٹیشن قائم کیے جائیں گے کیونکہ بھارت اس ضمن میں کوئی معلومات یا ڈیٹا فراہم نہیں کرے گا۔

بھارت کے اسی ڈرامائی اقدام نے امریکی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے کیونکہ امریکہ بھارت میں بھی پاکستان کے چکوال سنگ سنٹر جیسا سنٹر قائم کر کے اس علاقے میں ہونے والے ایٹمی کارروائیاں مانیٹر کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ بھارت نے کانفرنس فار ڈس آرمامنٹ (سی ڈی) کو یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر سی ٹی بی ٹی کے مسودے کے ساتھ منسلک ایٹمی مانیٹرنگ سٹیشنوں کی سہولت فراہم کرنے والے ممالک کی فہرست سے بھارت کا نام حذف نہ کیا گیا تو ۲۹ جولائی کو جنیوا میں شروع ہونے والی سی ٹی بی ٹی کانفرنس میں بھارت سخت سفارتی اقدام کی آپشن استعمال کرے گا۔ بھارت نے سی ٹی بی ٹی کے خلاف کھلا اعلان جنگ کر دیا ہے۔

اسلام آباد میں ذمہ دار سفارتی ذرائع کے مطابق بھارت کی حکومت نے سفارتی ذریعے سے اہم ممالک کو اطلاع دی ہے کہ بھارت نے ۲۰ جون کو طے پانے والے سی ٹی بی ٹی ڈرافٹ کو مسترد کر دیا ہے۔ ان سفارتی رابطوں کے دوران بھارت نے سی ٹی بی ٹی کے آرٹیکل ۱۴ پر شدید اعتراض کیا ہے۔ بھارت نے اہم ملکوں کو آگاہ کیا ہے کہ کانفرنس فار ڈس آرمامنٹ کی ایڈہاک کمیٹی کے چیئرمین کی طرف سے ۲۸ جون کو پیش کیا گیا سی ٹی بی ٹی کا متن بھی بھارت کو قبول نہیں ہے۔ کیونکہ معاہدہ کے اس متن میں بھارت کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کو خاطر میں نہیں لایا گیا اور نہ ہی بھارت کی طرف سے تجویز کی گئی ترامیم کو متن میں شامل کیا گیا ہے۔ ذمہ دار ذرائع کے مطابق جنیوا کانفرنس کے چیئرمین کی طرف سے ۲۸ جولائی کی پیش کیے گئے مسودہ کے آرٹیکل ۱۴ میں بھی یہ قرار دیا گیا ہے کہ بھارت کو اس معاہدہ کے نفاذ کے دن ہی سے معاہدہ کا رکن بننا ہو گا اور سی ٹی بی ٹی کے تحت عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو قبول کرنا ہو گا جبکہ بھارت کی حکومت نے کانفرنس فار ڈس آرمامنٹ کے صدر کو آگاہ کیا ہے کہ بھارت سی ٹی بی ٹی پر لازمی دستخط کرنے کی شرط قبول نہیں کرے گا اور اس معاہدہ کے ذریعہ معاہدہ کا رکن بننے یا نہ بننے کے سلسلے میں آزاد فیصلہ کرنے کا استحقاق مجروح کیا گیا ہے۔ ان حالات میں پاکستان کی طرف سے اگر محض امریکہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے بھی "نرم گوشہ" دکھایا گیا یا کہیں رکھا گیا ہے تو اسے کم از کم پاکستانی قوم قبول نہیں کرے گی۔

کشمیر کو یاد رکھیے

آزاد کشمیر میں انتخابات کا معرکہ بھی بالآخر پیپلز پارٹی نے سر کر لیا اور اب وہاں اپنی حکومت بنالی ہے گو کہ ان انتخابات سے پہلے اور بعد میں بہت کچھ کہا سنا گیا لیکن موجودہ حکومت نے شروع ہی سے اپنی ایک پالیسی بنالی ہے کہ کبھی اپوزیشن کی کسی بات پر توجہ نہیں دینی اور وہی کرنا ہے جو وہ خود ٹھیک اور بہتر سمجھیں۔ اپوزیشن میں حکومت نے غیر جانبدار پریس کو بھی شامل کیا ہوا ہے اور ہر وہ ادارہ اور شخص بھی اس کا ممبر ہے جو کسی بھی حکومتی اقدام سے مختلف رائے کا اظہار کرنے کی جرأت کرے۔ مثلاً سپریم کورٹ اگر حکومت کے خلاف قانون کی حرکت کا نوٹس لے تو اسے کار سرکار میں مداخلت اور بقول وزیر اعظم اپوزیشن کی طرف سے عدلیہ کو استعمال کرنے کی کوشش قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی جب آزاد کشمیر کے انتخابات سے پہلے سردار عبدالقیوم اور پھر مختلف حلقوں کی طرف سے اس خدشے کا اظہار کیا گیا کہ انتخابات میں مداخلت اور دھاندلی کا خطرہ ہے بلکہ سردار قیوم نے تو صدر پاکستان سے یہ اپیل بھی کر دی کہ وہ فوج کی زیر نگرانی انتخاب کروائیں اور ہر شعبہ زندگی کی طرف سے حکومت کہا گیا کہ ان انتخابات میں اگر پاکستانی حکومت نے کوئی مداخلت کی تو اس کا اثر دوسری طرف قطعاً خوشگوار نہیں ہو گا لیکن حسب روایت وزیراعظم نے بیان جاری فرما دیا کہ وہ نہ تو کشمیر کے الیکشن میں خود مداخلت کریں گی اور نہ کسی کو کرنے دیں گی۔ ابھی اس بیان کی سیاہی خشک نہ ہوئی تھی کہ لاہور میں دیگوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی اور اگلے روز تاریخی دھاندلی کے بعد پیپلز پارٹی نے الیکشن جیت لیا اب ان نتائج کو کشمیری قبول کرتے ہیں یا نہیں یہ ہمیشہ کی طرح حکومت کا معاملہ نہیں نہ ہی وہ اس سر درد میں پڑے گی۔

صورت حال یہ ہے کہ کشمیر میں ہونے والے ان "غیر جانبدار انتخابات" سے ساری دنیا میں پاکستانی حکومت پر زبردست تنقید جاری ہے اور بین الاقوامی سطح پر ہمارا کیس کمزور ہو رہا ہے۔ خود بھارتی حکومت نے اس مرتبہ بڑا عجیب طریقہ واردات اپنایا ہے اور وہ کانگریس کی طرح بندوق سے نہیں "چھل

"کٹ" سے کشمیریوں کو فتح کرنے چلے ہیں۔ کانگریس سرکار نے جیسے تیسے الیکشن مقبوضہ کشمیر میں کروا دیے تھے اور موجودہ حکومت نے بھی اس منصوبے پر کامیابی سے عملدرآمد شروع کیا ہے جنادل کے لیڈر کشمیری لیڈر شپ جو ان کی مرضی کے عین مطابق بیانات دے کر وفادار بنے ہیں اور عین ممکن ہے کہ وہیں صوبائی انتخابات بھی جلدی کروا دیے جائیں۔

جوں جوں تحریک آزادی کشمیر اپنے آخری مراحل میں داخل ہوتی جا رہی ہے کچھ دیدہ و نادیدہ قوتیں بھی بڑی تیزی سے اپنا اثر و رسوخ حاصل کرتی جا رہی ہیں۔ ان کے پس پردہ کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں اس بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں لیکن ایک بات بہرحال طے ہے کہ بین الاقوامی حالات کے تناظر میں ان قوتوں کے کردار کو مستقبل میں اور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی۔

اس سلسلہ میں گزشتہ سال کے دوران اہم واقعہ پاک بھارت فورم برائے امن اور جمہوریت کا سامنے آنا تھا۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے (مسئلہ کشمیر کے پس منظر میں) یو ایس انسٹی ٹیوٹ آف پیس کے بعد یہ دوسرا ایسا فورم تھا جو اس تیزی سے منظر عام پر آیا ہے۔ فورم پاکستان اور بھارت کے لبرل دانشوروں پر مشتمل ہے جو "امن" اور "ترقی" کو فروغ دینے کا نعرہ لے کر اٹھے ہیں اور برصغیر میں دوستی کے ماحول کا قیام جن کا "مقصد" ہے۔ گزشتہ سال کے دوران فورم نے دو سیمینار منعقد کیے جن میں دونوں اطراف کے تقریباً ۲۰۰ کے لگ بھگ دانشور شریک ہوئے۔ اس سلسلہ کا پہلا سیمینار ۲۴، ۲۵ فروری ۹۵ء کو دہلی میں منعقد ہوا جس میں دونوں ملکوں پر الزام لگایا گیا کہ مسئلہ کے حل میں قطعاً دلچسپی نہیں لے رہے ہیں جس سے جنوبی ایشیا کے امن کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ فورم نے مسئلہ کشمیر کو متنازعہ مسئلہ قرار دیتے ہوئے دونوں ملکوں پر زور دیا کہ وہ کشمیری عوام کے ساتھ مل کر مسئلہ کوئی حل تلاش کریں۔

نومبر ۹۵ء کے دوسرے عشرے میں فورم نے لاہور منعقدہ اپنے دوسرے سیمینار میں مسئلے پر دوبارہ غور و خوض کیا اور چند دوسری نئی تجاویز بھی پیش کیں جن میں تین سال کے اندر مشترکہ طور پر کشمیر کی سرحدوں پر تعینات افواج میں ۲۵ فیصد کمی کی تجویز بھی شامل تھی۔ علاوہ ازیں مشترکہ نصابی کتابوں کے اجراء اور ثقافتی تعاون کے فروغ کی تجاویز کو بھی سیمینار کے ایجنڈہ میں بنیادی اہمیت حاصل رہی۔ فورم کی سیمینار میں پیش کردہ تجاویز اور مشوروں کا جائزہ لیا جائے تو یہ تحریک مخالف قوتوں کی بازی گری کا کھلا نمونہ ہے جس کی ہر تجویز اور اپیل میں جارح اور مفتوح کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا گیا ہے جبکہ دوسری طرف "جمہوریت" کے غم میں ہلکان ہوئے جانے والے یہ نام نہاد دانشور اتنی بھی وسعت قلبی یا جمہوریت نوازی کا مظاہرہ نہ کر سکے کہ سیمینار میں کم از کم کسی ایک ہی کشمیری دانشور کو بھی مدعو کر لیتے۔ جو لوگ پاکستان اور بھارت پر ایک ہی سانس میں الزام لگا رہے ہیں کہ وہ مذاکرات میں کشمیری عوام کو

نمائندگی نہ دے کر ہٹ دھرمی اور عدم رواداری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ جب وہ خود ہی اس اصول یا نظریہ کو نظر انداز کر کے اکیلے ہی کشمیر کے مستقبل کی صورت گری کرنے چل پڑیں تو اسے بچگی تماشہ یا چوں چوں کا مربہ کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

گزشتہ چند سالوں کے دوران پاکستان نے ہر پلیٹ فارم پر اس بات کو بڑی شد و مد سے اٹھایا ہے کہ بھارت پر تمام ممالک مل کر معاشی پابندیاں عائد کر دیں تاکہ اسے اس فیصلہ پر مجبور کیا جا سکے کہ وہ کشمیری عوام کو ان کا حق خود ارادیت دے دے۔ یہ مطالبہ اس اعتبار سے بھی اپنے اندر بڑی جامعیت اور وسعت رکھتا تھا کہ جدید دور میں کسی بھی ملک کو اگر کسی بات پر مجبور کرنا ہو تو اس کے لیے شاید ہی معاشی پابندیوں کے ہتھیار سے بڑھ کر کوئی ہتھیار کارگر ہو۔

بین الاقوامی سطح پر پاکستان کے اس مطالبہ کو اس وقت ایک متاثر کن حد تک پذیرائی مل گئی جب ۱۹۹۳ء میں او آئی سی نے اپنے ایک اجلاس میں متفقہ طور پر اس قرارداد پر کہ مسلم امہ اجتماعی طور پر فوراً بھارت پر تجارتی پابندیاں عائد کر دے تاکہ اسے مجبور کیا جا سکے کہ وہ کشمیری عوام کے بالکل جائز اور منصفانہ مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں حق خود ارادیت دے دے۔ او آئی سی کے اس فیصلے پر عملدرآمد ہونا باقی تھا اور یہ توقع کی جا رہی تھی کہ تنظیم عنقریب اس جانب کوئی بڑا اہم قدم اٹھائے گی۔ اس خیال کو اس وقت مزید تقویت ملی جب تنظیم نے ایک انتہائی دلیرانہ قدم اٹھاتے ہوئے بوسنیا پر عائد ہتھیاروں کی پابندی کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے ہتھیار فراہم کرنے کا اعلان کر دیا لیکن امید اور توقعات کے اس سلسلہ پر اس وقت اوس پڑ گئی جب حکومت پاکستان نے دسمبر میں اپنے ہی مطالبہ کے بالکل علی الرغم بھارت سے کھلی تجارت کرنے کا باضابطہ فیصلہ کر لیا۔ حکومتی ارکان نے اس فیصلہ کی توجیح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ دراصل پاکستان گیٹ اور سیپا معاہدوں کا رکن ہے جن میں اسے اس بات کا پابند ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہمسایہ ممالک سے ترجیحی تجارتی تعلقات قائم کرے گا۔

حکومت کی اس توجیح کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ دلیل محض ڈھکوسلے سے بڑھ کر کچھ نہیں کیونکہ گیٹ اور سیپا پر بے شمار ممالک نے دستخط کیے ہوئے ہیں لیکن انہوں نے کبھی اپنے قومی موقف یا مفادات کو ان معاہدات کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیا خود بھارت کی مثال ایسی ہی رہی ہے۔ اور رہے گی اور یہی ان کی راج نیتی ہے کہ اپنے ہمسائے کو روند کر آگے نکل جاؤ اور آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ شاید آج یہ بات کچھ عجیب لگے لیکن بھارت کی ہر حکومت نے ہمیشہ ایک ہی خواب دیکھا ہے بھارت کے سپر پاور بننے اور ساری دنیا کو فتح کر لینے کا خواب۔ ان حالات میں اگر ہم آپس میں جوتیوں میں دال ہی بانٹتے رہے تو ہمارا بھی خدا ہی حافظ ہوگا۔

کشمیری تو بے گناہ ہیں

ایک انتہائی افسوس ناک خبر نے یقیناً ہر دردمند پاکستانی کا دل دکھایا ہوگا کہ برادر اسلامی ملک ایران نے کشمیر کو بھارت کا باقاعدہ حصہ قرار دے دیا ہے۔ اور یکایک کشمیر سے متعلق ایرانی پالیسی تبدیل ہوگئی ہے۔ جس کا انکشاف پہلی مرتبہ ایرانی پارلیمنٹ کے فارن پالیسی کمیشن کے وائس چیئرمین محمد جواد لاریانی کے اس بیان سے ہوا جو ۲۸ اکتوبر کو تہران ٹائمز میں شائع ہوا ہے۔ یہ بیان جواد لاریانی نے ایران میں افغان مسئلہ پر منعقد ایک کانفرنس میں شرکت کرنے والے بھارتی وفد کے ارکان سے ملاقات کے وقت دیا جس میں انہوں نے بھارتی وفد سے کہا کہ کشمیری مسلمانوں کو مکمل حقوق اور آزادی ہونی چاہیے اور انہیں آزادانہ طور پر بھارت جیسے بڑے خاندان "بگ فیملی" کے اندر رہنا چاہیے۔ یہ شائد پہلا موقع ہے جب ایران کے کسی بااختیار رہنما نے کھل کر کشمیر کے مسئلے پر بھارت کی نہ صرف حمایت کی ہے بلکہ اپنے نقطہ نظر میں یکسر تبدیلی بھی پیدا کرلی ہے اور کشمیر سے متعلق اپنا قدیم موقف یکایک تبدیل کردیا ہے۔ ایران کی طرف سے ایسے بیان کی ایک وجہ تو ایران کی طلب کردہ حالیہ کانفرنس برائے افغانستان میں پاکستان اور سعودی عرب کی عدم شمولیت ہی ہوسکتی ہے کیونکہ اس کانفرنس میں ایران نے افغان مسئلے پر بھارت اور ترکی کو بھی شامل کیا تھا جبکہ مسئلے کے دونوں بڑے فریق سعودی عرب اور پاکستان نے شمولیت سے معذرت کردی تھی۔ پاکستان کی معذرت کی وجہ تو سمجھ آتی ہے لیکن اس کانفرنس میں بھارت کو گھسیٹنے کا کیا جواز ہے؟ لیکن ترکی کی طرف سے اس مسئلے میں مداخلت سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ افغانستان میں معزول صدر برہان الدین ربانی اور طالبان کے درمیان جنگ میں اب ترکی بھی شریک ہوگیا ہے اور اس نے جنرل عبدالرشید دوستم کی فوجوں کے لیے انسانی نوعیت کی امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ نظام تانسو چلر نے کہا ہے کہ دوستم نے اس سلسلے میں کئی درخواستیں دی تھیں۔ احمد شاہ مسعود، دوستم، حکمت یار اور عبدالرب رسول سیاف کا ربانی سے اتحاد تو سمجھ میں آتا ہے اور گزشتہ دنوں ایران کے ایک

وفد نے شمالی افغانستان میں ان لیڈروں سے ملاقات بھی کی ہے۔ لیکن ترکی کے ملوث ہونے کی ایک ہی وجہ ظاہر ہوتی ہے اور وہ ہے دوستم کے ساتھ ترکوں کا نسلی تعلق۔ دوستم افغانستان کے ازبک باشندوں کی ترکی النسل گروپ سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاہر ہے جس طرح افغانستان میں روس اور بھارت کی دخل اندازی زیادہ ٹھوس بنیادوں پر ہے اس کے مقابلے میں یہ جواز نہایت کمزور ہے۔ پھر نیٹو میں ترکی کی شمولیت اور اس کے سیکولر ڈھانچے کے باوصف یہ نسلی بنیاد وزن نہیں رکھتی۔ یہ درست ہے کہ وہاں نجم الدین اربکان قدم جمارہے ہیں اور افغانستان میں "اسلامائزیشن" سے انہیں ہمدردی ہوسکتی ہے لیکن روس اور بھارت کے متوازی اس قصے میں ملوث ہونا کسی اور معاملے کی خبر لاتا ہے جو ابھی واضح نہیں۔

روس نے افغانستان سے پسپائی میں جو شرمندگی اٹھائی اس کے بعد اس کے تمام تر ایکشن قابل فہم بھی ہیں اور اس سے یہی توقع ہوسکتی ہے، بھارت کو افغانوں کی خانہ جنگی سے کیا چیز عزیز ہوسکتی ہے، ایران کی اپنی وجوہ ہیں اور وہ پاک افغان کنکشن کے حوالے سے اپنے اقدامات چھپا بھی نہیں رہا البتہ روس بھارت، ایران کا یہ غیر اعلانیہ شدہ "اتحاد ثلاثہ" آنے والے دنوں میں زیادہ خونریزی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے جس کی بنیادیں رکھی جارہی ہیں کہ ربانی کی حلیف قوتوں نے ہرات پر قبضے کا منصوبہ بنالیا ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ ایرانی وفد نے جنگی حکمت عملی وضع کی ہے۔ ایرانی طیارے مزار شریف میں سامان پہنچارہے ہیں، روس میزائل پہنچارہا ہے اور ترکی نے اپنی امداد کی وضاحت نہیں کی۔ اس طرح جو کھچڑی پک رہی ہے اس سے علاقے کا امن متاثر ہوسکتا ہے اگرچہ تہران کانفرنس میں متحارب دھڑوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ باہمی اختلافات پرامن ذرائع سے حل کریں۔ لیکن غیر اعلانیہ اتحاد ثلاثہ کی شکل میں جو سرگرمیاں ہورہی ہیں ان کے بعد امن کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ جہاں تک ایران کی اس کانفرنس کا تعلق ہے تو اس میں پاکستان اور سعودی عرب ہی کیا کسی قابل ذکر افغان دھڑے نے بھی شرکت نہیں کی اور اہم گروہوں کی عدم موجودگی اس کانفرنس کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شائد برادر ایران نے پاکستان کی عدم شرکت کا غصہ اتارنے کے لیے ایسا پریشان کن بیان جاری کردیا ہے اور دوسری طرف بھارت اور ایران کے تعلقات میں ہونے والی پیش رفت کا بھی مشاہدہ ہے۔ برادر ایران سے متعلق حکومت پاکستان کی پالیسی کچھ بھی رہی ہو لیکن بظاہر آج تک ایسا نہیں ہوا کہ پاکستان کی حکومت نے ایران کے معاملات میں دخل اندازی کی ہو یا بین الاقوامی سطح پر کبھی ایرانی مفادات کو زک پہنچانے کی دانستہ کوشش کی ہو جہاں تک ایران کی اس شکایت کا تعلق ہے کہ پاکستان کا جھکاؤ امریکہ کی طرف ہے اور وہ امریکہ کو اپنا دشمن نمبر ایک قرار دیتا ہے تو یہ بات جان لینی چاہیے کہ امریکہ کے کسی پلیٹ فارم سے کسی پاکستانی حکومت نے ایران کے خلاف کی جانے والی کسی کارروائی میں کوئی

حصہ نہیں ڈالا۔ اس کے باوجود ممکن ہے کہ ایسے حقائق ہوں جو پاکستانی عوام کے علم میں نہ رہے ہوں اور ایران اس سے آگاہ ہو لیکن ایک بات تو اظہر من الشمس ہے کہ پاکستانی عوام کی ایران سے ہمدردیاں غیر مشروط ہیں اور پاکستان میں ہر مکتب فکر کے لوگوں نے ایرانی انقلاب کو کھلے دل و دماغ سے نہ صرف قبول کیا بلکہ پاکستانی میڈیا میں کئی پاکستانی دانشوروں نے جب بھی یہ محسوس کیا کہ ہماری حکومت کا کوئی اقدام ایران کی ناراضگی کا باعث ہو سکتا ہے تو انہوں نے حکومت پر کھل کر تنقید کی اور باور کروایا کہ ایسا کرنے سے تعلقات بگڑ سکتے ہیں۔

اگر پاکستان نے اس کانفرنس میں شرکت نہیں کی تو اس کے ذمہ دار کشمیری عوام نہیں برادر ایران کے نقطہ نظر میں اس اچانک تبدیلی کے تحریک آزادی پر بڑے برے اثرات مرتب نہیں ہوں گے بلکہ خدانخواستہ اس سے آگے بھی بات کی جا سکتی ہے۔ طاغوتی طاقتیں تو یہی چاہتی ہیں کہ مسلمان ممالک کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی وسیع کر دی جائے کہ وہ چاہنے کے باوجود اسے نہ پاٹ سکیں اور ان کے آپس کے معاملات اتنے زیادہ الجھا دیئے جائیں کہ اتنی آسانی سے اس خطے میں کھل کھیلنے کا مقصد حل ہو سکے اور اس مقصد کے لیے کبھی وہ براہ راست خود سامنے آ جاتے ہیں کبھی اپنے کسی بھارت جیسے ساتھی کے ذریعے یہ مقاصد حاصل کر لیتے ہیں۔ پاکستانی عوام امید کرتے تھے کہ برادر ایران کی قیادت صورت حال کا ٹھنڈے دل و دماغ سے جائزہ لے کر اس بیان کی نفی کرے گی اور کشمیری مسلمانوں کو قطعاً یہ احساس نہیں ہونے دی گی کہ وہ کم از کم ایران کی اخلاقی حمایت سے ہی محروم ہو گئے ہیں۔

بڑی خوش آئند بات ہے کہ ایرانی قونصلیٹ کی طرف سے جناب تقی زادہ نے بیان جاری کیا ہے کہ ایران کی کشمیر سے متعلق پالیسی تبدیل نہیں ہوئی۔ امید کی جانی چاہیے کہ مستقبل میں کشمیری عوام کو جو اپنی جدوجہد آزادی کے آخری مراحل میں داخل ہو چکے ہیں ایران کی حمایت حاصل رہے گی۔

کشمیری خواتین اور جہاد آزادی

سنگرامہ کا ۲۷ سالہ محمد امین جسے امین تیلی کہا جاتا تھا۔ گندمی رنگ کا گول مٹول چہرے والا بڑا ذہین باوقار اور خوش اخلاق لڑکا تھا، لیکن وہ میٹرک سے زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکا اور اب جوتوں کی ایک دکان میں سیلز مین کی نوکری کر رہا تھا۔ وادی میں جہاد کا غلغلہ اٹھا تو اس نے نوکری چھوڑ دی اور ٹریننگ کیمپ کا رخ کیا دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک ممتاز کمانڈر بن گیا۔ ایک عسکری شہ دماغ، ۱۵۰ چھاپہ مار اس کی کمان میں تھے اس کے رعب و دبدبے کا یہ عالم تھا کہ سوپور کے اس علاقے میں جہاں اس کی ذمہ داری تھی، بھارتی فوج داخل ہونے کی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ ۸ ستمبر ۱۹۹۰ء کو اس نے شہر کے باہر جلدی میں بنائے گئے ایک منصوبے کے تحت ایک کانوائے پر گھات لگا کر حملہ کیا۔ اچانک اس وقت جب اس نے سر باہر نکال کر "مورچے" سے جھانکنے کی کوشش کی ایک گولی اس کے سر پر لگی اور وہ آن واحد میں شہید ہو گیا۔ سوپور میں یہ ایک یوم سیاہ تھا علاقے کا بہترین کمانڈر اٹھ گیا تھا۔ یوں تو کھاوگاؤں میں اس کی لاش گھر لے جائی گئی تو اشکبار ہجوم نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ امین کی والدہ نے غسل کیا، اپنا بہترین لباس پہنا اور رونے والی عورتوں سے کہا، یہ شہید کے استقبال کا لمحہ ہے لہٰذا انہیں رونا اور چیخنا چلانا نہیں چاہیے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔

امین کی والدہ اپنی نوعیت کی تنہا مثال نہیں، جیسا کہ اب مسلمہ طور پر کہا جاتا ہے عہد جدید کی جنگوں میں اس ایثار اور حوصلے کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی جس کا مظاہرہ مقبوضہ کشمیر کی خواتین نے کیا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ وہ بھارتی فوجوں کی درندگی کا نشانہ بنی ہیں کشمیری عورتوں نے پوری خوش دلی اور کمال جوش و خروش سے کئی محاذوں پر کام کیا ہے۔

انہوں نے سیاسی مظاہروں میں حصہ لیا اور وہ اسلحہ ایک سے دوسرے مقام پر منتقلی میں اہم

کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ کریک ڈاؤن اور آبادیوں کے اندر اکا دکا مجاہدین پر حملوں کی صورت میں بعض اوقات وہ ان ہتھیاروں پر رکھ کر ان کی حفاظت کرتی ہیں وہ اپنے جوان سال بیٹوں کو میدان جنگ میں اترنے پر آمادہ کرتی ہیں اور بعض اوقات تو ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے بیٹے کو جنگ کے حوالے کر دیتی ہیں۔ اسلام آباد میں مقیم ممتاز کشمیری دانشور اشرف صراف نے کہا مقبوضہ کشمیر میں ہمارے مرد مصروف ہیں اور عورتیں بھی، مردوں کے پاس اسلحہ ہوتا ہے مگر ہماری خواتین اسلحہ کے بغیر جنگ میں شریک ہیں۔

پٹن کی آمنہ بیگم کے بیٹے غلام جیلانی نے سری نگر یونیورسٹی سے بی ایس سی کا امتحان پاس کیا تو وہ چاہتی تھی کہ ان کا بیٹا جموں یونیورسٹی سے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کرے ۱۹۸۹ء میں اسے مشکل سے یونیورسٹی میں داخلہ ملا لیکن انہی دنوں جہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کے شوہر غلام حسن وانی شہر کے ایک ممتاز تاجر تھے اور تاجروں کے ... ان دنوں تحریک آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں تہاڑ جیل میں تھے۔ بیٹا زیر تعلیم تھا لیکن جب اسے پیغام ملا تو وہ اسی حال میں اپنے ہوسٹل سے روانہ ہوا کہ وہ اپنا بستر اور کتابیں اپنے کمرے میں ہی چھوڑ آیا۔ چار سال جہاد میں شریک رہنے کے بعد ۱۹۹۳ء میں اس نے جان دی۔ اس دوران اس نے اپنے چھوٹے بیٹے سے جسے لاڈ سے "صاحبا" کہا جاتا تھا اور جس کے راولپنڈی میں مقیم دوستوں کو ذہن پر زور دینے کے باوجود اس کا اصل نام یاد نہیں آتا، ماں نے ہجرت کر کے سرحد پار جانے اور جہاد کی تربیت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ بیٹے نے تین بار سرحد عبور کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ اس خوف سے کہ کہیں ماں غلط فہمی میں اسے بزدل اور نکما نہ سمجھ لے۔ وہ سوپور میں اپنے ماموں کے ہاں جا چھپا۔ سوپور سے پٹن جاتے ہوئے اسے فوج نے گرفتار کر کے تشدد کیا اور اسے مردہ سمجھ کر ایک پہاڑی پر چھوڑ گئے۔ گاؤں والوں نے اس کا علاج کرایا اور صحت مند ہو کر وہ جہاد میں شریک ہو گیا۔

"مہم کی حقیقی میں تو کشمیری عورتوں کا کردار ایسا ہے کہ جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا" گاؤ خاتون" سے کوپرے کے نوکروں میں رائفلیں رکھ کر آبادیوں سے نکلتیں ایک خاتون کیلئے جو بھارتی فوجیوں کی دہشت دورندگی کا شکار ہو سکتی ہے یہ کس قدر خطرناک اور مشکل کام ہے لیکن کشمیری عورتوں نے تمام خطرات مول لے کر یہ فریضہ انجام دیا۔ ڈوڈہ کی فاطمہ اس سلسلے کی ایک بہترین مثال ہے۔ اس نے وادی کشمیر سے ہندو اکثریت کے شہر ڈوڈہ تک کئی بار اسلحہ منتقل کیا۔ ایک بار تو وہ وادی سے گوجر نگر جموں تک دو پستول ایک وائرلیس سیٹ اور کئی دستی بم لے کر گئی۔ اس نے یہ سب کچھ اپنے جسم کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ راستے میں جگہ جگہ مردوں کی تلاشی لی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی تلاشی بھی لی جا سکتی تھی۔ بھارتی

عورتوں کے ساتھ مہربانی سے پیش نہیں آتے مگر فاطمہ کے غیر معمولی اعتماد نے اسے محفوظ رکھا۔ کشمیری عورتیں عام طور پر جنگ میں براہ راست حصہ نہیں لیتیں۔ لیکن ضرورت پڑے تو وہ اس سے گریز بھی نہیں کرتیں یہ فاطمہ ہی کا واقعہ ہے۔ جب ڈوڈہ میں بھارتی فوجیوں نے ایک مکان میں چھپے تین مجاہدوں کو گھیر لیا تو فاطمہ نے اس پر عقب سے فائر کھول دیا۔ وہ پوزیشن بدل بدل کر فائرنگ کرتی رہی حتیٰ کہ مجاہدین مدد کے لیے آپہنچے۔ عام طور پر جہاد میں حصہ لینے والوں کو خاندان میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن فاطمہ اس سلسلے میں خوش قسمت ثابت نہ ہوئی۔ جب وہ اس معرکے کے بعد گھر پہنچی تو خاوند اس کی منتظر تھا ... ہو گئی۔ اس نے کہا عورتوں کی جنگ میں شرکت ضروری نہیں۔ وہ دوسرے طریقوں سے مجاہدین کی مدد کر سکتی ہے۔ فاطمہ نے جواب دیا۔ "میں نے نکاح کے وقت اجازت طلب کرنے والے وکیل سے کہا تھا کہ خاوند کا ہر حکم تسلیم کروں گی لیکن جہاد میں شرکت سے منع کیا گیا تو یہ حکم میرے لئے قابل قبول نہ ہوگا۔"

اس کی شجاعت کا ہمیشہ یاد رکھے اور دہرائے جانے والے واقعہ وہ ہے جب اس نے ۱۴ اگست ۱۹۹۲ء کو ڈوڈہ میں آٹھ مقامات پر دستی بم پھینک کر بھارتیوں کو ہراساں کر دیا۔ یہ مجاہدین کے لیے بڑا مشکل دن تھا انہوں نے پہلے سے پاکستان کا یوم آزادی منانے کا اعلان کر رکھا تھا لیکن ہزاروں بھارتی فوجیوں نے شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ ہر سڑک اور ناکے پر کھڑے تھے۔ فاطمہ اپنے پڑوسی آصف رانا کو ساتھ لے کر ایس پی کے دفتر کے باہر پہنچی اور پہلا بم پھینکا۔ فوجی بھاگ کھڑے ہوئے آصف کے اصرار کے ساتھ منع کرنے کے باوجود دوسرا بم بسوں کے اڈے پر پھینکا گیا۔ گھر سے لائے گئے آٹھوں بم پھینکنے کے بعد وہ گھر لوٹی۔

ڈوڈہ کے علاقے "جاٹ گڑھ" کی ۱۶ سالہ راجہ کی کہانی بھی گھر گھر دہرائی جاتی ہے۔ اس نے اپنے بھائی ایاز اللہ سے رائفل چلانا سیکھی تھی۔ ۱۶ نومبر ۱۹۹۱ء کو جب ایاز اللہ کے علاوہ اس کے دونوں چھوٹے بھائی چودہ سالہ اعجاز اور ۱۲ سالہ عرفان گھر میں تھے، سینکڑوں بھارتی فوجیوں نے مکان کو گھیرے میں لے لیا۔ مخبر نے اطلاع دی تھی کہ خطرناک کمانڈر ایاز گھر میں چھپا ہے، لیکن بھارتیوں نے لاؤڈ سپیکر پر ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا تو ان پر جواب میں گولیوں کی بارش ہوئی۔ ایاز کے دونوں چھوٹے بھائی اور راجہ بھی فائرنگ کر رہے تھے۔ کمانڈر کے گھر میں بہت سا اسلحہ تھا۔ گھنٹوں تک مقابلہ کرنے اور درجنوں افراد کی ہلاکت کے باوجود بھارتیوں نے مکان پر مارٹر کے گولے برسائے چنانچہ اعجاز اور عرفان کے بعد رابعہ اور پھر ایاز بھی شہید ہو گیا۔

راولپنڈی میں مقیم ایجوکیشن کالج سری نگر کے سابق پروفیسر نذیر شال کو ۱۹۸۹ء کا وہ دن آج

تک جاری ہے جب خواتین روغن کے ڈبے اور برش اٹھائے شہر میں بھی بورڈوں سے نقش تصاویر مٹا رہی تھیں وہ کہتے ہیں "خواتین ہی نے ہماری اقدار کی حفاظت کی ہے۔" ان دنوں جب یہ تحریک اپنی وادی کشمیر میں اہم موڑ پر بھارت کی بنک کی نوٹوں میں مخصوص سیاہ کشمیری برقعے اور چادروں کے کپڑے کی مانگ کئی گنا بڑھ گئی۔ خواتین جلوسوں میں شرکت کرتیں۔ سیاسی محاذ پر جماعت اسلامی کی ''بنات اسلام'' اور آسیہ اندرابی ''دختران ملت'' نے عورتوں کو منظم کیا اپنے شوہر اور ایک سالہ بچے کے ساتھ قید و بند کی آزمائش سے گزرنے والی آسیہ اندرابی کو اسی محاذ پر اپنی جدوجہد کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل ہوئی۔ کشمیری خواتین سے منسوب بعض واقعات تو اتنے ولولہ انگیز ہیں کہ بادی النظر میں قابل یقین نہیں لگتے۔ مثلاً سمری سوپور کی ایک خاتون نے اس وقت اپنے مکان کو آگ لگا دی جب بھارتی اس میں چھپے مجاہدین کو گرفتار کرنے آئے۔ تیسری منزل پر چھپے مجاہد تو چھت پھلانگ کر فرار ہو گئے۔ لیکن اس آگ میں پہلی منزل میں موجود خاتون کا شوہر جھلس گیا۔ الوسہ بانڈی پور کی عزی کے چھ سالہ بچے کو ندی میں اتنے غوطے دیئے گئے کہ اس کی موت کا خطرہ پیدا ہو گیا لیکن ماں نے ماننے سے انکار کر دیا کہ اسے مجاہدین کے اسلحہ کے بارے میں کوئی علم ہے۔ بھارتیوں کی واپسی کے بعد جب عزی نے اسلحہ مجاہدین کے حوالے کیا اور انہیں تفصیل معلوم ہوئی تو وہ ششدر رہ گئے۔ ککنن پور پلوامہ کی مجاہدین کے لیے اسلحہ جمع کرنے والی [illegible] تشدد اور عصمت دری کے بعد قتل کر دی گئی لیکن بھارتی فوجی مجاہدین اور اسلحہ کے بارے میں کوئی راز اس سے اگلوا نہ سکے۔

حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر سید صلاح الدین کہتے ہیں "یہ کشمیری خواتین کی وجہ سے ہے کہ آزادی کی چنگاری نے شعلے کی صورت اختیار کی۔ صبح آزادی طلوع ہونے تک یہ شعلہ بھڑکتا رہے گا۔"

تازہ بھارتی جارحیت

آمدہ اطلاع کے مطابق بھارت نے کرغیزستان سے اپنا تازہ ترین سیٹلائٹ لانچ کیا ہے اور کسی بھی خوش فہمی میں مبتلا ہوئے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ذریعے پاکستان کی جنگی تیاریوں پر نظر رکھی جائے گی یاد رہے کہ اس سے پہلے ''را'' نے اپنے تین سیٹلائٹ بھی فضا میں چھوڑے ہوئے ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے ''دشمنوں'' کی سرگرمیوں کی مانیٹرنگ کرتے رہتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو لامحدود اختیارات اور بجٹ بھارت کی اس سپریم انٹیلی جنس ایجنسی کو حاصل ہے اس کی مدد سے اس نے الیکٹرونک جاسوسی کے میدان میں محیر العقول کامیابیاں حاصل کر لی ہیں اور نہ صرف ان آلات کی مدد سے ان کی مداخلت خصوصاً پاکستان کے داخلی معاملات میں روز بروز بڑھنے لگی ہے بلکہ وہ پاکستان انٹیلی جنس ایجنسیوں کے لیے ہر روز کوئی نہ کوئی مسئلہ بھی کھڑا کر دیتے ہیں۔

حال ہی میں بھارتی میڈیا پر پھر کسی پراسرار جہاز کو بزور بمبئی میں لینڈ کروانے کا غلغلہ مچا ہے بھارتی ایجنسیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اس جہاز کے ذریعے جس نے کراچی میں ری فیولنگ کی تھی بھارتی صوبہ بہار میں اسلحہ گرایا گیا ہے جو بعد میں تخریب کاری کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جہاز کا عملہ گرفتار ہے اور ان کی تفتیش کی جا رہی ہے لیکن بھارتی میڈیا کی طرف سے آئی ایس آئی پر الزامات کی بوچھاڑ ہو چکی ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ اسلحہ آئی ایس آئی نے تخریب کاروں کے لیے گرایا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ابھی تک ان تخریب کاروں کے جغرافیے کا علم بھارتی حکام کو نہیں ہو سکا۔ وہ ایک آشرم کے پیروکاروں پر الزام لگا رہے ہیں جن سے شاید بھارت کا کوئی ہندو بھی اتفاق نہیں کرے گا کیونکہ یہ ہندوؤں کا ہی ایک فرقہ ہے جس کے ساتھ کبھی حکومت کا کوئی تصادم نہیں ہوا یہ الگ بات کہ حکومت اس آشرم کے آٹھ سادھوؤں کو پکڑ کر لے گئی اور تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پھر انہیں تفتیش میں بے گناہ قرار دے کر واپس بھی چھوڑ گئی۔

بھارتی حکومت کا یہ پرانا طریقہ واردات ہے کہ وہ اپنی جارحانہ کارروائیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی کے خلاف کوئی نہ کوئی معاندانہ پراپیگنڈہ مہم جاری رکھتے ہیں۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ "را" نے گزشتہ تین چار ماہ میں پاکستان میں تخریب کاری کی وارداتوں کا از سر نو آغاز کیا ہے اور ملک کے مقتدر حلقوں کی طرف سے یہ بات تکرار سے کہی جا رہی ہے کہ پشاور میں ہونے والے دھماکے میں صرف "خاد" ہی ملوث نہیں بلکہ "را" کی پشت پناہی کے بغیر اس نوعیت کی تخریب کاری ہو ہی نہیں سکتی اور افغان امور کے ماہر سابق ڈائریکٹر آئی ایس آئی جنرل (ر) حمید گل نے یہ بات کھل کر کہہ دی ہے کہ اس دھماکے میں افغان حکومت کے ملوث ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ "را" کی کارروائی ہے۔ ایسے ہی خیالات کا اظہار جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کی جانب سے بھی کیا گیا ہے۔

پاکستان میں ہونے والی تخریب کاری کی اس واردات کا جائزہ لینے کے لیے امریکہ کی ایک ٹیم بھی پاکستان آئی ہوئی ہے مصر نے بھی اپنے ماہرین کو بھیجا ہے۔ ان غیر ملکی ماہرین کی موجودگی سے ممکن ہے یہ حقیقت سامنے آ جاتی یہی وجہ ہے کہ بھارتیوں نے ساری دنیا کی توجہ مبذول کروانے کے لیے اچانک اپنے ملک میں کسی ہوائی جہاز سے اسلحہ گرائے جانے کی خبر اڑا دی۔ اب تک چار جہازوں کو یکے بعد دیگرے بھارتی اپنے ملک میں لینڈ کرنے پر مجبور کر دیا اور بھارتی وزیر داخلہ ایس بی چوہان نے اس کا ذمہ دار بھی پاکستان کو قرار دے دیا لیکن ۲۱ دسمبر کو بھارتی وزیراعظم نرسیما راؤ نے پاکستان کا نام لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی کی تحقیقی رپورٹ آنے سے پہلے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس حرکت کا ذمہ دار کون ہے؟ جبکہ روس نے جس کا ایک جہاز جو کراچی سے اڑا تھا اور بھارت نے اسے بھی اترنے پر مجبور کیا۔ بھارت سے اس کے خلاف سخت احتجاج کر رہا ہے۔

دوسری طرف پاکستان میں تخریبی کارروائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ کراچی میں ہونے والی قتل و غارت گری میں بھارتی ہاتھ کی مداخلت پر کوئی دوسری رائے نہیں ہے اور اب پنجاب کے مختلف شہروں میں بھی بسوں اور دیگر مقامات پر دھماکوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ادھر بھارت نے پاکستانی سرحدوں کے نزدیک اپنی جنگی مشقوں کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہوا ہے۔ اور امریکی جریدے "فیارت" کی اطلاع کے مطابق ان جنگی مشقوں میں جو حکمت عملی اپنائی جا رہی ہے اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ بھارت پاکستان پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اگر ہمارے ملک کی حالت دیکھی جائے تو یہ خبر کچھ عجیب بھی معلوم نہیں دیتی۔

… کے مطابق اس وقت پاکستان کے حالات مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے

ہے بھارتی حملے کے لیے سازگار ماحول فراہم کرتے ہیں اور کوئی بھی دشمن ملک اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ایسے سنہری مواقع کو ضائع نہیں کر سکتا۔ بھارت کو مقبوضہ کشمیر میں موجودہ صورتحال سے نمٹنے کا حوصلہ سری لنکا سے ملا ہے، جہاں سری لنکا کی حکومت نے ہزاروں تامل باغیوں کو قتل عام کر کے جافنا پر قبضہ کر لیا ہے۔ جریدے نے چار وجوہات بیان کی ہیں جو بھارت کو پاکستان پر حملے کے لیے ماحول فراہم کرتی ہیں۔ سب سے اہم اور بنیادی وجہ پاکستان کا اندرونی خلفشار ہے جو خانہ جنگی کی سطح پر پہنچ چکا ہے، دوسری وجہ جمہوری اور سیاسی اداروں کی تباہی ہے جو معمول کے مطابق کام نہیں کر رہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان دیوالیہ ہونے کے قریب ہے اور حکومت کے جاری کردہ چیکوں کا "باؤنس" ہونا معمول بن گیا ہے۔ جریدے کے مطابق چوتھی اور اہم ترین وجہ پاکستانی فوج میں خلفشار ہے۔ اگر اس پر فوری طور پر قابو نہ پایا گیا تو یہ مزید بڑھے گا۔ جریدے نے مزید کہا ہے کہ پاکستانی عوام بے یقینی، کنفیوژن اور بے حسی کا شکار ہے اور دانشور طبقے کا رویہ لاپرواہی کا ہے، یہی وہ عوامل ہیں جو کسی قوم اور ملک کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کافی ہیں۔ بھارتی اخبار نیوز ڈے کے مطابق بھارت نے ایٹمی دھماکے کے بعد ہائیڈروجن کا دھماکہ کرنے کی صلاحیت بھی حاصل کر لی ہے اور اب بھارتی ایٹمی توانائی کمیشن اور دفاعی تحقیق کے ماہرین دھماکہ کرنے کی حکومتی اجازت کے منتظر ہیں۔ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ بھارت اب اس کشمکش میں مبتلا ہے کہ وہ اس کا دھماکہ کب کرے۔ اخبار کے مطابق بھارت نے ۱۹۷۴ء میں راجستھان کے علاقے پوکھران میں پہلا ایٹمی دھماکہ کیا تھا اس سال ۷ دسمبر کو ہائیڈروجن بم کا دھماکہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا مگر آخری لمحات میں اسے ملتوی کر دیا گیا۔ اخبار کے مطابق وزیراعظم نرسیما راؤ پر دفاعی اداروں کا سخت دباؤ ہے کہ وہ فوراً اس دھماکے کی اجازت دیں تاکہ بھارت اپنے ہمسایہ ممالک پاکستان اور چین کو بتا سکے کہ اس کے پاس کتنی ایٹمی صلاحیت موجود ہے۔

بھارتی وزیراعظم ایٹمی پالیسی کے سلسلے میں تذبذب کا شکار ہیں کیونکہ امریکہ نے دھمکی دی ہے کہ اگر کسی بھی قسم کا ایٹمی دھماکہ کیا گیا تو وہ بھارت کی امداد بند کر دے گا۔ لیکن بھارتی تاریخ شاہد ہے کہ بھارت کے حکمرانوں نے کبھی امریکی دھمکیوں کی پرواہ نہیں کی اور ہمیشہ وہی کیا جو وہ کرنا چاہتے تھے۔ اب تو فرانس کی طرف سے پے در پے ہونے والے ایٹمی دھماکوں کے بعد بھارتیوں کو ایک اور جواز بھی مل گیا ہے اور وہ زیادہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کریں گے۔

پاکستانی حکومت کے دعوے ایک طرف لیکن حقائق کوئی اور ہی تصور دکھاتے ہیں اور کوئی عقل کا اندھا بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ملک میں لا اینڈ آرڈر کی صورتحال ماضی میں کبھی ایسی تباہ کن نہیں رہی جیسی کہ اب ہے اور ہمارا ازلی دشمن اس کا فائدہ نہ اٹھائے اس کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ جو

لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسے حالات نہیں ان کا کہا صرف ایک دلیل کے ساتھ صحیح ہے کہ اب دنیا میں دو سپر پاور نہیں رہیں صرف ایک ہی سپر پاور ہے جس کی اپنی بھی ترجیحات ہیں جن میں شاید بھارت کا پاکستان کے کسی حصے پر قبضہ شامل نہ ہو اور اب دنیا کے کسی بھی ملک کو اپنے ہمسائے پر حملہ کرنے سے پہلے بین الاقوامی دباؤ کو مدنظر رکھنا ہوتا ہے۔ بھارتی حکومت جانتی ہے کہ اس خطے میں امریکہ اس کی برتری ایک حد تک تو برداشت کرے گا لیکن امریکن یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ بھارت جنوبی ایشیا کا پولیس مین بن کر یہاں کے عوام کی تقدیروں کے فیصلے بھی خود کرنے لگے۔

۱۹۹۶ء پاکستان کے لیے بہت سے مسائل لے کر آ رہا ہے جن میں ایک اہم ترین مسئلہ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت کی پاکستان کے خلاف ممکنہ جارحیت ہے۔ پاکستان کی سیکورٹی ایجنسیوں کو بھارت کے نئے سیٹلائٹ لانچنگ کا نوٹس لینا ہوگا اور اس بات کا بطور خاص جائزہ بھی لینا ہوگا کہ اس سسٹم کے ذریعے بھارت ہمارے دفاعی معاملات پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتا ہے۔

بھارت کی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے اپنے ملک کے اندر متعدد مضبوط آزادی اور علیحدگی پسند تحریکوں کا سامنا ہے جس نے اس کے جارحانہ عزائم کے راستے میں دیوار کھڑی کی ہوئی ہے۔ بھارتی ایجنسیاں اس مدافعتی دیوار کو زمین بوس کرنے کے لیے بے پناہ وسائل اور توانائیوں کے ساتھ حملہ آور ہوئی ہیں۔

۱۹۹۶ء ایشیائی ممالک کے لیے اس لحاظ سے بھی اہم ترین سال ہے کہ اس سال میں چین کو ہانگ کانگ کا قبضہ واپس دیا جائے گا کیونکہ ۱۹۹۷ء میں ہانگ کانگ چین کا حصہ بننے والا ہے جس کے عالمی صورتحال پر دور رس نتائج مرتب ہوں گے۔ مقبوضہ کشمیر کی تحریک آزادی اب جس مقام پر کھڑی ہے وہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں نکلتا اور امریکہ کی طرف سے دونوں ممالک پر اپنے تعلقات کو نارمل کرنے کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے دباؤ مسلسل بڑھ رہا ہے۔ ان حالات میں ۱۹۹۶ء سے کیا توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں؟ اس کے دامن سے دھوؤں اور اندیشوں کے جو سانپ لپٹ رہے ہیں ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جائے۔ یہ ہے وہ تلخ سوال جس کا جواب پاکستانی عوام اپنی حکومت کی طرف سے چاہتے ہیں۔

آئی ایس آئی اور بھارتی میڈیا

بھارت سے آمدہ اطلاعات کے مطابق بھارتی ٹیم نے سری لنکا سے جو میچ ہارا ہے اس کی ذمہ دار پاکستان کی سپریم انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی ہے۔ بھارتی میڈیا کے مطابق پاکستان کی شکست کے بعد سے آئی ایس آئی اس کوشش میں تھی کہ کس طرح اس کا بدلہ چکایا جائے جس کے لیے انہوں نے بھارتی ٹیم کے کپتان اظہر الدین سے رابطہ کیا اور اسے خرید لیا جس کے لیے اظہر الدین کے غیر ملکی اکاؤنٹ میں خطیر رقم پہلے سے جمع کروا دی گئی تھی۔ اس طرح آئی ایس آئی نے سری لنکا کے ذریعے بھارتی کرکٹ ٹیم کو رسوا کر کے اپنی شکست کا بدلہ چکا دیا۔

۵ مارچ کو بھارتی راجیہ سبھا میں ممبران کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے وزیر مملکت سید رضی نے کہا کہ بھارت کی شمالی مشرقی ریاستوں میں پاکستانی انٹیلی جنس ایجنسی آئی ایس آئی کی مداخلت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ خصوصاً آسام میں کچھ جنگجو گروپوں کو سرحد پار سے مکمل مدد مل رہی ہے اور بھارتی حکومت نے اس کے لیے بنگلہ دیش سے زبردست احتجاج بھی کیا ہے اور اس ضمن میں بھارتی دفتر خارجہ کا بنگلہ دیش حکام سے مسلسل رابطہ ہے۔

شری رضی نے کہا کہ آئی ایس آئی کی سرگرمیوں کے تدارک کے لیے اس علاقے میں پیرا ملٹری فورسز کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور بھارتی خفیہ ایجنسیوں نے بھی اپنا جال یہاں مضبوط کر لیا ہے۔ صورتحال پر کڑی نظر رکھی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارتی خفیہ ایجنسیوں اور صوبائی اور مرکزی حکومت کی مختلف فورسز کے درمیان تال میل بنائے رکھنے کے لیے مرکزی سطح پر ایک رابطہ کمیٹی "کور گروپ" کے نام سے قائم کر دی گئی ہے جس کے ممبران آپس میں مسلسل رابطہ رکھے ہوئے ہیں اور مشترکہ اور مربوط کارروائیوں کے ذریعے وہ آئی ایس آئی کی مداخلت کو روکیں گے۔

جس نے بنگلہ دیش کو اپنا مرکز بنا کر اس علاقے میں امن و امان کی صورتحال کو تباہ کر کے رکھ دیا

ہے۔ جس طرح بھارتی میڈیا کی طرف سے آئی ایس آئی پر الزامات کا سلسلہ ایک تسلسل سے جاری ہے اور خصوصاً آل انڈیا ریڈیو کی طرف سے جو ماتمی مہم آئی ایس آئی کوئی مافوق الفطرت شے ہے جس کا جب جی چاہے بھارت کے کسی بھی معاملہ کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ بھارت میں کوئی فساد ہو، ہنگامہ ہو، دہشت گردی ہو، قحط ہو، سیاسی سکینڈل ہو یا کوئی اور مسئلہ بھارتی میڈیا اس کا ذمہ دار صرف آئی ایس آئی کو ٹھہراتا اور عموماً آئی ایس آئی پر الزامات کو سچ ثابت کرنے کے لیے بڑی دور کی کوڑی لاتا ہے۔ اظہر الدین چونکہ مسلمان ہے اور ایک عرصے سے بھارتی ٹیم کا کپتان بھی چلا آ رہا ہے جسے متعصب ہندو ایک حد تک ہی برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے کپل دیو اور دیگر بھارتی کھلاڑیوں سے اختلاف کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں لیکن اپنی کارکردگی کی بنیاد پر وہ بھارتی ٹیم کے لیے ناگزیر بھی تھا کیونکہ ان سے پہلے متعدد کپتانوں کا تجربہ بھارتی کرکٹ بورڈ کر چکا تھا۔ اس کے نام "نام نہاد بہی خواہوں" کو یہ امید ضرور رہی ہوگی کہ وہ پاکستان کی مضبوط ٹیم سے ہار جائے گا اس طرح اس کی ہار سے زیادہ اس کا مسلمان ہونا جرم بن جائے گا جس کے بعد اس کا جسمانی یا اخلاقی صفایا آسانی سے ممکن ہوگا لیکن بھارت کے متعصب تماشائیوں نے اپنی روایات کے عین مطابق پاکستانی کھلاڑیوں کو اتنا زچ کر دیا اور ان پر نفسیاتی دباؤ اتنا بڑھا دیا کہ خوف کی اس فضا میں بھارت کو برتری حاصل ہوگئی۔ جس نے اظہر الدین کے ان بہی خواہوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا لیکن سری لنکا کے ہاتھوں بھارت کی شرمناک شکست کے بعد انہیں موقع مل گیا کہ اپنے شیطانی ارادوں کو پورا کر سکیں جس کے بعد انہوں نے اظہر الدین کو آئی ایس آئی سے منسلک کر کے اپنا الو سیدھا کر لیا۔ اب اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ دوبارہ بھارتی ٹیم کا کپتان بن سکے یہ بھی ممکن ہے اب اس کی بھارتی ٹیم ہی سے چھٹی ہو جائے گی۔ مسلمان بھارتی کے احسانات کا بدلہ بھارتی ہندو اس طرح چکایا کرتے ہیں۔

صورتحال یہ ہے کہ کشمیر اور پنجاب کے بعد اب بھارت کی شمالی مشرقی ریاستیں بھی بھارت سے کٹ گئی ہیں۔ آسام، ناگالینڈ، تری پورہ، میزولینڈ اور بوڈولینڈ کی تحریکیں بھارتی اقتدار اعلیٰ کے لیے مسلسل چیلنج بنی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف بہار میں جھاڑکھنڈ کی تحریک نے انہیں عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حال ہی میں بہار میں ہوائی جہاز کے ذریعہ جو اسلحہ گرایا گیا تھا اس کا الزام بھی ایک عرصہ تک آئی ایس آئی پر لگانے کے بعد اب بھارتی حکومت نے شاید رجوع کر لیا ہے اور اپنی رائے بدل دی ہے [illegible] کا کیا دھرا ہے۔

بی جے پی نے جس طرح کانگریس کو ناکوں چنے چبوائے ہیں اور جس تیزی سے "ہندوتا" [illegible] متعصب ہندو [illegible] حاصل کر کے انتخابی میدان میں اتری ہے اس کے بعد سے کانگریس

کو اپنی بقا کی فکر دامن گیر ہوگئی ہے بھارتی انٹیلی جنس سی بی آئی کی طرف سے "حوالہ کیس" میں جن سیاستدانوں پر کرپشن کے الزامات لگے ہیں ان میں بی جے پی کے سربراہ ایل کے ایڈوانی بھی شامل ہیں اور انہوں نے اپنے عہدے سے استعفیٰ بھی دے دیا ہے۔ لیکن کانگریس کے خلاف بی جے پی حالت جنگ کی سی کیفیت میں مبتلا ہے اس کے متعدد لیڈروں پر بھی کرپشن کے مقدمات درج ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں بھارت کی طرف سے پاکستان انٹیلی جنس ایجنسیوں پر الزامات کی بوچھاڑ، سرحدوں پر اشتعال انگیز کارروائیاں، پاکستان کے خلاف مذموم پراپیگنڈہ کوئی انہونی بات نہیں۔

عین ممکن ہے نرسمہا راؤ اپریل کے انتخابات ملتوی کروانے کے لیے کوئی بہانہ تلاش کر رہے ہوں۔ ان حالات میں پاکستانی اداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اشتعال انگیز کارروائیوں پر کوئی جذباتی قدم نہ اٹھائیں۔ جس تیزی سے بھارتی حکمرانوں نے تباہی کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا ہے اس کے بعد امید کی جانی چاہیے کہ برہمن سامراج بہت جلد منہ کے بل گرنے والا ہے اور کچھ عجیب نہیں کہ آنے والی صدی کے پہلے عشرے ہی میں بھارت کی مظلوم اقلیتیں باوقار قوموں کی طرح اپنے آزاد ممالک میں حکومت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور غلامی کا طوق ان کے گلے سے اتر چکا ہو۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق بھارتی حکام نے پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں پر پھر الزام عائد کیا ہے کہ وہ بھارت میں وسیع پیمانے پر تخریب کاری کا پروگرام بنا رہی ہیں اور آئی ایس آئی نے بھارت کی متعدد سیاسی شخصیات کو قتل کروا کر ملک کے امن و امان کو تہہ و بالا کرنے کے لیے بھارت میں سے رضا کار بھرتی کر رہی ہے اس سلسلے میں سینکڑوں ایجنٹوں کی بھرتی کا ثبوت بھی مل گیا ہے۔

خلیج ٹائمز کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارتی ذرائع نے بتایا ہے کہ قبل ازیں بھارت کے یوم آزادی پر بھی آئی ایس آئی نے بال ٹھاکرے سمیت بھارت کی کچھ اہم شخصیات کو قتل کرنے کے لیے خالصتان کمانڈو فورس کے چار انسانی بم بھارت بھیجے تھے۔ لیکن یہ منصوبہ ناکام رہا۔ اخبار کا کہنا ہے کہ خالصتان کمانڈو فورس کے سربراہ پرمجیت سنگھ پنجوڑ اس سلسلے میں سرگرم ہیں اور جلد ہی بھارت میں بڑے پیمانے پر تخریب کاری بھی کروائیں گے اس سلسلے میں انہیں آئی ایس آئی کی مکمل آشیرباد حاصل ہے۔

اس نوعیت کی اطلاعات سے جہاں "را" کی آئی ایس آئی کے خلاف ڈس انفارمیشن مہم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے وہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بھارتی پنڈت بین الاقوامی میڈیا میں پاکستان کی سپریم انٹیلی جنس ایجنسی کے خلاف اپنی زہریلی مہم کس کامیابی سے چلا رہے ہیں اور ہم ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہیں۔

اور اب افغانستان بھی............

بھارتی ذرائع ابلاغ کی ایک خبر نے ہر دردمند پاکستانی کو تڑپا کر رکھ دیا ہے جس کے مطابق افغانستان کے نام نہاد صدر ربانی نے کہا ہے کہ پاکستان کو مزار شریف اور جلال آباد میں کس نے اپنے قونصلیٹ قائم کرنے کا اختیار دیا ہے یہ سب کچھ غیر قانونی اور ان کے معاملات میں مداخلت کے مترادف ہے۔

ممکن ہے اس حد تک کوئی اس خبر کا نوٹس نہ لیتا کیونکہ ایران اور پاکستان کے درمیان کچھ غلط فہمیوں کے بعد یا پھر سابق وزارت خارجہ کی مہربانیوں سے پیدا ہونے والی صورت حال کے بعد سے ایران نے صدر ربانی کے لیے خاص نرم گوشہ رکھا ہوا ہے اور جب انہیں ایران کی طرف سے "سب اچھا" کی لائن مل رہی ہے پاکستان کے خلاف ان کے لہجے کی تلخی بڑھتی چلی جا رہی ہے اس کی دوسری اہم وجہ بھارت کی طرف سے ملنے والی پذیرائی بھی ہے یہ خبریں بھی بہت پہلے سے آ رہی تھیں کہ بھارت نے افغان حکومت کے لیے اپنے دروازے کھول دیے ہیں اور اسے دھڑا دھڑ فوجی امداد دیا جا رہا ہے جس امداد کی آڑ میں پاکستان کی شمالی سرحدوں کے ساتھ ساتھ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" نے اپنے مضبوط مراکز بھی قائم کر لیے ہیں جہاں سے وہ پاکستان میں تخریب کاری اور مذموم سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ پشاور کے چوک یادگار بم دھماکے میں بھی "را" ملوث تھی۔

اس کے بعد سے صدر ربانی سے کسی بھی بیان کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ پاکستان پر کوئی بھی

الزام لگا سکتے ہیں لیکن ان کی طرف سے یہ اطلاع بڑی چونکا دینے والی ہے کہ اب کابل کی فوجیں حکمت یار کی فوجوں کے ساتھ مل کر طالبان کے خلاف کارروائی کریں گی اور بہت جلد طالبان کو کابل کے مضافاتی نواحی علاقوں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے۔

۲۸ مارچ یہ خبر بھارتی ٹی وی نے اپنے خبرنامے میں دی تھی جس کی تردید اگلے روز تک نہیں ہوئی۔ اس سے پہلے حکمت یار کے ساتھی رشید دوستم بھی حکمت یار کو چھوڑ کر ربانی حکومت سے الحاق کر چکے ہیں دوسری طرف ایران کی طرف سے ربانی حکومت کو مکمل حمایت حاصل ہے۔

ابھی تک ربانی حکومت ایران اور بھارتی حکومت کی طرف سے پاکستان پر طالبان کی حمایت کے الزامات تو عائد کیے جا رہے تھے لیکن پاکستانی حکومت نے کسی ایسے الزام کو تسلیم نہیں کیا، امریکہ میں مقیم ممتاز پاکستانی نژاد اسکالر جعفر سید کی اطلاع کے مطابق حال ہی میں معروف سیاسی مبصر جان ایف برنز نے اپنے ایک مضمون میں انکشاف کیا ہے کہ پاکستان نے امریکہ کے ایما پر اب طالبان کی حمایت بھی ختم کر دی ہے۔ مضمون نگار کے مطابق افغانستان کے ہمسایہ ممالک میں ابھی تک پاکستان ہی ایسا ملک تھا جو طالبان کی حمایت کرتا رہا ہے جبکہ دوسرے ہمسایہ ممالک بھارت، ایران اور روس صدر ربانی کی "اعتدال پسند مسلم" حکومت کے پشت پناہ رہے ہیں اور اس کی مالی اور فوجی امداد کرتے رہے ہیں لیکن اب پاکستانی قیادت نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ طالبان کی مکمل فتح کی بجائے ایک ایسے امن سمجھوتہ پر زور دے گی جس میں افغانستان کے سارے فریق شامل ہوں، طالبان کے متعلق پاکستانی حکومت کی پالیسی میں تبدیلی اس وقت آئی جب وہ افغانستان کے آدھے سے زیادہ حصے کو شرعی حکومت کی عملداری میں لا چکے ہیں اور افغانستان کے دارالحکومت کابل کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں اور ان کی ایک فتح سارے افغانستان کو ان کی عملداری میں لا سکتی ہے۔ افغان خانہ جنگی میں طالبان کی یہ کامیابی پاکستان کی ۱۸ ماہ کی فوجی اور مالی امداد سے ممکن ہوئی، ان حقائق کا انکشاف معروف سیاسی مبصر جان ایف برنز نے اپنے آرٹیکل میں کیا۔ مسٹر برنز نے محترمہ بینظیر بھٹو اور امریکہ کے تعلقات کے متعلق تحریر کیا ہے کہ محترمہ کے امریکہ کے ساتھ تعلقات اولین ترجیح ہیں۔ اسی ترجیح کی بنا پر گزشتہ سال پاکستان کو انعام دیا گیا یہ "انعام" پاکستان کے لیے "اسلحہ پر پابندی" کا خاتمہ تھا مگر طالبان کی سرپرستی محترمہ بینظیر بھٹو کے لیے خجالت کا باعث بنی رہی ہے۔ کیونکہ محترمہ نے امریکی حمایت حاصل کرنے کے لیے موقف اختیار کیا تھا کہ پاکستان اسلامی تحریک کے خلاف ایک قلعہ ہے۔

اس مضمون میں سچائی کہاں تک ہے؟ اس کا جواب تو مضمون نگار ہی دے سکتا ہے لیکن ایک بات اظہر من الشمس ہے کہ طالبان نے جن علاقوں پر کنٹرول حاصل کیا تھا وہاں سے جرائم کا خاتمہ ہو چکا

ہے اور انہوں نے افغانستان کے منتشر اور قبائلی معاشرے کو ایک نظم میں پرو دیا تھا۔
یوں دکھائی دیتا ہے جیسے ایران، وسطی ایشیا اور اسلامی ممالک کی طرح اب افغانستان بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے جب پاکستان پر بنیاد پرستی کے الزامات لگائے جاتے تھے اور بین الاقوامی سطح پر بھارت نے ہمیں "دہشت گرد" ملک قرار دلانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا ان دنوں سنٹرل ایشیا، افغانستان اور ایران کے علاوہ اسلامی ممالک سے بھی ہمارے تعلقات اگر "شاندار" نہیں تو کم از کم خوشگوار ضرور تھے۔ اب جب کہ ہماری حکومت نے اپنے اوپر لگا بنیاد پرستی کا لیبل اتارنے کے لیے پاکستان کے اسلامی تشخص کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو ہم اپنے تمام دوستوں سے ایک ایک کر کے محروم ہو رہے ہیں۔ پاکستان نے اپنے عوام کی خواہشات کے بالکل برعکس ایران کو بھارت اپنی گیس سپلائی کے لیے پائپ لائن بچھانے کی اجازت بھی دے دی ہے لیکن ہم برادر ملک ایران سے ابھی تک اپنے دوستی جیسے تعلقات قائم نہیں کر سکے اور آج بھی یہ خبریں اخبارات کی زینت بن رہی ہیں کہ ایران اور بھارت مشترکہ بحری جنگی مشقیں کریں گے اس کے بعد بھی اگر ہماری حکومت اپنی خارجہ پالیسی کی کامیابی کے دعوے کرے تو اسے دیوانے کی بڑ کے سوا اور کیا کہا جائے گا۔

موساد اور پاک بھارت تجارت

"منزل ہی وہ طاقت ہے جو سمندر پر اڑتے پرندے کو پانی میں گرنے سے بچاتی ہے۔ جس پرندے کی کوئی منزل نہ ہو وہ کیسے بچے گا؟" یہ الفاظ اس رپورٹ کے دیباچے میں کہے گئے جو اسرائیلی خفیہ ادارے موساد کے ڈائریکٹر پلاننگ ڈیوڈ گولڈ لینڈ نے مقبوضہ کشمیر کے دو سالہ مشاہدے کے بعد تحریر کی۔

"کشمیر کا حل" نامی یہ رپورٹ ۲۶ مئی ۱۹۹۵ء کو بھارتی منصوبہ سازوں کے حوالے کی گئی ڈیوڈ نے رپورٹ میں مقبوضہ کشمیر کی تحریک آزادی کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انگریزی کے ۸ حروف "پاکستان" کو تحریک کی اصل اساس قرار دیا اور کہا جب تک اس ایک لفظ کی حرمت کشمیریوں کے دلوں میں قائم ہے ان کے حوصلے باقی رہیں گے۔ ڈیوڈ کا کہنا ہے کہ جب بھی ڈوڈہ، سری نگر یا جموں کے "محاذ" پر لڑتے کسی مجاہد سے پوچھا جائے کہ تم کیوں لڑ رہے ہو؟ تو وہ کہتا ہے "تاکہ اپنے پاکستانی بھائیوں سے مل کر آزادی کا لطف اٹھا سکوں۔" لہٰذا پاکستان ہی وہ منزل ہے جو سمندر پر اڑتے پرندے کو گرنے سے بچا رہی ہے۔ ڈیوڈ نے بھارتی منصوبہ سازوں کو مشورہ دیا کہ اگر وہ کشمیریوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائیں کہ پاکستان کو کشمیر میں کوئی دلچسپی نہیں تو پچاس برس سے جاری آزادی کشمیر کی لہر ایک ہفتے میں سرد ہو جائے گی۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ بھارتی منصوبہ ساز سر جوڑ کر بیٹھ گئے پھر ایک کمیٹی بیٹھی اعداد و شمار کا انبار لگا اقتصادی ماہر آئے دہلی سیکرٹریٹ میں سولہ سولہ گھنٹے کی میٹنگیں چلیں اور اگست ۱۹۹۵ء میں بھارتی حکومت نے ایک نئی فائل کی منظوری دے دی جس کا عنوان تھا "کشمیر کا حل ---- پاک بھارت تجارت۔"

۱۹۴۷ء میں اشیاء صرف کے ۹۰ فیصد کارخانے بھارت کے حصے میں آئے جبکہ خام مال کی زیادہ تر کانیں پاکستان میں تھیں لہٰذا بھارت کو اپنے کارخانے چلانے کے لیے پاکستان سے تجارتی

معاہدہ کرنا پڑا۔ پاکستان بھی اس کے لیے مجبور تھا کیونکہ اسے اپنے شہریوں کے لیے کپڑے، شکر، گھی اور صابن کی ضرورت تھی۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء تک دونوں ممالک کی باہم تجارت ۵۸ فیصد تھی ہم یہاں سے خام مال بھیج کر بھارت سے تیار اشیا خریدتے تھے۔ اس دوران بھارت چپکے چپکے اپنے وسائل بڑھاتا رہا۔ دو برس بعد اسے پاکستان کے خام مال کی قطعاً ضرورت نہ رہی لیکن بدقسمتی سے پاکستان اپنی داخلی صورتحال کے باعث کارخانوں میں اضافہ نہ کر سکا اور دو برس بعد بھی اشیاء صرف کے لیے بدستور بھارت کا محتاج رہا۔ بھارت اس صورتحال سے آگاہ تھا چنانچہ اس نے پاکستان کو اقتصادی دھچکا لگانے کے لیے اچانک اپنی کرنسی کی قیمت میں کمی کردی اور پاکستان کو روپے کی قیمت کم کرنے کے لیے مجبور کرنے لگا۔ ان دنوں ہماری کپاس اور پٹ سن امریکہ اور یورپ کی منڈیوں میں پذیرائی حاصل کر رہی تھی لہذا پاکستان نے کرنسی کی قیمت کم کرنے سے انکار کر دیا۔ بھارت نے پاکستان سے تجارتی تعلقات منقطع کر دیے اور بھارت سے کوئلہ آنا بند ہوگیا۔ پاکستان کی ٹرینیں پٹڑیوں پر ساکت ہوگئیں اور اشیائے صرف کی قلت ہوگئی یہ سلسلہ دو برس تک جاری رہا۔ ۱۹۵۱ء میں بھارتی سرمایہ کاروں کو پاکستانی روئی اور پٹ سن کی ضرورت پڑی اور بھارت نے دوبارہ پاکستان کی طرف تجارتی ہاتھ بڑھادیا ہم حسبِ عادت فوراً ہندو بنیے سے بغل گیر ہوگئے۔ بارڈر ٹریڈ ایگریمنٹ ہوا اور پٹ سن خریدنے کے لیے تاجروں کے روپ میں بھارتی ایجنٹ ڈھاکہ میں داخل ہوگئے۔ راج شاہی، چٹاگانگ اور ڈھاکہ میں بھارتی دہشت گردوں کے اڈے قائم ہوئے اور آزاد بنگلہ دیش کی تعمیر کی مہم کا آغاز ہوگیا۔

صدر ایوب کے مارشل لا کے بعد پاک بھارت تجارت دوبارہ سرد مہری کا شکار ہوگئی کیونکہ بھارت پاکستان کی فوجی حکومت کی معاشی اصلاحات سے ناخوش تھا چنانچہ اس نے اپنا غصہ تجارتی محاذ پر نکالنا شروع کر دیا۔ بارڈر ایگریمنٹ ختم ہوگیا اور باضابطہ تجارت بند ہوگئی جو پاک بھارت جنگ کے بعد صفر ہوگئی۔

۱۹۶۶ء میں بھارت نے ایک نئی اقتصادی محاذ آرائی کا آغاز کیا اور سرکاری سرپرستی میں سمگلنگ شروع ہوگئی۔ مشرقی پاکستان کی سرحدیں غیر قانونی اشیاء کی منڈی بن گئیں اور آرمی کے ٹرکوں میں سمگلنگ ہونے لگی۔ فوجی پہروں میں سمگلر سرحدیں پار کرنے لگے۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی تک جاری رہا۔ ۱۹۷۴ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو نے بنگلہ دیش کو تسلیم کیا تو پاکستان اور بھارت کے درمیان دوبارہ تجارتی پروٹوکول طے ہوا۔ پاکستان نے بھارت سے رکشے خرید کر تجارتی تعلقات کا اجراء کیا جو ضیاءالحق کے مارشل لا تک جاری رہا۔ ۱۹۷۸ء میں فوجی حکومت کے باعث تجارت پھر بند ہوگئی اور بھارت نے سمگلنگ کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا لیکن اس بار پاکستان

میں فوجی حکومت اور سرحدوں پر کڑے پہرے تھے اس وجہ سے بھارت کامیاب نہ ہو سکا اور ۱۹۸۲ء میں ہندو بنیا باضابطہ تجارت پر مجبور ہوگیا۔

ابتداء میں ۴۲ اشیاء کی تجارت کا سمجھوتہ ہوا۔ حکومت پاکستان نے بھارتی تجارت پر نظر رکھنے کے لیے ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان تشکیل دی۔ پہلے پہل تمام تر تجارت اس ادارے کے ذریعے ہوتی رہی لیکن بعدازاں پالیسیاں نرم ہوئی اور چند پرائیویٹ ادارے بھی تجارت میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۸۳ء میں پاکستان بزنس کمیشن قائم ہوا جس سے تجارت میں اضافہ ہوا۔ ہر سال تجارتی اشیاء بڑھتی رہیں یہاں تک کہ ۱۹۸۸ء میں اشیاء کی فہرست ۵۷۸ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۹۲ء تک پاکستان نے بھارت سے ۱۱۲۵ کروڑ کا سامان خریدا جبکہ ہم نے ۱۵۰۵ کروڑ کا مال بھارت کو فروخت کیا اس طرح پاکستان کو ۳۸۱ کروڑ روپے کا فائدہ ہوا لیکن ۱۹۹۲ء کے بعد یہ صورتحال بدل گئی اور پاکستان کو ہونے والا نفع خسارے میں تبدیل ہوگیا۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۶ء کے درمیان پاکستان نے بھارت سے ۵۸۴ کروڑ جبکہ بھارت نے پاکستان سے ۴۷۴ کروڑ کا مال خریدا۔ اس طرح پاکستان کو ۱۱۰ کروڑ کا نقصان پہنچا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بھارت نے پچھلے تین برسوں کے دوران داخلی سطح پر وہ کمی پوری کرلی جس کے باعث وہ پاکستان سے اشیاء درآمد کرنے پر مجبور تھا جبکہ ہماری منڈی بدستور بھارتی اشیاء کی محتاج رہی۔

پاکستان بھارت سے خام لوہا، مشینری، سیمنٹ، پرزے، روغنی بیج، مصنوعی رنگ، کیمیائی اجزاء، بنیادی دھاتیں، ویڈیو کیسٹیں، کھیلوں کا سامان اور چائے درآمد کرتا رہا جبکہ بھارت چینی، روئی، خام پٹرول، چمڑا، دھاگہ، معدنی نمک، اون، سوتی کپڑا اور بعض پھل پاکستان سے خریدتا رہا۔

پاکستان ایکسپورٹ پروموشن بیورو کے ریکارڈ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سابق ادوار میں پاکستانی درآمدات برآمدات میں بھارت کا حصہ اوسطاً ایک فیصد سے بھی کم رہا جبکہ پاکستان بھارت تعلقات کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ بھارتی ہماری طرف اسی وقت متوجہ ہوئے جب انہیں پاکستانی اشیاء کی شدید ضرورت محسوس ہوئی یا پاکستان کی اقتصادی اور سیاسی تباہی کے لیے ارض پاک میں سازش کا کوئی نیا بیج بونا مقصود تھا۔ بھارت ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن سیپا اور سافٹا کی آڑ میں ایک بار پھر پاکستان کی طرف تجارتی ہاتھ بڑھا رہا ہے۔ پاکستان بھارتی بنیے سے بغل گیر ہونے کے لیے اتنا بیتاب کیوں ہے؟ ان سوالوں کے جواب تلاش کرنے سے قبل مندرجہ بالا عالمی اور علاقائی تجارتی معاہدوں کا اجمالی جائزہ ضروری ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد مختلف ممالک کے درمیان تجارتی تنازعات کے حل اور محصولات پر اتفاق رائے کے لیے گیٹ کے نام سے ایک عمومی معاہدہ طے ہوا۔ گیٹ پوری دنیا کی ۵۰ برس تک تجارتی

خدمات رائج ہو گئے۔ لیکن دنیا میں صنعتی انقلاب، اشیائے صرف کے پیدا ہونے والے سارفین میں اضافے اور عالمی تجارتی مسائل کے باعث گیٹ کی افادیت ختم ہو گئی چنانچہ ۱۹۸۷ء میں دنیا کے بڑوں نے گیٹ سے زیادہ جامع، پر اثر اور وسیع تر تجارتی معاہدے کا فیصلہ کیا۔ ۸۸ء میں اس سلسلہ میں مذاکرات شروع ہوئے اور سات برس کے طویل مذاکرات یوراگوئے راؤنڈ میں ۱۳۰ ممالک بین الاقوامی تجارت کے فروغ کے لیے عالمی تجارتی تنظیم (ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن) کے قیام پر متفق ہو گئے۔
یکم جنوری ۱۹۹۵ء میں ڈبلیو ٹی او کے تحت تمام رکن ممالک چھوٹے دس برس کے دوران عالمی تجارت کے راستے میں حائل تمام رکاوٹیں دور کرنے کے پابند ہیں۔ رکن ممالک کو تجارتی پابندیاں نرم کرنا ہوں گی۔ صنعتی اشیاء پر درآمدی ٹیکس میں چالیس فیصد تک کمی کرنا ہو گی۔ ڈبلیو ٹی او نے اقتصادی خدشات کے پیش نظر ترقی پذیر ممالک کو عملدرآمد کے لیے ۲۰۰۵ء تک وقت دیا ہے۔ مزید برآں عالمی تجارتی تنظیم رکن ممالک کو تنظیم کی دیگر شرائط پر فوری عمل کی بجائے تجارتی پابندی نرم کرنے کی رعایت بھی دیتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دنیا کے بڑے تجارتی "جن" بھی ابھی تک ڈبلیو ٹی او پر عملدرآمد میں پنجہ بہت کا مظاہرہ کر رہے ہیں تو بھارت عالمی تجارتی تنظیم کی اصلاحات پر فوری اطلاق کا مطالبہ کیوں کر رہا ہے؟

عالمی تجارتی تنظیم کے بعد ممبر سارک ممالک میں بعض تجارتی اشیا کی باہمی درآمد برآمد کے لیے ترجیحی تجارتی منصوبہ سیپا اور سیفٹا ہوئے۔ سیپا کے تحت ۲۲۶ اشیا کی تجارت ہو گی اس سلسلے میں بھارت نے ۱۰۶، پاکستان نے ۳۵، سری لنکا نے ۳۱، مالدیپ ۱۷، نیپال ۱۴، بنگلہ دیش ۱۲ اور بھوٹان نے ۱۱ اشیا کی رعایتی درآمد کی اجازت دی۔ سیپا کے تحت رکن ممالک ایک دوسرے سے تعاون کریں گے جبکہ پاکستان بھارت کو انتہائی پسندیدہ ملک قرار دینے کا پابند ہو گا۔ اس معاہدے پر ۷ دسمبر ۱۹۹۵ء سے عملدرآمد شروع ہو گا۔ سیپا کے تحت پاکستان بھارت سے رنگین مچھلیاں، ریڈ کورل، ناریل، کالی مرچ، مونگ، مسور کی دال، جائفل، بڑی الائچی، خشک ادرک، سبزیوں کے بیج، جڑی بوٹیاں، بانس، چاول، سرمہ، المونیم آکسائیڈ، المونیم ہائیڈرو آکسائیڈ، المونیم فلورائیڈ، ہائیڈروکس نور میتھ کی بنی اور چھوٹے جانوروں کی کھالیں، بھیڑ اور مینا کی کھال، بکری کی کھال، لکڑی کے فرنیچر، کاغذ اور گتے، بڑے شراور، قالین، ٹوٹم پٹ سن، ہارڈ رولڈ سریئے، دوسرے سریئے، کولڈ فارمڈ سریئے، لوہے اور سٹیل کے کنٹینر خریدے گا۔ سیپا معاہدے کی تجویز ۱۹۹۱ء میں کولمبو کانفرنس کے دوران پیش کی گئی اور پانچ برس کے غور و فکر کے بعد اس کی منظوری دے دی گئی۔ سیپا معاہدے کا سب سے زیادہ فائدہ بھارت کو ہو گا کیونکہ سارک ممالک میں بھارت واحد ملک ہے جو تمام ممالک کے درمیان ہے لہٰذا

ایک ملک کی دوسرے ملک جانے والی تمام مصنوعات کو بھارت سے گزر کر جانا ہو گا اور بھارت سارک ممالک کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھائے گا۔ دوسری طرف بھارت نے پاکستان سے بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال اور بھوٹان کے لیے ٹرانزٹ روٹ کے بدلے وسط ایشیائی ریاستوں کا روٹ طلب کیا ہے۔ پاکستان کی آزادی کے بعد وسط ایشیا کا سونا لوٹنے کی بھارت کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ پاکستان اور بھارت کے مابین "کچن آئٹمز" کی درآمد برآمد کے ایک منصوبے پر عملدرآمد شروع ہو چکا ہے جس کے تحت پاکستان باورچی خانہ میں استعمال ہونے والی ۱۱۹ اشیا میں سے کوئی بھی جنس صرف ٹیلی فون پر چند گھنٹوں کے نوٹس پر ہزاروں ٹن کے حساب سے منگوا سکتا ہے۔ بھارت میں لیبر بہت سستی ہے۔ صنعتی قرضے پر شرح سود پاکستان سے ۸ فیصد کم ہے زیادہ تر مشینیں اور پرزے مقامی طور پر بنتے ہیں۔ بجلی اور ٹرانسپورٹ کے زیادہ تر شیئر سرمایہ کاروں کے پاس ہیں لہٰذا وہ بینکوں کے ذریعے بڑی آسانی سے تجارت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ پچھلے دنوں بھارتی بینکوں نے پاکستان سے تجارت کرنے والے ہندو تاجروں پر ایل سی کے لیے پچاس فیصد رقم پہلے جمع کرانے کی شرط عائد کر کے پاک بھارت تجارت مشکل بنا دی۔ سرمایہ کاروں کو لوکل کی بجائے بیرونی منڈیوں میں پذیرائی حاصل کرنے والی مصنوعات کی تیاری کے لیے کم شرح سود پر قرضے فراہم کیے جاتے ہیں، بھارتی صنعت خود کفالت پر عمل پیرا ہے تمام گھریلو استعمال کی چیزوں سے لے کر ہوائی جہازوں تک بھارتی کارخانوں میں بن رہے ہیں۔ ہمسایہ ممالک میں اشیائے ضروریہ کی سمگلنگ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے لہٰذا بھارتی مصنوعات بہت سستی ہیں۔ رہی سہی کسر پاکستان کے مقابلے میں کم قیمت بھارتی روپے نے پوری کر دی ان حالات میں جوں ہی بھارتی مصنوعات اور خام مال کو پاکستان کی منڈیوں میں کھلی چھٹی ملی پاکستان کی مارکیٹ تباہ ہو جائے گی۔ ہماری مصنوعات مٹ جائیں گی اور صنعتکار کنگال ہو جائے گا۔ بھارت "ڈمپنگ" میں بہت بدنام ہے۔ بھارتی حکومت اپنے صنعتکاروں کو ایسی مصنوعات بنانے کے لیے زیادہ سہولتیں فراہم کرتی ہے جن کی اندرون ملک مانگ نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ یہی مصنوعات بیرونی منڈیوں میں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ بھارت اپنے تاجروں کو ٹیکسوں کی چھوٹ دے کر بھاری مقدار میں یہ مصنوعات پڑوسی ممالک کی مارکیٹوں میں ڈمپ کر دیتا ہے جس کے بعد اس ملک کی مقامی مصنوعات کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں بنگلہ دیش، سری لنکا، بھوٹان، مالدیپ، برما اور خلیجی ریاستوں کی مثال دی جا سکتی ہے جہاں بھارتی سوئی سے لے کر طیاروں تک کے پرزہ جات تک انتہائی ارزاں قیمت پر دستیاب ہیں۔ ڈمپنگ کے سلسلے میں بھارت کسی قسم کی پابندی خاطر میں نہیں لاتا۔ جہاں اسے تجارت کا موقع نہیں دیا جاتا وہاں وہ سمگلنگ کو بطور ہتھیار استعمال کرتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بھی کی مثال دی جا سکتی ہے جہاں تمام مارکیٹوں میں بھارتی مصنوعات دستیاب ہیں جبکہ پاک بھارت تجارت ممنوع ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق بھارت اس سلسلے میں نہ صرف سرحد پار کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے بلکہ یہ اشیائے صرف سمگلروں کو بازار سے بہت کم ریٹ پر فراہم کی جاتی ہے۔ جب بھارتی سیمنٹ مارکیٹ میں ۱۹۰ روپے کی بوری مل رہا ہو تو پاکستان کا ۱۶۰ روپے کا سیمنٹ کون خریدے گا۔ جب سائیکل چودہ سو روپے میں مل رہا ہو تو ۲۲۰۰ روپے میں سہراب کی پریکٹ وغیرہ کیا ہوگی۔ اگر صابن کی قیمت ۷ روپے ہوگی تو صارف ۱۵ روپے کیوں دے گا تو پھر پاکستانی صنعتکار کارخانے کیوں چلائے گا؟ جب پاکستان میں کم قیمت پر بھارتی اناج دستیاب ہوگا تو پاکستانی کسان آلو پیاز گندم دالوں اور چاولوں کی بجائے زیادہ قیمت پانے والی فصلیں بوئے گا مثلاً پیاز کی بجائے تمباکو یا پھر کپاس کی کاشت کو ترجیح دے گا۔ چنانچہ ہم اناج کے لیے بھارت کے محتاج ہو جائیں گے اور یہی بھارتی منصوبہ ہے کہ وہ جب چاہے گا آلو پیاز بند کر کے پاکستانی عوام کو حکومت کے خلاف سڑکوں پر آنے پر مجبور کر دے گا۔ بھارت یہی سب کچھ سری لنکا، بنگلہ دیش اور نیپال میں عرصے سے کر رہا ہے۔ سامان خورد و نوش دنیا کی سب سے بڑی تجارت ہے۔ گھی، چینی، آٹا، نمک، مرچ، آلو، پیاز اور دیگر کون سا ملک ہے جہاں کے مسئلے نہیں اور وہ کون لوگ ہیں جو ان کے خریدار نہیں؟ آپ کو نئے کپڑے نہ ملیں تو آپ پرانے کپڑے پہن لیں گے، جوتے نہ ہوں پھٹے جوتے استعمال ہو جاتے ہیں، گھر بلند نہ ہوں تو کچے گھروں میں رہا جا سکتا ہے لیکن کیا آٹے کے بغیر رہنا ممکن ہے؟ نہیں اور بھارت انسان کی اس کمزوری سے پوری طرح آگاہ ہے اسی لیے بھارت نے تجارت کا آغاز ممکن آلو سے کیا ہے۔ پاکستان میں آلو ختم ہو گئے تو دوسرے ہی روز امرتسر سے دو ہزار ٹن آلو لاہور آ گئے۔ پیاز کی قیمتوں نے سر اٹھایا تو بھارت نے پیاز کی پیشکش کر دی۔ اب گندم ختم ہو گئی تو ہماری وزارت صنعت و تجارت کا ایک ایڈیشنل سیکرٹری بھارت سے درآمد کرنے کے کاغذات تیار کر کے صرف ایک فون کال کرے گا اور گورداسپور سے آٹے کے بڑے بڑے ٹرک واہگہ بارڈر پہنچ جائیں گے۔

بھارت ایسا کیوں کرے گا؟ جبکہ اس کی زرعی ترقی پاکستان کے مقابلے میں تین گنا کم ہے۔ پاکستان ۵.۴ فیصد اور بھارت ۱.۶ فیصد ہے۔ پاکستان کی ایک سرحد چین سے ملتی ہے جس کی صنعت نہ صرف اپنی ضروریات پوری کرتی ہے بلکہ اس کی مصنوعات سستی اور معیاری ہونے کے باعث پوری دنیا میں تیزی سے بک رہی ہیں۔ ہماری دوسری سرحد ایران جیسے قدرتی وسائل سے مالا مال ملک سے ملتی ہے جہاں تیل، گیس اور تیل دنیا کے دیگر ممالک سے کہیں سستا ہے جبکہ تھوڑی سی دوری پر وسط ایشیا کی دس ریاستیں پاکستان کا راستہ دیکھ رہی ہیں جہاں کی خوراک، قدرتی گیس اور حیواناتی ذرائع پوری دنیا

کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ دنیا کا کون سا ملک ایسا ہوگا جہاں پھل، سبزیاں، اناج، گوشت، انڈے، تیل، گیس اور بجلی سستی ہوگی سوائے وسط ایشیا کے لیکن چین، ایران اور وسط ایشیا کی ریاستوں کو "موسٹ فیورڈ نیشن" قرار کیوں نہیں دے رہا جبکہ بھارت وسط ایشیا کی طرف للچائی نظروں سے دیکھ رہا ہے؟ اس کی بڑی وجوہات ہیں اول امریکہ چین اور ایران کو پسند نہیں کرتا۔ چین میں بنیادی حقوق کے لیے تازہ ترین اصلاحات کے باوجود چینی سوشلزم سرمایہ دارانہ دماغ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے لہٰذا چین کی اقتصادی نسل بندی کا عمل جاری ہے۔ دوسری طرف امریکہ ایران سے بھی اچھی بات نہیں جبکہ پاکستان امریکہ کو ناراض کر کے چین اور ایران کو انتہائی پسندیدہ اقوام قرار نہیں دے سکا۔ رہی بات وسط ایشیا کی تو بھارت افغانستان کی ربانی حکومت کی مدد کر کے افغانستان کی داخلی صورتحال کو بہتر نہیں ہونے دے رہا۔ ضرورت ترقی کی کتاب کا پہلا باب ہے۔ جب ملک میں آلو ختم ہو جاتے ہیں تو تھوڑی بہت تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن اگلے سال ملک میں آلو سب سے کم قیمت ہوتا ہے کیونکہ کسان نفع کی خواہش میں اپنی زرخیز زمین آلو کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ لہٰذا اگلی فراوانی کا آغاز ہوتی ہے اس ضمن میں ۱۹۴۹ء کی مثال دی جا سکتی ہے جب بھارت نے پاکستان کو کوئلہ فروخت کرنے سے انکار کر دیا تو ساری ٹرینیں پٹڑیوں پر رک گئیں دو تین ماہ قوم نے بڑی مشکل سے گزارے لیکن اسی دوران ہم نے کینیڈا سے ڈیزل انجن حاصل کر لیے بجلی پر ٹرین چلانے کا انتظام ہو گیا اور ہمارا ریلوے نظام جدید دور میں داخل ہو گیا جبکہ برما، بنگلہ دیش، سری لنکا اور خود بھارت میں جہاں بھارتی کوئلہ پہنچتا ہے آج بھی اسی فیصد ٹرینیں کوئلہ سے چل رہی ہیں اسی طرح جب بھارت نے ہمارا پانی بند کیا تو ہم نے ملک میں آبپاشی کا جدید نظام نافذ کر دیا۔ نہریں کھودیں، ڈیم بنے اور پاکستان میں زرعی خوشحالی کا دور شروع ہو گیا۔ تنگی کشادگی کا دیباچہ ہوتی ہے جو قومیں تنگی سے گھبرا گئیں وہ کبھی ترقی نہیں پا سکتیں لیکن حیرت ہے "گھاس کھا لیں گے لیکن ایٹم بم بنائیں گے" والے لوگ آلوؤں کی کمی برداشت نہیں کر سکے۔ جنوبی ایشیا پر نظر ڈالی جائے تو پاکستان ہی ایسا ملک نظر آتا ہے جو پچھلے پچاس برس سے بھارتی دباؤ کا مقابلہ کر رہا ہے جبکہ برصغیر کے دیگر ممالک بری طرح بھارتی شکنجے میں کسے جا چکے ہیں۔ بنگلہ دیش بھارت سے ۳۰ فیصد، نیپال ۷۰ فیصد، سری لنکا ۵۰ فیصد اور بھوٹان ۷۰ فیصد اشیا درآمد کرتا ہے۔ یہ ممالک بھارت کی اقتصادی منڈیاں بن چکے ہیں۔ ہندو دانگی کی معمولی جنبش کے ساتھ ہی ان ممالک کی داخلی و خارجی صورتحال میں طوفان آ جاتے ہیں اور اب پاکستان جو تجارت کے ساتھ ہی وہ تمام جنگیں منڈیوں اور بازاروں میں ہار جائے گا جو اس نے محاذوں پر لڑیں۔

"امریکہ" کہاں سے آ گیا؟

صاحب کی آ بیل مجھے مار والی منطق نے ان کی امریکہ یاترا کے بعد سے ہمارے مخصوص دانشور حلقے میں بڑی جگہ پالی ہے اور اب صورت حال یہ ہے کہ ہماری حکومت سمیت ہر طبقہ زندگی کے لوگوں نے امریکہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے یا پھر نیتوں کا فتور کہ جب سے ہم نے اپنے اصولی موقف سے انحراف کی راہ اپنائی ہے۔ بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آ رہی ہیں اب صورت حال اتنی پریشان کن ہو چکی ہے کہ ساری دنیا کی ہیومن رائٹس تنظیموں نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ لیکن کیا مجال جو بھارتی غاصبوں کے ظلم و ستم میں کوئی کمی آئی ہو۔ حال ہی میں 22 بے گناہ مجاہدین کو ایک مکان میں زندہ جلا دیا گیا۔ مشہور ہیومن رائٹس ایکٹی وسٹ جلیل اندرابی کو اغوا کرنے کے بعد روایتی تشدد کا نشانہ بنا کر بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے دریا برد کر دیا۔ ان کی لاش ملنے پر سری نگر سراپا احتجاج ہے لیکن ابھی تک دنیا کی واحد سپر پاور کی طرف سے ایک لفظ اس صورت حال پر سننے کو نہیں ملا بلکہ پاکستان کو تعلقات بحال کرنے کے لیے بھارت کو "موسٹ فیورٹ نیشن" قرار دینے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

خدا نہ کرے بھارت کو اپنے اس گھناؤنے مشن میں کامیابی ہو لیکن صرف دعاؤں سے کبھی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ "دوا" بھی کرنی پڑتی ہے جو ہم نہیں کر رہے، آج بھی ہم امریکہ سے خیر کی توقع رکھتے ہیں۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

بھارتی مہم جوئی سے خبردار

آزاد کشمیر اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں بھارتیوں کی فائرنگ اب معمول کی کارروائی بن چکی ہے۔ عموماً یہ اطلاعات سننے کو مل جاتی ہیں کہ آزاد کشمیر میں بھارتی فائرنگ سے کئی کئی روز تک وہاں کے شہریوں کا رابطہ اپنے ہی ملک کے دوسرے شہروں سے کٹا رہتا ہے۔ لوگ خوف کے مارے گھروں سے باہر نہیں نکلتے مبادا کوئی اندھی گولی انہیں چاٹ جائے۔ 20 اپریل کی اطلاع کے مطابق دو بھارتی طیاروں نے پانڈو سیکٹر میں پاکستانی فوج کے مورچوں پر چکر بھی لگائے اور پاکستان کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی اور وارننگ فائرنگ کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ بھی خبر ہے کہ پانڈو سیکٹر میں بھارت نے مقبوضہ کشمیر کا تقریباً دس کلو میٹر علاقہ خالی کروا کر وہاں اسلحہ کے ذخائر جمع کر دیئے ہیں اور چکوٹھی سیکٹر میں خاردار تاروں کی ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ جس کا سلسلہ اب وہ مقبوضہ کشمیر اور راجستھان تک پھیلا رہا ہے اور گزشتہ دنوں سیالکوٹ سیکٹر میں اسی مسئلے پر مسلسل آٹھ دس روز تک بھارتی بی ایس ایف اور پاکستانی رینجرز کے درمیان فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہ فائرنگ بھارتیوں کی اس یقین دہانی کے بعد رکی تھی کہ وہ اب سرحد پر مزید خاردار تار نہیں لگائیں گے۔

دنیا کا کوئی قانون بھارت کو ان حرکتوں کی اجازت نہیں دیتا لیکن بھارتی ایسا کر رہے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں لوک سبھا کی سیٹوں پر الیکشن کروانے کی آڑ میں ہزاروں کی تعداد میں مزید بھارتی فوج وہاں پہنچ گئی ہے اور اس وقت پاکستانی سرحدوں پر بھارتی فوج اسی طرح پر جمائے کھڑی ہے کہ کوئی معمولی سی غلطی بھی ایک تباہ کن جنگ کا باعث بن سکتی ہے۔ جبکہ صدر اور وزیراعظم آزاد کشمیر واضح طور پر بھارت کی طرف سے آزاد کشمیر میں ممکنہ مہم جوئی کا خدشہ ظاہر کر چکے ہیں۔ اس صورت حال کو معمول کی کارروائی کہنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مصداق ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ ہمارے ارباب اختیار کسی بھی سپر پاور کے بجائے پاکستان کے مفادات کو مدنظر رکھیں اور بھارت تک یہ پیغام پہنچائیں

ہیں ''سیکولرازم'' رہنے کو اپنا طرہ امتیاز رکھا ہے اور حالت یہ ہے کہ آج بھارتی جمہوریت اور ہمہ جہت کے باوجود پاکستان ہی عالمی سطح پر الزامات کی زد میں آیا ہوا ہے۔

امریکی پارلیمنٹ کی ایشیا اور بحرالکاہل سے متعلق سب کمیٹی کو مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے دستاویزی ثبوت ملے ہیں۔ امریکہ کے نائب وزیر خارجہ جان شاٹوک نے ارکان کانگریس کو کھلے الفاظ میں بتایا ہے کہ بھارت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہونے کے باوجود اپنے ہاں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا گندہ ریکارڈ رکھتا ہے۔ وزیر خارجہ کا کہنا ہے کہ انہیں مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے دستاویزی ثبوت ملے ہیں۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنے ماضی کا محاسبہ کرتی ہیں اور حال سے سبق سیکھ کر مستقبل کی راہیں استوار کرتی ہیں۔ آج ساری دنیا کے سامنے اسرائیل نے جنوبی لبنان کو جہنم بنا دیا ہے۔ نہتے بے بس، بے کس اور مجبور مسلمانوں پر گولیاں اور بم برسائے جاتے ہیں۔ معصوم بچوں، بوڑھوں بے کس نوجوانوں اور عورتوں پر ٹوٹنے والی قیامت کے منظر بھی سی این این، بی بی سی اور دنیا بھر کے الیکٹرونک میڈیا پر دکھائے جا رہے ہیں۔ لیکن ساری دنیا مل کر بھی یہودیوں کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتی۔ اسلامی ممالک کا دبا دبا احتجاج محض صدا بصحرا ثابت ہو رہا ہے جس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ ہم قانون فطرت کو تسلیم نہیں کر رہے جو بقول اقبال ''جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات'' کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔ اگر ہمارے ارباب بست وکشاد واقعی عالمی امن کے خواہاں ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مستقبل کا مورخ انہیں امن پسند حکمرانوں کی حیثیت سے یاد رکھے تو اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو ایٹمی دھماکہ کر کے بھارت کو لگام دی جائے اور امریکہ کو جو خود ہی پولیس مین بنا ہوا ہے کو صاف صاف الفاظ میں بتا دیا جائے کہ ہم اپنی قومی غیرت کا سودا نہیں کر سکتے۔ اگر بھارت نے ایٹم بم بنا لیا ہے تو ہم بنائیں گے۔ یہی ایک طریقہ ہے بھارتی دیو استبداد کو زنجیر سے باندھنے کا ورنہ یہ جن جواب بوتل سے باہر آ چکا ہے، جنوبی ایشیا ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے امن کو نگل جائے گا۔

کہ اس کی ممکنہ مہم جوئی کا بھرپور جواب دیا جائے گا۔ حال ہی میں پینٹاگون نے اپنی ایک رپورٹ میں بھارتی میزائل پروگرام سے متعلق انکشاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھارت کا میزائل پروگرام جنوبی ایشیائی ملکوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ کہا جا سکتا ہے۔ جبکہ پاکستان کا میزائل سازی کا پروگرام اس کے مقابلے میں بہت محدود اور بہت کم ترقی یافتہ ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق موجودہ صدی کے آخر تک بھارت اپنے میزائل پروگرام میں خود کفالت حاصل کر لے گا اور بین البراعظمی میزائلوں کے ذریعے ساری دنیا کے امن کے لئے ایک چیلنج بن جائے گا۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ دنیا کو بھارتی استبداد سے بے خبر رکھا گیا ہے تو یہ مفروضہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان بہت عرصے سے شاید (60ء) سے مختلف بین الاقوامی فورمز پر بھارت کے خطرناک عزائم اور تیاریوں کا واویلا کرتا آ رہا ہے اور پاکستان کے خدشات سچ بھی ثابت ہوئے جب بھارت نے 74ء میں ایٹمی دھماکہ بھی کر دیا لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی کیونکہ دنیا میں کمزور کی زبان کسی کو سمجھ نہیں آتی اور بقول ماؤزے تنگ کی بہترین دلیل توپ کے منہ سے نکلتی ہے۔

امریکہ بہادر بھی اس وقت بھارت ہی کی دلیل کو مانے گا۔ ہمارے خوف اور بے بسی کا عالم یہ ہے کہ اپنے غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگا رکھا ہے۔ 87ء میں جوہری استعداد حاصل کرنے کے باوجود پاکستان نے دھماکہ نہیں کیا نہ ہی کوئی بم بنایا ہے جب کہ ساری دنیا کا پریس ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ ہماری حکومتوں نے گزشتہ کچھ سالوں سے امریکی سرکار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پاکستانی عوام کے خون پسینے کی کمائی پر پلنے والے ''لابنگ ایجنسیوں'' کی خدمات حاصل کی ہوئی ہیں لیکن یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ سرکاری سانڈ جو ہر سال کروڑوں ڈالر ہڑپ کر جاتے ہیں، سوائے حکمرانوں کو امریکی سرکار دربار میں مقبول بنائے رکھنے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت نے پرتھوی کے پندرہ تجربات کئے ہیں اور امریکہ کی طرف سے سوائے زبانی جمع خرچ کے اور کچھ نہیں کیا گیا۔ جبکہ مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق پاکستان پر الزام لگا دیا گیا کہ اس نے چین سے ایم 11 میزائل حاصل کئے ہیں۔ جب ہم نے امریکہ بہادر کو منت سماجت کے بعد یقین دلایا کہ یہ پراپیگنڈہ غلط ہے تو بھارتی اور صیہونی صلاح کاروں نے اب چینی رنگ میگنٹ کے حوالے سے حملہ کر دیا ہے اور پاکستان کو جو سامان حرب و ضرب منتقل ہونا تھا جسے امریکی حکومتوں نے بین الاقوامی اصولوں اور ضوابط کے بالکل برعکس ضبط کیا ہوا تھا اور حال ہی میں ہماری وزیر اعظم صاحبہ نے کامیاب ''سفارتی دورے'' کے بعد بحال کرنے کا مژدہ سنایا تھا اب اس کی بحالی میں پھر تعطل پڑتا دکھائی دے رہا ہے۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ ہمارے سفارتی دانشوروں نے

بھارتی سالمیت کے لیے چیلنج

بھارتی صدر شنکر دیال شرما نے بالآخر کانگریس کی مخالفت کا شکار ہونے کے بعد بی جے پی کے پارلیمانی لیڈر اٹل بہاری واجپائی کو بھارت کا وزیراعظم نامزد کر دیا ہے اور انہیں 31 مئی تک اپنی اکثریت ثابت کر کے اعتماد کا ووٹ لینے کی ہدایت کی ہے۔ 545 کے ایوان میں بی جے پی کی اپنی نشستیں 187 ہیں جبکہ حکومت پر قابض رہنے کے لیے بی جے پی کو 270 ارکان کی حمایت حاصل ہونا ضروری ہے۔

عالمی پریس میں یہ بحث بڑے زور و شور سے چل رہی ہے کہ کیا مسٹر واجپائی اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور ابھی تک اس مسئلے پر کچھ صاف نہیں ہو پا رہا۔ بی جے پی کا دعویٰ تو یہی ہے کہ وہ 31 مئی کو ان تمام اندازوں کو غلط ثابت کر دے گی جبکہ کانگریس سمیت بھارت کی تمام جماعتیں جن میں لیفٹ فرنٹ نمایاں ہے اس بات پر بظاہر متفق دکھائی دے رہے ہیں کہ وہ مرکز میں بی جے پی کی حکومت نہیں بننے دیں گے اس ضمن میں خصوصاً جنتا دل کا رویہ بہ[illegible] ہے اور وہ 20 مئی سے سارے بھارت میں بی جے پی حکومت ہٹاؤ مہم کا آغاز بھی کر چکے ہیں۔

بھارتی صدر شنکر دیال شرما کی طرف سے اٹل بہاری واجپائی کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کے فیصلے کو متنازعہ قرار دیا جا رہا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس سے پہلے لیفٹ فرنٹ کے دیوے گوڑا نے صدر سے ملاقات کر کے بتایا کہ انہیں بھارت کی 11 علاقائی پارٹیوں کی حمایت حاصل ہے جن کے منتخب ارکان کی تعداد 186 ہے۔ کانگریس کے پاس 136 نشستیں ہیں اور کانگریس نے بھی لیفٹ فرنٹ کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا لیکن اس مرحلے پر جب کہ دیوے گوڑا اپنی وزارت عظمیٰ کے لیے پرامید تھے اور جنتا دل کے کیمپ میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں کانگریس کے صدر نرسیما راؤ نے اپنی روایتی منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جان بوجھ کر لیفٹ فرنٹ کے لیے اپنی حمایت کا اعلان خط کے ذریعے صدر شنکر دیال شرما تک پہنچایا۔ وہ صدر کی طرف سے بی جے پی کی حکومت بنانے کی دعوت دینے کا انتظار کرتے رہے۔

جنتا دل نے اس سلسلے میں کانگریس پر وعدہ خلافی اور ہیرا پھیری کا الزام بھی لگایا ہے جبکہ

کانگریس ہی کی نرسیما راؤ مخالف لیڈرشپ نے بھی عمل پر اس خدشے اور نرسیما راؤ پر [illegible] بھارتی وزیر داخلہ راجیش پائلٹ نے تو عالمی پریس کے سامنے اس [illegible] پر نرسیما راؤ [illegible] مذمت کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کیا ہے کہ وہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے حالیہ اجلاس میں نرسیما راؤ سے اس کی وضاحت طلب کریں گے جبکہ نرسیما راؤ کے مخالف کانگریس کے باغی گروپ نے اس خدشے کا اظہار کیا ہے کہ دراصل نرسیما راؤ نے واجپائی کے ساتھ اپنی دوستی کا حق ادا کیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے درمیان کوئی خفیہ حکمت عملی بھی طے پا چکی ہو یہ خفیہ حکمت عملی کیا ہو سکتی ہے۔

یہی ہے بھارتی سیاست کا سب سے اہم سوال۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بھارتی سیاستدانوں کی اکثریت بی جے پی کو بھارتی سلامتی کے لیے خطرہ سمجھتی ہے اور جیوتی باسو، لالو پرشاد یادو، وی پی سنگھ، دیوے گوڑا، رام ولاس پاسوان اور کانگریس کی معتدل قیادت کھل کر کہہ چکی ہے کہ وہ بی جے پی کو ہرگز حکومت نہیں بنانے دیں گے بظاہر ایسے شواہد بھی دکھائی نہیں دے رہے کہ اٹل بہاری واجپائی 270 ارکان کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ نرسیما راؤ کے اشارے پر کانگریس کے کچھ ایم پی ان کی حمایت میں ہاتھ کھڑا کر دیں یا پھر اس مرحلے پر کارروائی کا بائیکاٹ کر کے بی جے پی کے اقتدار کی راہ ہموار کر دیں اور اغلب یہی ہے کہ ایسا ہی ہو گا کیونکہ جنتا دل یا لیفٹ فرنٹ کی طرف سے تو ان کی حمایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس مسئلے میں سب سے زیادہ شرمناک رویے کا مظاہرہ اکالی دل (بادل) نے کیا جنہوں نے اپنے 8 ارکان سمیت بی جے پی کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کر دیا ہے جہاں تک پرکاش سنگھ بادل کا تعلق ہے وہ اکالی دل کے سب سے مضبوط گروپ کے لیڈر تو ضرور ہیں لیکن سکھ عوام میں ان کی حیثیت ایک غدار سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ وہ ہمیشہ سے حریت پسندوں کی ہٹ لسٹ پر رہے ہیں اور باڈی گارڈز کی فوج کے بغیر حرکت نہیں کر سکتے۔

پرکاش سنگھ بادل نے بظاہر یہی دلیل دی ہے کہ وہ کانگریس کی مخالفت میں بی جے پی کی حمایت کر رہے ہیں جبکہ بھارت کی تمام اقلیتوں خصوصاً سکھوں کی طرف سے ان کے اس فیصلے کی زبردست مخالفت کی جا رہی ہے اور یہ خدشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ وہ ہارس ٹریڈنگ کا شکار ہو گئے ہیں یا پھر انہوں نے اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑا چلانے کا فیصلہ کر لیا ہے یوں تو ماضی میں بھی سکھ قیادت کی طرف سے ایسی سیاسی غلطیوں کے ارتکاب کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن پرکاش سنگھ بادل کے اس فیصلے کو تارا سنگھ سے بڑی غلطی اور سیاسی خودکشی ہی کہا جا سکتا ہے۔

لیفٹ فرنٹ نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اب بی جے پی ہارس ٹریڈنگ شروع کرے گی اور مطالبہ کیا ہے کہ لوک سبھا کا اجلاس بھی 31 مئی سے پہلے ہی طلب کر لیا جائے تاکہ بی جے پی کو

ہارس ٹریڈنگ کا موقع مل سکے۔ سونیا گاندھی نے تو اپنے ایم پی اسی خدشے کے پیش نظر دلی کے آندھرا پردیش بھون میں جمع کیے ہوئے ہیں وہ لوک سبھا سیشن سے پہلے انہیں کسی سے ملنے یا کسی کو ان سے رابطہ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی جا رہی۔ ان میں مشہور زمانہ پھولن دیوی بھی شامل ہے۔ جب ٹی وی کی ایک ٹیم نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو پھولن دیوی نے انہیں منع کر دیا اور کہا کہ وہ اپنی پارٹی کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کہیں گی۔ دوسری طرف کانگریس کے تمام ہی آزاد ارکان نے یہ بات کہی ہے کہ کانگریس نے کبھی بی جے پی کو خریدنے کی کوشش ہی نہیں کی جا سکتی۔ جہاں تک جنتا دل کا تعلق ہے وہ بھی اپنے ممبران سے متعلق پرامید ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تمام آزاد ممبران کی حمایت بی جے پی کو مل بھی جائے تو وہ حکومت نہیں بنا سکتی اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ بی جے پی ہارس ٹریڈنگ کا سہارا لے گی۔

کانگریس کے بانی اراکین کے اصرار پر 20 تاریخ کو کانگریس کی صدارت کے مسئلے پر بلائے جانے والے اجلاس کو نرسیما راؤ نے منسوخ کر دیا ہے۔ جس پر کانگریسی خاصے جز بز ہو رہے ہیں کیونکہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے اس اجلاس میں راؤ کے مخالف دھڑے نے کانگریس کی صدارت سے نرسیما راؤ کو ہٹانے کے لیے میٹنگ بلائی تھی لیکن راؤ کے حامی دھڑے نے فی الوقت اس سازش کو ناکام بنا دیا ہے۔ اس میٹنگ کی برخاستگی پر راجیش پائلٹ نے سخت احتجاج کیا ہے لیکن یوں دکھائی دیتا ہے جیسے راؤ اپنے دیرینہ دوست باجپائی کو فائدہ پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جہاں تک بی جے پی کی طرف سے پاکستان کو دھمکیاں دینے یا مقبوضہ کشمیر کی خصوصی حیثیت تبدیل کرنے والی دفعہ 370 کے خاتمے کی بات ہے تو یہ باجپائی کے اخباری بیانات ہی ہوتے ہیں۔ اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اول تو باجپائی اکثریت ہی حاصل نہیں کر سکیں گے اگر کسی طرح جوڑ توڑ سے انہوں نے اپنی حکومت بنا ہی لی تو بھارت کے جنوب اور شمال میں ایک شورش برپا ہوگی کہ بھارتی سالمیت ہی کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ راؤ کی یہ دھمکی کہ اگر بی جے پی کو اقتدار سے ہٹایا گیا تو بھارت میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھے گی بالکل صحیح ہے لیکن بصورت دیگر بھی یہی کچھ ہوگا۔ اقتدار کے ایوان میں بی جے پی کا داخلہ بھارت کے لئے نیک شگون نہیں۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو ہمارے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ بھارت کا ہر منتخب وزیر اعظم اپنی پہلی تقریر کا آغاز ہی پاکستان کو دھمکیوں ہی سے کرتا ہے۔ بین الاقوامی صورت حال کس تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے اس کا اندازہ سری لنکا کی وزیر اعظم بندرا نائیکے کے دورہ جاپان میں ۱۲ مئی کو ان کے اس بیان سے ہو سکتا ہے جس میں انہوں نے بھارت سے کہا ہے کہ وہ اپنی ایٹمی پالیسی پر نظر ثانی کرے کیونکہ اس سے اس کے ہمسایہ ممالک میں تشویش کی لہر دوڑ رہی ہے۔ سری لنکا جیسے ملک کی وزیر اعظم کے اس بیان کو ہم سیریس لیں نہ لیں لیکن بھارتی حکومت ضرور چونکی ہوگی۔

مقبوضہ کشمیر کا انتخابی ڈھونگ

۲۹ مئی کو بھارتی حکومت نے جسے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریہ ہونے کا دعویٰ ہے، دنیا بھر کی ہیومن رائٹس تنظیموں، پارلیمنٹوں، دانشوروں اور سیاستدانوں کی قراردادوں کو پس پشت ڈال کر، تمام اخلاقی اور قانونی ضوابط کو روند کر مقبوضہ کشمیر میں نام نہاد انتخابات منعقد کروانے کے چکر میں حریت کانفرنس کی ساری قیادت کو گھروں میں نظر بند کر دیا گیا تا کہ گن پوائنٹ پر جمع کردہ ووٹروں، بھارت سے درآمد کردہ ہزاروں سفید پوش سیکورٹی فورسز کے ممبران کو اس نام نہاد انتخابی ڈرامے میں ووٹ ڈالنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ اس سے پہلے بھارتی فوج نے مختلف دیہاتوں کو گھیرے میں لے کر وہاں تمام مردوں اور عورتوں کو باہر نکالا اور جس جس حلقہ انتخاب میں الیکشن ہو رہا تھا وہاں کے ووٹرز سے کہا کہ اگر ووٹنگ والے دن ان کے ہاتھوں پر ووٹ ڈالنے والی سیاہی کا نشان نہ ہوا تو انگلی کاٹ دی جائے گی۔

مقبوضہ کشمیر میں انتخابات منعقد کروانے کے لیے بھارتیوں نے کیا کیا ستم مقبوضہ اور مجبور کشمیریوں پر نہیں ڈھایا، کون کون سا غیر انسانی، غیر اخلاقی حربہ نہیں آزمایا، الیکشن کے انعقاد سے پہلے ایک لاکھ مزید فوج سری نگر بھیجی گئی، ہزاروں کی تعداد میں جن سنگھیوں اور سیکورٹی فورسز کے ارکان کو سویلین روپ دے کر مقبوضہ کشمیر میں ووٹرز کی حیثیت سے بھیجا گیا تا کہ دنیا کو یہ تاثر دیا جائے کہ پولنگ سٹیشنوں پر ووٹرز کی قطاریں لگی ہوئی ہیں، پھر 40 فیصد ٹرن آؤٹ کا جھوٹا اعلان بھی کر دیا لیکن ساری دنیا کے پریس نے بھارتی حکومت کے اس دعوے کو مسترد کر کے مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کو ڈھونگ قرار دے دیا ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں سیاسی عمل کی بحالی بھارتیوں کا پرانا خواب ہے جس میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے بھارت گزشتہ سال سے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے، 1990ء میں جب کشمیر سے "سیاسی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بھارت اسرائیل دفاعی تعلقات

اسرائیلی وزیراعظم آئزرروائز نے گزشتہ دنوں ایک بھاری بھرکم وفد کے ساتھ جس میں اسرائیل کے بزنس مین، ماہرین حرب و ضرب انٹیلی جنس امور کے ماہرین بھی شامل تھے بھارت کا دورہ کیا جس کے بعد بھارت اور اسرائیل میں تجارت اور دفاعی بنیادوں پر بعض منصوبے طے پائے ہیں جن کے مطابق بھارت کے میزائل سازی، طیارہ سازی اور فضائی جاسوسی کے پروگرام میں اسرائیل اس کی معاونت کرے گا۔ اس ضمن میں بعض مشترکہ دشمنوں کی اپنے خلاف ہونے والی "دہشت گردی" کی کارروائیوں پر مشترکہ لائحہ عمل اختیار کریں گے اور ان کارروائیوں کو روکنے میں ایک دوسرے کی مکمل معاونت کریں گے۔ بھارت نے اس طرح مقبوضہ کشمیر میں موساد کی باقاعدہ مداخلت کو قانونی شکل دے دی ہے کیونکہ بھارت کو سب سے زیادہ خطرہ پاکستان کی طرف سے ہی ہمیشہ رہا ہے اور رہے گا۔ اس لیے ممکن ہے کہ اب "را" اور "موساد" جو پہلے چوری چھپے پاکستان کے خلاف مشترکہ دہشت گردی کر رہی تھیں اب آن ریکارڈ یہ سب کچھ کریں گے اور انہیں نام نہاد مہذب دنیا جس کا سرخیل امریکہ بہادر ہے کی بھی پوری پوری حمایت حاصل ہو جائے گی۔ خیال رہے کہ بھارت نے اسرائیلی صدر کی آمد سے پہلے ترشول میزائل کا کامیاب تجربہ کرلیا ہے۔ بھارت کی طرف سے شروع ہونے والے پانچ اقسام کے میزائل پروگراموں میں سے ترشول ایک پروگرام ہے جو 1983ء میں شروع کیا گیا تھا اور ... بھارت زیادہ فاصلے تک مار کرنے والے بیلاسٹک میزائل کا بھی جلد ہی تجربہ کر رہا ہے جو آٹھ سو کلومیٹر سے چودہ سو کلومیٹر تک مار کرے گا۔ ان میزائلوں کی تیزی سے تیاری کے باعث ہی سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا تاکہ اس کے عزائم کی تکمیل میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اسرائیل کے وزیر خارجہ شمعون پیریز نے 1993ء میں بھارت کا ... کیا تھا جس کے بعد اب صدر اسرائیل نے بھارت میں قدم رنجہ فرمایا ہے اور اب یہود و ہنود اپنے ناپاک مشترکہ عزائم کی تکمیل کے لیے مل بیٹھیں گے ویسے تو اسرائیلی

خفیہ ایجنسی موساد اور ہندوستانی خفیہ ایجنسی را مل کر مشترکہ حکمت عملی اختیار کرتی رہتی ہیں اور کشمیر کے حوالے سے یہ اطلاعات منظر عام پر آ چکی ہیں جبکہ قبل ازیں روس کی خفیہ ایجنسی کے جی بی بھی بھارتی عزائم اور اس کے خفیہ منصوبوں کی تکمیل کے لیے وہ اسرائیل کے ساتھ جس طرح گٹھ جوڑ کیے ہوئے ہے وہ حکومت پاکستان کے لیے لمحہ فکریہ ہے اور ہماری حکومت اور قومی قیادت کو پیش بندی کے طور پر تیاریوں کو مکمل رکھنا چاہیے اور اب چونکہ ہنود کے ساتھ ساتھ یہود بھی پوری طرح شامل ہو چکے ہیں اس لیے یہود و ہنود کی خصوصاً پاکستان کے خلاف سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے زیادہ ٹھوس اور بروقت منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ہماری سابقہ حکومتوں کی نااہلیوں کے سبب عالمی سطح پر ہم آج تک ڈھنگ سے بھارتی جارحیت کے خلاف اپنا کیس بھی پیش نہیں کر سکے جبکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان اور اس کے ہمسایہ ممالک میں ہونے والی بیشتر تخریبی کارروائیوں میں بھارت ملوث ہے خصوصاً پاکستان میں "را" کے ایجنٹوں کی لائی ہوئی تباہ کاریاں اور ان کے رنگے ہاتھوں گرفتاری بھی اب سینہ راز میں نہیں رہی لیکن ہوتا یہ ہے کہ بھارتی دوردرشن پر مقبوضہ کشمیر کے کسی بھی غریب نوجوان کو پکڑ کر پیش کر دیا جاتا ہے کہ یہ آئی ایس آئی کا ایجنٹ ہے اور بھارت میں تخریبی کارروائی کرنے کے لیے آیا تھا اور ہمارے ٹی وی کا چونکہ باوا آدم ہی نرالا ہے اس لیے اس سے اس کی توقع ہی عبث ہے کہ وہ قومی سلامتی کے معاملات کو کوئی اہمیت دے۔

بھارتی وزیر دفاع ملائم سنگھ یادو نے نئی دہلی میں پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ اگنی میزائل سے ترکی اور چین کو بھی نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ گوڑا حکومت نے اس میزائل کا منصوبہ ختم نہیں کیا۔ اس ضمن میں تمام افواہیں بے بنیاد ہیں۔ اس میزائل کا اڑھائی ہزار کلومیٹر کی رینج کا کامیاب تجربہ کیا گیا ہے اور کسی مغربی ملک کی طرف سے مخالفت کا سامنا نہیں۔ انہوں نے مزید کہا ہے کہ روس سے آبدوزیں خریدنے کی بھی بات چیت ہو رہی ہے اور دفاعی بجٹ میں مزید اضافہ کریں گے۔ بھارتی وزیر دفاع کے اس بیان سے بھارت کے عزائم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بھارت عرصہ دراز سے اپنی تینوں مسلح افواج کو نہ صرف جدید بنا رہا ہے بلکہ اپنی دفاعی ضروریات سے زائد فوجی طاقت حاصل کر چکا ہے اور اس وقت وہ میزائل سازی کے ایک جارحانہ پروگرام پر عمل پیرا ہے۔ جس کے تحت اگنی تیار کر کے پاکستان کی سرحدوں پر نصب بھی کر چکا ہے۔ اس سے نہ صرف پاکستان کا کوئی علاقہ محفوظ نہیں رہا بلکہ جیسا کہ ملائم سنگھ یادو نے کہا ہے کہ ان کی مار ترکی اور چین تک ہو سکتی ہے۔ یک طرفہ تماشا یہ ہے کہ جو ملک دنیا میں جدید اسلحہ کے لیے کام کر رہے ہیں ان کا سارا زور پاکستان پر ہے کہ وہ میزائل سازی نہ کرے جبکہ بھارت کو کھلا چھوڑا ہے۔ حالانکہ وہ ممالک بھی جانتے ہیں کہ بھارت ... ملک ... ہے

میزائلوں کی ضرورت ہے؟ تھم، بھوٹان، نیپال، سری لنکا، پاکستان سے جو پہلے ہی اس کی جارحیت کا نشانہ بن چکے ہیں اور بھارتی علاقائی بالادستی سے بھی انہی کو سب سے زیادہ خطرہ ہے خاص طور پر پاکستان کو جس کے ساتھ کشمیر کا تنازعہ بھی ہے اور جو اس کی بالادستی کو قبول نہیں کرتا۔ اگنی میزائل ایٹمی ہتھیار بھی لے جا سکتا ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ جاپان جیسا ملک جو ایٹمی اسلحہ کا زخم چکھ چکا ہے اس نے بھی کچھ عرصہ قبل پاکستان کے دفاعی بجٹ میں کمی کا مطالبہ کیا تھا اس طرح امریکہ بھی ہم پر ہی دباؤ ڈالتا ہے۔ مغربی دنیا از خود اس علاقے میں فوجی عدم توازن کو فروغ دے رہی ہے اور پاکستان کے پاس ایٹمی ڈیٹرنٹ جو اس علاقے سے جنگ روک سکتا ہے اسے ختم کرانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح چین پر الزام لگایا گیا کہ وہ پاکستان کو میزائل ٹیکنالوجی فراہم کر رہا ہے۔ جبکہ بھارت کی طرف سے آنکھیں بند کر لی گئی ہیں۔

مغربی ممالک سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بھارت کو اس علاقے میں منی سپر پاور بننے سے روکیں گے کیونکہ بھارت کا میزائل پروگرام صرف براعظم ایشیا ہی نہیں ساری دنیا کے امن کے لیے خطرہ ہے اور حال ہی میں بھارت اسرائیل مشترکہ منصوبے تو پاکستان کے لیے ایک وارننگ ہے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر اب بھی ہمارے ارباب بست و کشاد کی آنکھیں نہ کھلیں تو پھر ہمارا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں جوابی عسکریت

ملکی سیاست میں آنے والے اتار چڑھاؤ، احتساب، الزامات اور روز روز کے سیاسی اتار چڑھاؤ نے عام پاکستانی کو اتنا بوکھلا کر دیا ہے کہ اب ہماری ترجیحات بھی تبدیل ہونے لگی ہیں۔ نگران حکومت نے اپنے مختصر اقتدار میں مہنگائی کا تیسرا کلہاڑا ابھی بڑی بے دردی سے پاکستان کے سفید پوش اور مفلوک الحال عوام پر یہ کہہ کر چلا دیا ہے کہ یہ ناگزیر ہے اور امور مملکت چلانے کے لیے آئی ایم ایف سے قرضہ لیے بغیر کوئی راستہ باقی نہیں بچا اور آئی ایم ایف سے قرضہ لینا حکومت کا کام ہے۔ لیکن اسے اتارنا پاکستانی عوام کی ذمہ داری ہے کیونکہ اس قرضے سے ہونے والی تمام عیاشیاں اور بدمعاشیاں جو ارباب اختیار کرتے ہیں وہ بے چارے پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہی تو ہوتی ہیں۔ اس لیے یہ قرضے بھی ہم ہی کو اتارنا ہوں گے اور حکومت ہم پر ٹیکس لگائے گی اور بے چاری حکومت کیا کرے۔

ظاہر ہے جب معاملات پیٹ تک آ جائیں اور صورت حال یہ ہو جائے کہ زندگی کی گاڑی گھسیٹنا ناممکن نظر آنے تب بے چاری قوم کی ترجیحات بدل جایا کرتی ہیں۔ ان حالات میں کسے مقبوضہ کشمیر کا خیال آتا ہے۔

گزشتہ دنوں دعوۃ الارشاد کے پروفیسر محمد سعید مجاہدین کے ساتھ اگلے مورچوں پر ملاقات کر کے لوٹے تو ان کیساتھ اس حوالے سے بات ہوئی۔ حافظ محمد سعید مجھے بتا رہے تھے کہ مقبوضہ کشمیر کی وادیوں میں مجاہدین سے رابطہ ہو رہا تھا۔ میرے ایک طرف برف پوش بلند پہاڑ اور ان پر بیٹھے ہوئے پرسکون مجاہدین تھے اور دوسری طرف اپنے ملک کا پریشان دل، مجاہدین سے بار بار پوچھا کہ اپنی ضرورتیں اور مسائل بتائیے۔ غاروں اور جنگلوں میں سرد راتیں اور ٹھنڈے دن برداشت کرنے والے مجاہدین ہر سوال کے جواب میں کہہ رہے تھے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ کہتے تھے، کھانے کو اللہ بہت کچھ دیتا ہے۔ کشمیری بھائی تعاون اور خدمت میں وہ کچھ کر رہے ہیں جس کا تصور بھی مشکل ہے۔ مجاہد...

ن بات کی ہے کہ کس طرح بند وقوع پر پلننگ کریں اور دشمن کے حملوں کا کس طرح دفاع کریں۔ پروگرام مجاہدین کے ساتھ رابطے اور باتوں کا ایک ایک لمحہ بے پناہ مسرت کا باعث بن رہا تھا۔ اور جب واپسی ہوئی تو دفتر میں پڑے ہوئے اخبارات دیکھے۔ خبریں تھیں کہ انتخابات کو یقینی بنانے کے لیے انتظامات مکمل کیے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی وزیر اعظم کا بیان تھا کہ حکومت کے لیے احتساب کرنا مشکل ہے اور یہ کہ احتساب بھی اب صرف الیکشن کے ذریعے ہوگا۔ بوجھل دل سے خبریں دیکھیں، یہ سب کچھ پڑھ کر شدید اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ جوں جوں اخبار کے صفحے الٹتا گیا، خبروں اور تبصروں کی آخری حد بھی ختم کر دی گئی۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔۔۔۔ میرے سامنے حق و انصاف کا ترازو تھا۔ جس کے دونوں پلڑوں میں ایک طرف جموں و کشمیر کی وادیوں میں ہونے والے جہاد کی باتیں تھیں اور دوسری طرف پاکستان اور عالم اسلام کے حالات تھے۔ میں نے کیا فرق محسوس کیا؟ چاہتا ہوں کہ اسلام کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی تک میرے جذبات پہنچ جائیں۔ میں کس طرح اپنے بھائیوں، بزرگوں، علمائے کرام، ذی شعور اور مسلم عوام اور عالم اسلام کے حکام کو سمجھاؤں کہ ہلاکت کی طرف تیزی سے بڑھنے والے قدموں کو خدا کے لیے روک لو اور چند لمحوں کے لیے سوچو کہ مسلمانوں کی بھلائی اور کامیابی کا راستہ کون سا ہے۔

مقبوضہ کشمیر میں انتخابات اور فاروق حکومت آنے کے بعد سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہاں بھارت انٹیلی جنس ایجنسی کی جوابی عسکریت بہت مضبوط ہو گئی ہے اور مجاہدین بھی ان کے ساتھ جا ملنے کے لیے شمولیت اختیار کر رہے ہیں؟ میں نے اگلا سوال کیا؟

"یہ صورت حال آج سے پانچ چھ ماہ پہلے تک کی تو ہو گی لیکن اب اللہ کے فضل سے ایسا نہیں ہے۔ میں نے سری نگر، بڈگام، سوپور، جموں اور کپواڑہ میں مجاہدین سے رابطہ کیا ہے تفصیلی گفتگو ہوئی ہے اور میں پاکستانی قوم کو خوشخبری دے رہا ہوں کہ جوابی عسکریت دم توڑ چکی ہے۔ اب بھارت مجاہدین کے خلاف جنگ کے آخری مرحلے میں ہے۔ جنگ کے تین مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے پر آرمی کے کیمپوں کو پھیلایا جاتا ہے جہاں سے نکل کر وہ حملے کرتے ہیں اور کارروائی کے بعد محفوظ واپس آ جاتے ہیں۔ الحمد للہ مجاہدین نے اللہ کی نصرت سے انہیں شہروں سے بھاگنے اور کیمپوں تک محدود ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔

اس کے بعد مجاہدین نے چھوٹے کیمپوں پر حملے شروع کیے تو یہ کیمپ ختم ہو کر بڑے کیمپوں میں ضم ہونے لگے اور اب تیسرا مرحلہ آ چکا ہے کہ بھارتی فوج اپنے کیمپوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہے کسی اشد ضرورت کے بغیر وہ لوگ باہر نہیں نکلتے اور باہر آنے کے لیے بھی انہیں بے پناہ حفاظتی قوت درکار ہوتی ہے۔ گویا پہلے وہ ... کرتے تھے پھر محدود ہو گئے اور اب محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔

جہاں تک بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی "ٹاسک فورس" کا معاملہ ہے تو اس کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ مجاہدین نے ان غداروں کی سرکوبی کی اور حال ہی میں ان کا بیٹا الیاس جس کا نام ... کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ سری نگر میں اسے مجاہدین نے اس کے گھر سے پکڑ کر قتل کیا اور تنظیم جو بھارتی ایجنسیوں نے "اخوان رضوان المسلمون" کے نام سے بنائی تھی۔ اس کا قلع قمع ہو چکا ہے اور اب صورت حال یہ ہے کہ جوابی عسکریت کے لیے جو نوجوان لالچ کے تحت ان تنظیموں میں شامل۔؟۔ ملکی صورت حال پر بات کرتے ہوئے حافظ سعید کہہ رہے تھے کہ ہم بظاہر تو ایک آزاد ملک کے باشندے ہیں لیکن ہم پر بدترین غلامی مسلط ہو چکی ہے۔ یہ کہنے میں اب کوئی ... نہیں کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں نے پاکستان کو اپنے پاس گروی رکھ لیا ہے۔ آپ انتخابات اور احتسابات کی بات کرتے ہیں یہاں ملکی سالمیت داؤ پر لگی ہے۔

"آپ ان مسائل کا حل کیا بتاتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"جہاد صرف جہاد۔" انہوں نے کہا۔

ہمارے معاشی، سیاسی اور معاشرتی تمام مسائل کا حل ایک ہے اور وہ ہے جہاد۔ جب تک مسلمان کو جہاد سے محبت رہی اور اللہ کی راہ میں جان دینا اس کے نزدیک مقصد زندگی رہا۔ ہم ہر طرح سے خود کفیل رہے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور دیکھئے کہ وہاں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ملتا تھا۔ عہد نبوی ﷺ کی مثال لیجئے کہ مسلمانوں کے حالات کیسے تھے۔ مکہ فتح ہوا اور وہ جنہوں نے جنگ خندق میں اپنے پیٹوں پر پتھر باندھے تھے جب خیبر فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کو ایک سال کا راشن بھیجا۔ یہ سب جہاد کے ثمرات تھے۔

کشمیر کی تازہ ترین صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے حافظ محمد سعید نے بتایا کہ فاروق عبداللہ کی کٹھ پتلی بنا کر بھارتی حکومت نے وہاں راج سنگھاسن پر بٹھا دیا تھا لیکن اب اس کے لیے سری نگر میں قیام ناممکن ہو گیا ہے۔

دوستی لیکن کس قیمت پر؟

بھارتی وزیراعظم واجپائی کے دورۂ مقبوضہ کشمیر پر حریت کانفرنس کی طرف سے کی جانے والی ہڑتال نے بھارت، پاکستان اور امریکہ میں موجود ان لوگوں کو جو یہ کہہ کر بیٹھ رہے ہیں کہ کشمیر کی تحریک آزادی بھی خالصتان کی تحریک آزادی کی طرح دم توڑ چکی ہے اور اب پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسیاں اس میں جان ڈال رہی ہیں تو کتنے عرصے کے لیے ایسا ممکن ہوگا، یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آزادی کی تحریکوں کو سیاسی، فوجی، اقتصادی، معاشرتی غرض کسی بھی دباؤ سے کچلا نہیں جا سکتا۔ اگر 50 سال بعد برما کی فوجی حکومت کو کیرن میں تحریک آزادی کے جانبازوں کو کچلنے میں ایک مرتبہ پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے، سری لنکا کی جان توڑ کوششوں کے باوجود اگر ایل ٹی ٹی ای کو ختم نہیں کیا جا سکا تو مقبوضہ کشمیر کی تحریک آزادی کو بھی محض جابر اداروں، لالچ، ترغیب، دباؤ اور قتل و غارت گری سے کچلا نہ ماضی میں ممکن تھا نہ اب ممکن ہے اور نہ ہی مستقبل میں اس کا کوئی امکان دکھائی دیتا ہے۔

ہاں البتہ کانگرس اور اب متحدہ محاذ جس میں درجن سے زیادہ پارٹیاں شامل ہیں کون سی ایسی بھارت کی حکومت ہے جس نے مقبوضہ کشمیر میں ہر ممکن ہتھکنڈا اور طریقہ کار اختیار نہ کیا ہو لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ کچھ عرصے کے لیے بزور طاقت مصنوعی امن قائم کر دیا جاتا ہے لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد تحریک میں پھر وہی تیزی پیدا ہو جاتی ہے جس کی تازہ ترین مثال مقبوضہ کشمیر کے نام نہاد الیکشن ہیں۔ بھارتی فوج کی سنگینوں کے سائے میں کشمیریوں کو گھروں سے گھسیٹ گھسیٹ کر پولنگ سٹیشنوں تک لے جایا اور طاقت کے زور پر بندوق کی نوک کنپٹی پر رکھ کر انگوٹھے لگوا کر دنیا کو یہ تاثر دیا کہ مقبوضہ کشمیر میں ووٹنگ ہوئی ہے گویا احمقوں کی جنت میں رہنے والی بات ہے۔ فاروق عبداللہ نے برسر اقتدار آ کر جو نتیجہ دیکھا اب اسے اپنی زندگی کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اگر فاروق عبداللہ کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ بھارت سے فرار ہونے میں اس کی نجات ہے تو شاید وہ ایک لمحہ بھی تامل نہ کرے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائے لیکن وہ بھی جانتا ہے کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق اس کا دل

میں [illegible]

[illegible] واپس لیں گے۔ اور [illegible] بھارتی فوج نے وہاں قائم کر رکھا ہے اس کی شکایت [illegible] اس مسئلے کے حل کے لیے ٹھوس اقدامات کریں گے لیکن [illegible] نے اپنے خلاف [illegible] کے لیے انہوں نے مقبوضہ کشمیر جانے کی ٹھان لی اور اس کا جواب مل گیا ہے۔ کشمیریوں نے مکمل ہڑتال کر کے انہیں بتا دیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور [illegible] چاہتے ہیں۔ اس سال کے آغاز میں امریکی وزارت خارجہ نے بھارت سے متعلق ایک رپورٹ شائع کی تھی جس میں بھارت کی سیکورٹی فورسز اور حکومت کی طرف سے انسانی حقوق کی پامالی کا اعتراف کیا گیا۔ خصوصاً مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجی مظالم، سیاسی ہلاکتوں، ماورائے عدالت قتل عام، [illegible] کشمیریوں پر [illegible] بھارتی فورسز کی طرف سے طاقت کا ناجائز استعمال اور اغوا کے واقعات شامل ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ انسانی حقوق کا جائزہ لینے والی تنظیموں کو ان علاقوں میں جانے کی اجازت نہیں۔ بھارت میں انسانی حقوق کی صورتحال کبھی بھی اطمینان بخش نہیں رہی ہے۔ سیکولرازم کے نعروں کے باوجود یہاں ذات پات اور طبقاتی امتیاز کا صدیوں پرانا نظام موجود ہے۔ اس کے علاوہ روز اول سے مسلمانوں سمیت مختلف اقلیتوں کے حقوق غصب کیے گئے ہیں اور انہیں نچلی ذات کے ہندوؤں کی طرح بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

جہاں تک کشمیر کے حوالے سے امریکی رپورٹ کا تعلق ہے تو یہاں بھارت محض انسانی حقوق ہی نہیں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیری عوام کے مسلمہ حق خود ارادیت سے بھی انکار کا مرتکب ہو رہا ہے اور ریاست جموں و کشمیر کے عوام اپنے اس حق کے حصول کے لیے جو پرامن جدوجہد کر رہے ہیں اسے فوجی جبر اور ریاستی تشدد کے ذریعے دبانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کشمیری عوام کی جدوجہد محض ریاستی جبر کے خلاف نہیں بلکہ وہ بھارت کے غاصبانہ تسلط کا خاتمہ چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے قربانیاں بھی دے رہے ہیں مگر امریکہ اور یورپ کی بے حسی اور ایک لحاظ سے بھارت کی زیادتیوں کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے کہ وہ کشمیری عوام کے حق رائے دہی کا احترام اور اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کا اہتمام کرنے کے بجائے کشمیری نوجوانوں، بزرگوں اور بچوں کے قتل، خواتین کی عزت و ناموس کی پامالی اور دیگر ظالمانہ ہتھکنڈوں کو بروئے کار لا رہا ہے اور اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ امریکہ بہادر بھی بھارت کو رائے شماری پر مجبور کرنے کی بجائے اس کے ظالمانہ اقدامات کو محض انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دے کر مسئلہ کشمیر کی اہمیت کم کرنے میں مصروف ہے۔ حیرت اور دکھ

کی بات تو یہ ہے کہ عالمی امن کا ٹھیکیدار امریکہ بہادر مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کے ہاتھوں بے گناہ نوجوانوں کی شہادت اور خواتین کی بے حرمتی کو بھی اس زمرے میں شامل کرتا ہے جو زیادتی ہے۔ حکومت پاکستان کو امریکی محکمہ خارجہ کی اس رپورٹ پر احتجاج کرنا چاہیے تھا اور کرانا چاہیے کہ بھارت مقبوضہ کشمیر میں جو کچھ کر رہا ہے وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حق خودارادیت کو دبانے کی کوشش ہے۔ بجائے محض انسانی حقوق کا معاملہ قرار دینا کشمیری عوام کی جدوجہد سے مذاق کے مترادف ہے۔ یہ بھارت کی بالواسطہ حوصلہ افزائی ہے۔ پاکستان نے آج تک کسی بھی این جی او یا عالمی ادارے کی کسی بھی ٹیم کو ملک کے کسی بھی حصے میں جانے اور انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لینے سے نہیں روکا بلکہ ملک میں ایسے بھی غیر محب وطن اور عاقبت نااندیش عناصر موجود ہیں جو رائی کا پہاڑ بنا کر اپنے ہی ملک کو بدنام کرنے کی شعوری یا لاشعوری کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بھٹہ مزدوروں اور چائلڈ لیبر کے حوالے سے وہ پاکستان کو اب تک کافی نقصان پہنچا چکے ہیں۔ اس کے برعکس بھارت میں انسانی حقوق کی صورتحال بدترین ہے اور وہ کشمیر میں ایک ایسی پرامن تحریک کو ہتھیاروں کے زور پر دبانے کی کوشش کر رہے ہیں جسے عالمی برادری جائز قرار دے چکی ہے۔ اس لیے امریکہ کی طرف سے پاکستان اور بھارت کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرنا نہ صرف پاکستان بلکہ کشمیری عوام سے امتیازی سلوک ہے۔

ہماری قوم کا حافظہ کمزور ہونے کی شکایت اکثر دانشوروں کو پاکستانی قوم سے رہی ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے ہمارے لیڈروں کا حافظہ قوم سے بھی زیادہ کمزور ہے اور تاریخ کا مضمون تو کبھی انہیں یاد ہی نہیں رہا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک مرتبہ کہا تھا ”میں حلف اٹھاتا ہوں کہ میں کمیونسٹ ہوں لیکن کیا کروں ایک برہمن خاندان میں جنم لینے کی وجہ سے میں خود کو ہندو ہونے سے نہیں بچا سکتا۔“

یہ ہے وہ تاریخی سچائی جس سے دیوگوڑا بھی نہیں بچ سکتے ورنہ جس حکومت کی رولنگ پارٹی میں رام ولاس پاسوان، لالو پرشاد یادو اور دیوگوڑا جیسے سیکولر مزاج لوگ شامل ہوں اور اس سے زیادہ غیر متعصب ہندو قیادت تو کبھی بھارت کو نہیں ملے گی۔ نہ ہی ماضی میں ملی ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ان تینوں غیر برہمنوں کا راج سنگھاسن ہمیشہ برہمن واد کی چھتر سایہ تلے ہی سجا ہے اور مستقبل میں بھی یہی کچھ ہوگا۔

پہلے سیاچن ہی کیوں؟

بھارت کی طرف سے پاکستان کے ساتھ دوستی کی ابتدا کرنے کے لیے حال ہی میں ایک ”فراخدلانہ پیشکش“ جسے امریکہ بہادر کی آشیرواد حاصل ہے، اس کے مطابق بھارت نے پاکستان سے کہا ہے کہ وہ اپنی فوج سیاچن سے واپس میدانوں میں اتارنے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ پاکستانی بھی اپنی پوزیشن چھوڑ کر پہلے والی پوزیشن پر آ جائے اور یہ گارنٹی بھی دی جائے کہ پاکستانی فوج بھارتی فوج کی خالی کردہ پوسٹوں پر قبضہ نہیں کرے گی۔ اس تجویز کو امریکہ کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے اور محترمہ رابن رافیل نے واشنگٹن پریس کلب میں جنوبی ایشیا سے متعلق ایک اہم سیمینار کے حوالے سے یہ گوہر افشانی فرمائی ہے کہ پاکستان کو اس پیشکش پر عمل کرنا ہوگا اس طرح اس خطے میں فوجی ٹینشن کم ہوگی اور دونوں ممالک کے درمیان تعلقات میں جو سردمہری آ چکی ہے اس کے خاتمے کا بھی آغاز ہو جائے گا۔ قبل اس کے کہ اس تجویز کی امریکی آشیرواد کا جائزہ لیا جائے بات تو صاف ہے کہ وہ ضرب المثل یقیناً صحیح ثابت ہوتی ہے۔ بنیے کا بیٹا ہمیشہ کچھ دیکھ کر ہی گرتا ہے۔ یعنی زمین پر گری چونی اٹھانے کے لیے وہ خود کو زمین پر گرا دیتا ہے۔ مقام حیرت ہے کہ بھارت اور امن عالم کے بزعم خویش ٹھیکیدار امریکہ کو بھی کیوں ہو جھی کہ سب مسائل چھوڑ کر پہلے سیاچن کا مسئلہ حل کر لیا جائے شاید اس لیے کہ اب بھارتی افواج کا وہاں مزید قیام خود بھارتی فوج کے لئے خطرہ بنتا جا رہا ہے۔ ایک طرف تو روزانہ بھارتی حکومت کے یہاں سات تا آٹھ کروڑ روپے خرچ ہو رہے ہیں اور دوسری طرف جوانوں کا مورال بری طرح تباہ ہو رہا ہے۔ بھارتی فوج کی جس کمپنی کو سیاچن پر روانگی کا حکم ملتا ہے اس کے دو تین جوان اور افسر یا تو بھاگ جاتے ہیں یا پھر بیماری کے بہانے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور بھارتی حکومت کے لیے یہ انکشافات تو بڑی ہی پریشان کن ہیں کہ ایک مرتبہ سیاچن سے واپس آنے والے ان کے فوجی اپنے ساتھیوں میں بہت بددلی پھیلاتے ہیں۔ سیاچن میں بھارتی فوج پاکستان سے بھی سینکڑوں فٹ زیادہ بلندی پر بیٹھی ہے جہاں ان کے جوانوں کے ذہنی اور جسمانی طور پر موسمی شدت کے ہاتھوں مرنے اور

معذور ہونے والے واقعات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ یوں بھی بھارتی فوج کو مقبوضہ کشمیر کے ساتھ بھارت کے شمال میں خطرناک علیحدگی پسند جنگجوؤں کا سامنا ہے اور آئے روز یہ لوگ گھات لگا کر بھارتی فوجیوں کو مارتے اور زخمی کرتے رہتے ہیں۔

حالت امن میں کسی فوج میں اتنا Casuality Rate اس کے کرتا دھرتاؤں کے لیے تشویشناک بات ہے۔ ایک طرف تو ناگا سے علیحدگی پسندوں کے ہاتھوں بھارتی فوجیوں کی موت اور مقبوضہ کشمیر میں مجاہدین کے ہاتھوں انہیں الگ زک اٹھانی پڑتی ہے جبکہ سیاچن میں تعیناتی کا عذاب الگ ہے۔ ان حالات میں بھارت کے لیے زیادہ عرصے تک یہ صورت حال قائم رکھنا ممکن ہی نہیں رہا، اس لیے انہوں نے پاکستان وزیراعظم کی پیش کش کا بڑا ''چانکیائی فائدہ'' اٹھانے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اس کے لیے ایران کی اس خطے میں موجودگی اور جرأت مندانہ طرز عمل کے ساتھ ساتھ بھارت اور چین کے ساتھ مل کر ایک نیا محاذ بنانے کے بعد سے اب تک امریکہ بہرصورت بھارت کے ہاتھوں بلیک میل ہو گا اور براہمن سامراج نے بڑی مکاری سے جہاں ایک طرف ایران سے دوستی اور یکے بعد دیگرے مختلف نوعیت کے معاہدے کر کے اسے اپنا حلیف بنا لیا ہے وہاں امریکہ کو اس قابل بھی نہیں رہنے دیا کہ وہ اس بھارت کو اس مسئلے پر کوئی دھمکی دے یا سخت زبان میں بات کر سکے کیونکہ اس کے بے پناہ تجارتی مفادات بھارت سے وابستہ ہیں اور پاکستان میں عوام کی مذہبی سوچ نے امریکہ کو باور کروا دیا ہے کہ یہاں کے خواص کو اپنا گرویدہ بنانے کے باوجود پاکستانی زمین کو ایرانی مفادات کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا۔ لے دے کر اب اس کے پاس بھارت ہی ایک سہارا رہ گیا ہے جس کے مفادات کا تحفظ بھی اس کے لیے ضروری ہے اور وہ اس طرح سیاچن سے بھارت کی جان چھڑا کر اسے زیر احسان کر کے شاید اپنا الو سیدھا کرنا چاہے گا حالانکہ امریکی دانش ابھی چانکیائی چلتر بازی کا ادراک نہیں کر سکتی۔

امریکیوں پر ہی کیا موقوف خدا جانے اس براہمن کے پاس ایسی کیا گیدڑ سنگھی ہے یا پھر ہمارے ہی سفارت کاروں کی کم علمی، حالات سے بے خبری، لاپروائی یا پھر ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی ہے جس نے ہمارے سچ کو جھوٹ اور بھارت کے جھوٹ کو سچ بنا دیا ہے۔ حال ہی میں ایران کے نائب وزیر خارجہ مرتضیٰ سرمدی نے کہا کہ بدلتی ہوئی دنیا میں پاکستان، ایران، چین اور بھارت کو مل کر حالات کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح یورپ والے اپنے مشترکہ مفادات کے لیے متحد ہو گئے ہیں اسی طرح مسلمان ممالک کو بھی اپنے مشترکہ مقاصد اور مفادات کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ ایران کے نائب وزیر خارجہ کا یہ مشورہ بڑا صائب ہے۔ اسلامی ممالک کو اپنے

مشترکہ مقاصد کی حفاظت کے لیے واقعی متحد ہو جانا چاہئے اور غیر مسلم ممالک سے تعلقات قائم کرتے ہوئے اپنے مفادات کا خیال رکھنا چاہئے۔ ایرانی نائب وزیر خارجہ نے اس ضمن میں ایران، پاکستان اور چین کے علاوہ بھارت کو ساتھ ملانے کی جو تجویز پیش کی ہے اس پر گہرے غور و خوض کی ضرورت ہے۔

یہ درست ہے کہ ایران کے بھارت کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہو گئے ہیں اس لیے ایران کا جھکاؤ کسی حد تک بھارت کی طرف ہو گیا ہے لیکن ایران کو معلوم ہونا چاہئے کہ بھارت اس علاقے کی سپر پاور بننا چاہتا ہے اور وہ دل سے کسی بھی مسلمان ملک کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ علاقے کی منی سپر پاور بننے میں کامیاب ہو گیا تو وہ ایران سمیت خطے کے کسی بھی مسلمان ملک کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ پاکستان اس کے عزائم کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس لیے بھارت اسے چھوڑ کر دوسرے مسلمان ممالک سے دوستی کی پینگیں بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے اس نے پاکستان کی شہ رگ کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور اب وہ دھمکی دے رہا ہے کہ وہ آزاد کشمیر کو طاقت کے زور سے چھین لے گا۔ جہاں تک چین کا تعلق ہے، وہ اس خطے کی ایک اہم طاقت اور پاکستان کے ساتھ اس کے دوستانہ روابط قائم ہیں لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے بھارت بھی چین کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کر رہا ہے اور اسے کسی قدر کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔

اگرچہ چین کا کہنا ہے کہ اس کی بھارت کے ساتھ دوستی پاکستان کی قیمت پر نہیں ہو گی لیکن ہمیں پھر بھی چین بھارت تعلقات پر گہری نظر رکھنی چاہئے۔ ایران کے ساتھ پاکستان کے مذہبی اور تاریخی روابط ہیں۔ اس لیے پاکستان اور ایران کو مل کر اس خطہ میں قیام امن کی کوشش کرنا چاہئے۔ ایران کو معلوم ہونا چاہئے کہ بھارت کے توسیع پسندانہ عزائم کو روک کر پاکستان پورے عالم اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ اس لیے تمام مسلمان ممالک کو چاہئے کہ وہ پاکستان کے مفادات کو زک نہ پہنچنے دیں۔ خدانخواستہ اگر پاکستان کو کوئی نقصان پہنچا تو تمام اسلامی دنیا اس سے متاثر ہو گی۔

قیام پاکستان پر قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے لیے الگ ملک ہی حاصل نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اس دیو استبداد کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی تھی جو بڑی تیزی سے بحیرہ ہند کے کنارے موجود مسلم ریاستوں کو ہڑپ کرنے کے بعد مڈل ایسٹ کو اپنی جولان گاہ بنانا چاہتا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان بھارتی استبداد کے راستے میں رکاوٹ ہے جس سے یہ عفریت سر پٹخ کر رہ جاتا ہے۔

سارک پر نظر دوڑائیے، جنوبی ایشیا کا منظر نامہ دیکھیے کون سا ایسا ملک ہے جو بھارتی عزائم کی راہ میں چیلنج بنا ہوا ہے۔ سری لنکا، نیپال، مالدیپ، بھوٹان جیسے کمزور ہمسائے بھارت کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں رکھتے اور براہمن نے بڑی ہوشیاری سے ایران اور چین کے ساتھ محبت کی پینگیں

بڑھانی شروع کردی ہیں۔

حیرت ہوتی ہے جب ہمارا بزعم خویش دانشور محض اپنی انانیت اور انفرادیت کے چکر میں بودے دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرنے پر تل جاتا ہے کہ بھارت سے تجارت ہمارے حق میں بہتر ہے یا اس سے ہمارے معاشی مفادات وابستہ ہیں۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی ہمارے گھر پر قابض ہو اور ہم اس کے پچھواڑے میں بندھے جانوروں کی طرح ان سے تجارت کرنے لگ جائیں کہ یوں ہمیں معاشی خوشحالی نصیب ہوگی۔

جب ہماری شہ رگ ہی غیر محفوظ ہے تو معاشی خوشحالی کہاں سے آئے گی؟ دنیا کا کون سا امن پسند انسان کہتا ہے کہ جنگ مسائل کا حل ہے۔ جنگ تو خود ایک مسئلہ ہے اور بقول شاعر یہ کیا مسئلوں کا حل دے گی۔ آج کی سرتی ہارتی دنیا میں ہر ملک ترقی پذیر بھی اور ترقی یافتہ بھی اپنے عوام کی معاشی بہتری اور برتری کے لیے کوشاں ہے اور اپنے اپنے بجٹ کا بڑا حصہ عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنا چاہتا ہے یقیناً پاکستان بھی یہی چاہتا ہے۔

ہمارے ہاں بد قسمتی سے عوام کو پینے کا بہتر پانی میسر نہیں۔ ملک کی ایک بڑی آبادی کا مسئلہ زندہ رہنے کے لیے صاف پانی کا حصول ہے۔ جس ملک کے شہریوں کو زندہ رہنے کے لیے پینے کے پانی کا مسئلہ درپیش ہو وہ ہمسایوں سے محاذ آرائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

بھارت سے لڑائی پاکستان کی خواہش نہیں۔ یہ جنگ ہم پر مسلط کی گئی ہے اور قیام پاکستان کے بعد سے جاری ہے۔ 50 سال سے کشمیری مجاہدین اس لیے قربانیاں دے رہے ہیں کہ ہم بھارت سے سیاچن کا معاہدہ کر کے ان کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیں۔ پاکستان اور بھارت کی تجارت بڑی اچھی بات ہے۔ ویزے کی سہولت ضرور ملنی چاہئیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے۔ دوستوں اور اچھے ہمسایوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہئے لیکن یہ سب کچھ تب ہی ممکن ہے جب بھارت مسئلہ کشمیر حل کرے اور کشمیری مسلمانوں کو استصواب رائے کا حق دے پھر جو فیصلہ وہ کریں وہ دونوں ممالک اچھے ہمسایوں کی طرح قبول کرلیں۔

مسئلہ کشمیر حل کیے بغیر بلکہ اسے تسلیم کیے بغیر بھارت پاکستان سے ریلیف مانگ رہا ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے۔ اور کیا ہمارے ملک میں کوئی ایسی شخصیت ہے جو اس پر صاد کرے؟ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان اور بھارت کی دوستی تب ہی ممکن ہے جب ان کے درمیان کشمیری عوام کی شمولیت سے مسئلہ کشمیر حل ہو جائے۔ اس کے بغیر سیکرٹریوں کی ملاقاتیں، بارڈر پر میٹنگیں اور دوسرے معاملات کچھ معنی نہیں رکھتے نہ ہی یہ امن کی ضمانت دے سکتے ہیں۔

بھارتی انتخابات......بی جے پی کی حکومت بنے گی؟

بھارتی انتخابات جوں جوں نزدیک آ رہے ہیں کانگریس اور جنتا دل کی بے چینی اور اضطراب بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ کیونکہ توقعات کے برعکس بڑے بڑے اعتدال پسند بھارتی رہنما بھی دھڑا دھڑ بی جے پی سے ہاتھ ملا رہے ہیں۔ جس کی تازہ مثال جنتا دل کے باغی گروپ کے رہنما رام پرشاد ہیگڑے اور کلکتہ میں کانگرس کی باغی ممتا بینر جی کا بی جے پی سے اتحاد ہے۔ آخری اطلاعات تک کانگریس کو یقین تھا کہ رام پرشاد ہیگڑے جو ایک ہی وقت میں کانگریس اور بی جے پی سے مذاکرات کر رہے ہیں کانگریس کے ساتھ اتحاد کو ترجیح دیں گے۔ کیونکہ وہ ایک روشن دماغ اور سیکولر شہرت کے حامل لیڈر تھے جن کا جنتا دل سے اخراج بھی اپنے اصولوں کی بنا پر ہوا تھا کیونکہ انہوں نے دیو گوڑا سرکار کے ابتدائی ایام میں علیحدگی اختیار کر کے اپنا الگ دھڑا بنا لیا تھا اور یہ امید کی جا رہی تھی کہ وہ ماضی میں چونکہ بی جے پی کے زبردست مخالف رہے ہیں۔ اس لیے کانگریس کے ساتھ ہی اتحاد کریں گے جبکہ نتیجہ اس کے برعکس برآمد ہوا۔

جہاں تک ممتا بینر جی کا تعلق ہے بنگال میں کانگرس کو زندہ اور قائم دائم رکھنے میں ان کی قربانیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جیوتی باسو جیسے مضبوط کمیونسٹ لیڈر کی حکومت اور بنگال میں موجودگی کے سامنے کسی اور پارٹی کا دیا نہیں جل سکا ممتا جی بینر جی مقامی کانگریس لیڈر شپ سے سخت ناراض نہیں جو ہمیشہ منافقانہ طرز عمل اپناتی تھی اور کبھی جیوتی باسو کے خلاف کھل کر اپوزیشن کا کردار ادا نہیں کرتی تھی ممتا بینر جی کو کانگریس کے حلقوں میں ان کی "غنڈہ گردی" کی وجہ سے خاصی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اپنے مخالفین پر وہ زبانی ہی نہیں جسمانی حملے بھی کرتی آئی ہے۔ اور کانگریس کے جوشیلے اور نوجوان حلقوں میں ان کی مقبولیت کا بھی راز ہے خود ممتا بینر جی پر بھی متعدد قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔

مرکزی لیڈر شپ سے ناراضگی کے بعد ممتا بینر جی نے جب کانگریس سے علیحدگی کا اعلان کیا تو انہیں واپس لانے کے لیے کانگریس نے بہت جتن کیے لیکن ناکام رہی اور اب تازہ اطلاع یہ ہے کہ ممتا

مینزجی بھی بی جے پی سے ناطہ توڑ چکی ہیں۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ اس مرتبہ بی جے پی نے ہر صورت مرکزی سرکار پر قبضے کا فیصلہ کر لیا ہے اس کے لیے وہ اپنے اصول بھی قربان کرنے پر تیار دکھائی دے رہے ہیں۔ خصوصاً مسلمانوں کی طرف سے بی جے پی کا جھکاؤ اور اٹل بہاری واجپائی کی طرف سے اپنے ہر انتخابی جلسے میں بطور خاص مسلمانوں کو مخاطب کر کے انہیں اس بات کا یقین دلانا وہ بی جے پی سے متعلق غلط فہمی کا شکار ہیں اور اس سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں اس امر کا غماز ہے کہ بی جے پی کا مسلم دشمن رویہ مصلحت ہی کے لیے سہی دبا دبا دکھائی دے رہا ہے اور شتاسو بھراج سے مایا دیوی تک رام مندر اور بابری مسجد کے مسئلے پر گول مول سے جوابات دیتی ہیں جبکہ نام نہاد مسلمان سکندر بخت جو بی جے پی کے نائب صدر ہے اس کی طرف سے بی جے پی مسلم دوستی کے راگ بڑی شدت سے الاپنے کا سلسلہ جاری ہے۔

سکندر بخت کی گفتگو سن کر یوں لگتا ہے جیسے کسی ہندو نے مسلمان کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو وہ پاکستان کے خلاف زہرافشانی کرنا شروع کرتے ہیں تو ان کی زبان اژدھے کی طرح شعلے اگلتی محسوس ہوتی ہے۔ سکندر بخت کچھ عرصہ سے خاصے غیر فعال ہیں اور انہیں ان کی بے پناہ چمچہ گیری کے باوجود اچھوت کی طرح بی جے پی نے الگ پھینک دیا تھا لیکن اب اچانک انہیں واجپائی کے ساتھ سٹیج پر بٹھایا جانے لگا ہے اور مسلمانوں کے محاذ پر بی جے پی کو کامیابیاں بھی ملی ہیں اسلام خان جیسے لیڈروں کی بی جے پی میں شمولیت اس کا ثبوت ہے۔ خصوصاً یو پی میں کانگریس نے مسلمانوں سے متعلق جو ایک نظریہ شروع سے بنا رکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے کانگریس کے علاوہ کوئی اور جائے پناہ ہی نہیں اب غلط ہوتا دکھائی دے رہا ہے اور کانگریس کی لیڈر شپ بھی اب مسلمانوں کے مسئلے پر خاصی گھبراہٹ کا شکار دکھائی دے رہی ہے۔ اس ضمن میں کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں غلام نبی آزاد پر خاصی لے دے بھی ہو چکی ہے کیونکہ غلام نبی آزاد کیسری کے بہت نزدیک سمجھے جاتے ہیں اور یہ سمجھا جا رہا ہے کہ انہوں نے کانگریس کے صدر کو مسلمانوں کی طرف سے اطمینان دلا دیا تھا کہ ان کے ووٹ کسی اور کو نہیں جاتے، گو کہ غلام نبی آزاد نے مسلمانوں سے کانگریس کی طرف سے بابری مسجد کے مسئلہ پر جلسہ عام میں معافی مانگی تھی لیکن نرسیما راؤ کے دور حکومت میں ایودھیا میں جو سلوک مسلمانوں اور بابری مسجد کے ساتھ ہوا اس کے بعد سے مسلمان کانگریس کے متعلق کسی خوش فہمی کا شکار دکھائی نہیں دیتے اور خاصے بددل نظر آ رہے ہیں کانگریس کی طرف سے صدر کی تبدیلی اور نرسیما راؤ کی متحرک سیاست سے علیحدگی کے بعد سے کانگریس لیڈر شپ یہ سمجھ گئی تھی کہ شاید اب مسلمانوں کی ناراضگی دور ہو جائے گی جبکہ امر واقعہ یہ نہیں اور مسلمان اب کانگریس کے موجودہ جال میں پھنسنے کے لیے تیار دکھائی نہیں دیتا۔

اس صورت حال کا فائدہ بی جے پی نے اٹھایا اور اب صورت حال یہ ہے کہ اگر کانگریس کے سارے نہیں تو آدھے مسلم ووٹ تو بی جے پی کو پڑیں گے۔ اس ضمن میں مانا کہ بی جے پی کی پالیسی پر اس کا عسکری ونگ راشٹریہ سیوک سنگھ آر ایس ایس ناراض دکھائی دیتا ہے۔ خصوصاً رام مندر سے متعلق بی جے پی کے اس بیان کے بعد سے کہ وہاں ہندو مندر اور مسلم مسجد دونوں تعمیر کیے جائیں گے اور اسے کمپلکس کی شکل دے دی جائے گی۔

جہاں تک جنتا دل کا تعلق ہے اس کے آپس اختلافات کا یہ عالم ہے کہ شری گجرال کی جالندھر کی سیٹ پر بھی وہ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے ہیں اور اکالی دل کی طرف سے مسز گجرال کو جالندھر سے انتخاب لڑنے کی سیٹ پر دعوت نے جنتا دل کو ہی ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی پر مجبور کر دیا ہے۔ دوسری طرف لالو پرشاد کی راشٹریہ جنتا دل نے رہی سہی کسر پوری کر دی ہے کیونکہ باور کیا جاتا ہے کہ لالو پرشاد کو بادشاہ گر کی حیثیت حاصل ہے اور کسی بھی پارٹی کی پوزیشن پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اب سونیا گاندھی کے ساتھ ان کی صاحبزادی پریانکا بھی میدان میں اتر آئی ہیں۔ دونوں ماں بیٹی نے کانگریس کی انتخابی مہم کا آغاز بھی وہیں سے کیا ہے جہاں راجیو گاندھی مارے گئے تھے اور کانگریس کے لیے ووٹ بھی راجیو گاندھی کے نام پر مانگے جا رہے ہیں لیکن یہ داؤ بھی کارگر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔ ان حالات میں بظاہر بی جے پی کے لئے میدان صاف دکھائی دے رہا ہے۔

بھارتی سیاست کا اونٹ

بھارتی انتخابات کے مکمل نتائج سامنے آ چکے ہیں جیسا کہ میں نے اپنے گزشتہ کالموں میں کہا تھا کہ اس مرتبہ بھی تھوڑے فرق کے ساتھ نتائج 96ء والے ہی برآمد ہوں گے۔ اور قریباً وہ نتائج سامنے آئے ہیں البتہ بی جے پی کی سیٹیں 96ء میں 163 تھیں 98ء میں 180 ہو گئی ہیں جس کی ایک اہم وجہ کانگریس کی انتخابات سے ایک روز پہلے یو پی میں ہونے والی سیاسی غلطی ہے جس کے ذریعے انہوں نے بی جے پی حکومت سے ایک دن کی بادشاہی گورنر کی مدد سے حاصل کی اور اسے دوسرے دن گنوا دیا۔ جس سے یو پی میں کانگریس کا ووٹر اس غیر جمہوری حرکت سے ناراض ہوا اور بی جے پی کے چکر میں پھنس گیا۔

دوسری وجہ کرناٹک، بہار اور اڑیسہ میں کانگریس مخالف ووٹ کا بڑا حصہ یونائٹڈ فرنٹ کی بجائے بی جے پی کو مل گیا اس طرح 84ء کے انتخابات میں لوک سبھا کی صرف دو سیٹیں حاصل کرنے والی بی جے پی آج بھارت کی سب سے بڑی سنگل لارجسٹ پارٹی بن کر سامنے آ گئی ہے اور اپنی ''سامپر دائیک'' شہرت کے باوجود اس نے خود کو بھارتی قوم سے ایک حقیقت پسند اور معتدل مزاج پارٹی کی حیثیت میں اپنی اہمیت تسلیم کروا لی ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق بھارتی لوک سبھا کے اس 12 ویں الیکشن میں بی جے پی کے ووٹرز میں 5 سے 19 فیصد اضافہ ہوا ہے اور بی جے پی کے دعویٰ کے مطابق 15 فیصد مسلمانوں نے اس کے حق میں ووٹ دیا ہے۔

بھارت کے موجودہ انتخابات میں 55 فیصد ووٹ کاسٹ ہوئے جن میں سے 10 فیصد بوگس تھے گویا 45 فیصد ٹرن آؤٹ آیا ہے جو بھارتی ماہرین سیاسیات اور سیاسی جماعتوں کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے ایک ہفتہ تک بھارتی میڈیا پر انتخابات کے حوالے سے ہونے والی ہر بحث میں اس حقیقت کو تمام جماعتوں کی لیڈر شپ نے قبول کیا ہے کہ ان کے غلط اور غیر جمہوری رویے کی وجہ سے بھارت جنتا میں

ان کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا اور یہی صورت حال برقرار رہی تو کچھ عجب نہیں کہ معاملات کوئی اور رخ اختیار کر لیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ اس مرتبہ تمام بھارتی سیاسی جماعتوں نے 20 کروڑ بھارتی مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے اپنے انتخابی پروگراموں میں بطور خاص اس حوالے سے حکمت عملی اختیار کی کانگریس نے تو انتخابات کے اعلان سے پہلے اور بعد میں مسلمانوں سے بار بار بابری مسجد کے افسوسناک واقعہ پر معافی مانگی جبکہ بی جے پی کی طرف سے ہر جلسے میں مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کی جاتی رہی کہ ان کے خلاف مسلمان دشمن ہونے کا پراپیگنڈہ غلط اور بے بنیاد ہے اور گزشتہ 50 سال سال سے بھارت کی مختلف جماعتوں کو آزمانے والے مسلمان ووٹرز ایک مرتبہ بی جے پی کو بھی آزما کر دیکھ لیں۔ اس پیغام کو بی جے پی کے سینئر نائب صدر سکندر بخت نے (جو شاید نام ہی کے مسلمان ہیں) بھارت کے کونے کونے میں پہنچایا مسلمان زعماء سے ملاقاتیں کیں اور انہیں یقین دلایا کہ یہ بات اب کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ بی جے پی نے رام مندر ایشو سے بہت سبق حاصل کئے ہیں یہی وجہ ہے کہ بی جے پی کی ساری انتخابی مہم کا محور کانگریس کی کرپشن، یونائٹڈ فرنٹ کا بے من متی کا کنبہ اور سیکولرازم کے نام پر بھارتی عوام سے ان جماعتوں کے فراڈ کا خوب خوب پرچار کیا گیا۔ اس ضمن میں ایک مضبوط دلیل جو بی جے پی کی طرف سے پیش کی گئی وہ بڑی وزنی تھی کہ بھارت میں جتنے بھی مسلم کش فسادات ہوئے اور جہاں جہاں مسلمانوں کے مفادات پر ضرب ماری وہاں کبھی بی جے پی کی حکومت نہیں رہی۔ بابری مسجد کی شہادت کے وقت بھی یو پی میں کانگریس سرکار تھی مرکز میں بھی کانگریس سرکار تھی اور کانگریس کے تمام بڑے بڑے لیڈروں نے اس سانحے پر براہ راست نرسیما راؤ کو ذمہ دار ٹھہرایا جن کے دور حکومت میں ایودھیا میں ''شیلانیاس'' شروع ہوا۔

دوسری طرف مہاراشٹر میں جب سے بی جے پی اور آر ایس ایس کی مشترکہ حکومت بنی ہے وہاں کوئی بڑا فساد نہیں ہوا اور یو پی میں بی جے پی سرکار نے شیعہ سنی مسلمانوں کا تنازعہ ختم کروا کر پہلی مرتبہ دونوں کو پرامن طریقے سے اپنی اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کا موقع دیا ہے۔ پس منظر کچھ بھی رہا ہو لیکن بھارت کے عام مسلمان کے دل کو یہ بات بہت بھائی ہے اور اسے سمجھ آ گئی کہ سیکولرازم کے نام پر ان کے ساتھ کیا کیا دھوکہ ماضی میں ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اب انہوں نے بی جے پی کو آزمانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

بی جے پی کا ایک اور مثبت پوائنٹ کانگریس اور جنتا دل میں ہونے والی پھوٹ تھی کلکتہ میں ممتا بینرجی اور تامل ناڈو میں جے للیتا نے کانگریس کی مخالفت کر کے بی جے پی کے حق میں راہ ہموار کر

دی رہا سہا جہاز دسکھ رام نے پھیر دیا جبکہ گجرات سے بجو پٹنائک پہلے ہی بی جے پی کے ساتھ اکوٹی دل اور سمتا پارٹی کا اتحاد پہلے سے ان کے ساتھ قائم تھا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ 20 دنوں کی کمی سے بی جے پی میدان میں اتری ہے اور بھارتی آئین کے مطابق بھارتی صدر بی جے پی کو ہی حکومت بنانے کی دعوت دیں گے۔ اس ضمن میں ایک انقلابی قدم جو بی جے پی کی طرف سے اٹھایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے ہم خیال جماعتوں کے ساتھ مل کر ایک نیشنل ایجنڈا تیار کیا ہے جس میں بی جے پی اپنے تین بنیادی مطالبات یعنی یونیفارم سول کوڈ ایکٹ، رام مندر کی تعمیر اور بھارتی آئین کی دفعہ 370 کا خاتمہ سے مکمل دستبردار ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ بتاتے ہوئے ان کے تمام اہم لیڈر ایک ہی بات کہہ رہے ہیں کہ جب وہ دوسروں کو اپنے ساتھ لے کر چلیں گے تو اپنی مرضی ان پر ٹھونسنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا گویا وہ تین نعرے جنہیں بی جے پی اپنی سیاست اور انتخاب کی بنیاد قرار دیتی ہے اس نے تینوں سے فی الوقت علیحدگی اختیار کر لی ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ 1990ء میں بی بی سی سے شری ایڈوانی نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اگر وہ ایودھیا کا مسئلہ کھڑا نہ کرتے تو منتشر ہوتا ہوا ہندو سماج کبھی ایک مسئلے پر اکٹھا نہ ہوتا اور ان کی "رتھ یاترا" اس سلسلے کی کڑی تھی۔ آج وہی بی جے پی اپنی "ہندوتا" کو بھلا کر راج سنگھاسن سنبھالنے کے لیے خود کو سیکولر بنانے پر تلی ہے۔ یہی چانکیائی سیاست کی چمتکار ہے۔ بھارتی سماج میں ایک اہم پارٹی مایاوتی کی بہوجن سماج پارٹی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ 70 فیصد اچھوت بھارتیوں کی جن میں مسلمان بھی شامل ہیں نمائندگی کرتے ہیں اور مایاوتی نے بھارتی سماج میں چھوت اچھوت کا ذمہ دار گاندھی جی کو ٹھہراتے ہوئے کہا تھا کہ انہوں نے سب سے پہلے ہریجن کا نعرہ لگا کر بھارتی سماج کو دو حصوں میں تقسیم کیا جو گاندھی کی سب سے بڑی منافقت تھی۔ بی ایس پی کا کہنا ہے کہ بھارتی میڈیا "بھاجپا" (بی جے پی) سے زیادہ "بھاجپائی" بن گیا ہے اور یہی باجپا کی کامیابی کا راز ہے لیکن انہیں امید ہے کہ جو بھی سرکار بنے گی زیادہ دیر نہیں چلے گی وہ وقت آئے گا جب بھارت کے 70 فیصد مظلوم اور مقہور انسان ساری راج نیتی اپنے ہاتھ میں لیں گے اور وہی ان کی فتح کا دن ہو گا۔

ان انتخابات نے ایک اہم حقیقت کو آشکارا کیا ہے کہ بدترین حالات کے باوجود مسلمان بھارت کی مضبوط قوت ہیں اگر ان میں اتحاد پیدا ہو جائے تو وہ بھارتی سیاست میں اپنا اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

بھارتی مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ ان کی مسلم لیڈرشپ نہیں کبھی وہ لالو پرشاد پر اور کبھی ملائم پر انحصار کرتے ہیں، اس مرتبہ بھی بی جے پی انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب دکھائی دیتی ہے جس کی

بڑی مثال تامل ناڈو میں جے للیتا کی 18 اور بی جے پی کی 3 نشستیں ہیں جبکہ اس سے پہلے دونوں کے پاس بمشکل دو سیٹیں تھیں۔ تامل ناڈو میں سب سے پہلے سیتا رام کیسری کے بیان کے مطابق آر ایس ایس نے کوئم بتور میں ایڈوانی کے جلسے سے آدھا کلومیٹر دور دو بم دھماکے کروا کر آئی ایس آئی پر حسب معمول الزام لگایا اور بھارتی وزیراعظم مسٹر گجرال نے بھی بی جے پی کا راگ الاپتے ہوئے پاکستان کو مورد الزام ٹھہرا دیا جبکہ کانگریس کے صدر سیتا رام کیسری نے واضح الفاظ میں کہا کہ یہ سب بی جے پی کی ذیلی تنظیم آر ایس ایس کا کیا دھرا ہے۔ دراصل بی جے پی نے اپنی انتخابی حکمت عملی میں تامل ناڈو میں مسلم کش پالیسی اختیار کرنے کے لیے سارا کھیل رچایا۔ اس سے پہلے نومبر 97ء میں آر ایس ایس نے اٹھارہ مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا اور اب ایڈوانی کے جلسے سے قریباً کلومیٹر دور دھماکہ کر کے آر ایس ایس نے مسلمان تنظیموں "الومہ" اور "الجہاد" پر پابندی عائد کروا دی۔ اس طرح پہلی مرتبہ جنوبی بھارت میں مسلم کش فضا پیدا کر کے بی جے پی اور ان کے حامیوں نے 21 سیٹیں حاصل کر لیں۔ بھارتی ایجنسیوں کے مطابق دھماکے مقامی طور پر تیار کردہ بارود سے کیے گئے ان میں آر ڈی ایکس استعمال نہیں ہوا تھا لیکن بھارتی وزیراعظم نے فوراً پاکستان پر الزام عائد کر دیا۔ یعنی ممکن ہے کہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد بی جے پی جنوبی بھارت میں مسلم کش فسادات کروائے اور یہاں بھی سنٹرل انڈیا کی طرح ہمیشہ کے لیے اپنے قدم جمالے۔

[illegible]

بھارت کے ایٹمی عزائم اور ہم

[illegible]

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے بنیادی نظریات اور قیام کے مقاصد کی تکمیل کے لیے میدان عمل میں
انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ بھارت سے مذاکرات اور بہتر تعلقات کی خواہش کے جواب میں
کا مظاہرہ سمجھتے ہوئے بم دھماکے اور دہشت گردی کا تحفہ ملا ہے اور اب بھارتی حکومت ایٹمی قوت بن کر
اکھنڈ بھارت کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا عزم ظاہر کر رہی ہے۔ جس طرح کانگریس کی
منافقانہ پالیسوں کا ردعمل ہوا ہے اور بی جے پی برسراقتدار آ گئی ہے اگر مسلم لیگ نے بھی موقع پرستی کا
مظاہرہ کیا تو عوام کا ردعمل شدید ہوگا۔

حکومت ایک طرف تو بھارت پر تخریب کاری اور دہشت گردی کا الزام لگا رہی ہے، پر روزانہ مظلوم کشمیریوں پر بھارتی مظالم کی فلمیں دکھائی جاتی ہیں، خواتین کی بے حرمتی اور معصوم بچوں کا قتل روزمرہ کا معمول ہے مگر دوسری طرف بھارتی تاجر اور فنکار کراچی کا دورہ کر رہے ہیں جنہیں سرکاری پذیرائی بھی مل رہی ہے۔ بھارتی کبڈی ٹیم پاکستان میں ہے اور وفاقی وزیر داخلہ چوہدری شجاعت اور وزیر ثقافت شیخ رشید کبڈی میچ دیکھ رہے ہیں جبکہ پاکستانی ہاکی ٹیم امرتسر کے دورے پر پہنچ چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دوغلی پالیسی عوام کے لیے قابل قبول نہیں اور پاکستان کے مفادات کے منافی ہے۔ کشمیری عوام کی حوصلہ شکنی اور پاکستانی عوام میں بھارت دشمنی کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے سوا کیا مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟ میاں صاحب کو جرأت اور ہمت کے ساتھ بھارت سے مذاکرات نہ کرنے کا اعلان کرنا چاہئے جب تک وہ مسئلہ کشمیر حل کر کے اپنی نیک نیتی کا ثبوت نہیں دیتا۔

اسی طرح اپنے حلیفوں کو نظریاتی مخالفین کے بارے میں بھی واضح پالیسی سامنے آنی چاہئے اور پاکستان مسلم لیگ کے منشور، نظریات اور اصولی موقف پر سمجھوتہ نہ کرنے کا اعلان ہونا چاہئے۔ جس طرح بھارت نے امریکہ کا دباؤ قبول نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اس طرح میاں صاحب کو ایٹمی پیش رفت جاری رکھنے، غوری میزائل کا تجربہ اور نمائش کر کے بھارت کو جواب دینے کا فیصلہ کرنا چاہئے اور اس سلسلہ میں کسی بیرونی طاقت کا دباؤ قبول نہ کرنے کا جرأت مندانہ موقف اختیار کرنا چاہئے۔ پاکستان کو عدم استحکام سے دوچار کرنے اور نسلی، لسانی، علاقائی و مذہبی تعصبات کی آبیاری کر کے اس کے حصے بخرے کرنے کی جو سازش تیار ہو چکی ہے اسے ناکام بنانے کے لیے حکومت عوام کو اعتماد میں لے۔ یہ سازش چین کے خلاف بھی ہے اور پاکستان کے خلاف بھی۔ ہمارے وزیر خارجہ گوہر ایوب کی طرف سے یہ بیان بھی ساری قوم کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے کہ کراچی میں ایرانیوں کو "را" نے قتل کرایا جس کے ثبوت بھی پاکستانی حکومت کے پاس موجود ہیں۔ "را" کی طرف سے دھماکوں کی حالیہ لہر کے دوران گرفتار ہونے والے دہشت گردوں کے انکشافات بھی مخفی نہیں۔

واجپائی کا پہلا مشورہ......

بھارت کے جن سنگھی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی بالآخر جوڑ توڑ کرنے، اپنے انتخابی ایجنڈے سے کنارہ کشی اختیار کرنے اور ریجنل پارٹیز کی ناجائز ڈیمانڈ پوری کرنے کے بعد 261 کے مقابلے میں 274 ووٹ لے کر صرف 13 ووٹوں کے مارجن سے بھارت کے راج سنگھاسن پر براجمان ہو گئے ہیں اور اپنی وزارت عظمیٰ پر مہر تصدیق ثبت کروانے کے فوراً بعد مسٹر واجپائی نے کہا جن کو ہمارے بعض ترقی پسند اور بعض ترقی پذیر پاکستانی دوست گجرال کی طرح دل کے بڑے نرم شاعر اور عاشق مزاج بنانے پر تلے ہوئے تھے سب سے پہلے بھارتی لوک سبھا سے خطاب کرتے ہوئے یہ گوہر فشانی کی ہے کہ وہ پاکستان سے تعلقات ضرور بہتر بنائیں گے اس کے ساتھ ہی انہوں نے تعلقات بہتر بنانے کا نسخہ بھی تجویز فرما دیا ہے جس کے مطابق ان کا کہنا ہے کہ مسئلہ کشمیر نہ پہلے حل ہوا اور نہ ہی آئندہ مستقبل میں اس کے حل ہونے کی توقع ہے اس لیے پاکستان کو چاہئے کہ وہ اسے بھول کر تجارت شروع کرے کیونکہ پاکستانی اور بھارتی دکاندار ایک دوسرے کے ممالک کی بنی ہوئی چیزیں خریدنے میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں اور اس میں دونوں ممالک کی بھلائی بھی ہے اسی میں پاکستان کی ترقی کا راز بھی مضمر ہے، ہمیں امن مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت اور پاکستان کو ماضی کا اسیر بن کر نہیں رہنا چاہئے بلکہ ہمیں مستقبل کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مثبت انداز میں آگے بڑھنا چاہئے تاکہ دونوں ملکوں کے درمیان بھرپور تعاون پر مبنی دوستانہ تعلقات استوار ہو سکیں۔ ماضی کو بھلا کر مستقبل میں آگے بڑھنے کا مشورہ بھارتی نقطہ نظر سے مفید ہو سکتا ہے لیکن پاکستان ان زیادتیوں کو کیسے بھلا سکتا ہے جو تقسیم سے پہلے ہی بھارتی قیادت کی طرف سے شروع ہو گئیں اور جن کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔ ایک جارح ملک کی طرف سے ماضی کو بھلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ظلم و ستم بھول کر مجروح ملک اس کی طرف دست تعاون بڑھائے اور جارح ملک نے اس کے جو حقوق سلب کر رکھے ہیں انہیں وہ راضی

برضا سمجھ کر قبول کر لے۔ بھارت نے شروع ہی سے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا اور وہ ہر ممکن طریقے سے اسے ختم کرنے کی کوششیں کرتا رہا۔ اس نے حیدرآباد دکن کی ریاست پر فوجی قوت سے قبضہ کر لیا۔ جونا گڑھ اور مناوردر کی جن دونوں ریاستوں نے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کیا اس پر فوجی چڑھائی کر کے انہیں زیر نگیں بنا لیا۔ پھر مسلم اکثریتی ریاست کشمیر میں اپنی فوجیں داخل کر کے اس کے زیادہ تر رقبے کو اپنا غلام بنا لیا۔

1970ء میں اس نے سازش کے تحت مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسندی کو ہوا دی اور پھر کھلم کھلا اپنی فوج داخل کر کے مشرقی پاکستان کو پاکستان سے جدا کر دیا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اس نے کشمیریوں کو اقوام متحدہ کے سامنے حق خودارادیت دینے کا جو وعدہ کر رکھا ہے، اس کے ایفا کے لیے کشمیری جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن بھارت کشمیریوں کو یہ حق دینے کو تیار نہیں۔ اس نے اپنی سات لاکھ فوج نہتے کشمیریوں کو دبانے کے لیے وادی میں تعینات کر رکھی ہے۔ اس پس منظر میں شری اٹل بہاری واجپائی کا ماضی کو بھلا کر دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا مشورہ کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ بھارت کی خواہش ہی یہ ہے کہ ہم تقسیم کشمیر، سرحدوں وغیرہ کو بھلا کر اس سے تعلقات استوار کر لیں جو ناممکن ہے۔

بھارت اگر واقعی پاکستان سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو اسے ماضی میں کی گئی زیادتیوں کی تلافی کرنی چاہئے۔ جب تک یہ ظلم و ستم کے نشان باقی ہیں قلبی دوستی کیسے قائم ہو سکتی ہے۔ شری واجپائی نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک آزاد اور مستحکم پاکستان بھارت کے اپنے مفاد میں ہے۔ ان کی یہ بات اگر واقعی سچ ہے تو انہیں پاکستان کی شہ رگ یعنی کشمیر پر اپنا قبضہ چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھنا چاہتا ہے اور ساتھ ہی پاکستان کو مشورہ بھی دیتا ہے کہ وہ ماضی کو بھلا کر اس سے دوستی کر لے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پاکستان بے غیرتی سے یہ تمام زیادتیاں جائز تسلیم کر لے۔ شری اٹل بہاری واجپائی کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی باغیرت قوم ایسی پیشکش کو قبول نہیں کر سکتی۔

وزیراعظم سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار بھارتی صدر کے آر نارائن نے بھی کیا۔ انہوں نے کہا کہ بھارت ہمسایہ ممالک کے ساتھ بات چیت کے لیے تیار ہے لیکن کسی تیسرے ملک کی مداخلت یا ثالثی قبول نہیں کریں گے جہاں تک مسئلہ کشمیر کا تعلق ہے تو پاکستان بھی نہیں چاہتا کہ اس میں کسی ملک کی مداخلت ہو، بھارت نے کشمیریوں سے اقوام متحدہ میں وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں ان کا حق خودارادیت دیا جائے گا۔ اب وہ اقوام متحدہ کی ان قراردادوں سے انحراف کر رہا ہے۔ مسئلہ کشمیر دونوں ممالک کے درمیان نصف صدی سے چلا آ رہا ہے اور یہ مسئلہ خود بھارت کا پیدا کردہ ہے۔ بھارتی قیادت کشمیریوں کو ان کا حق نہیں دے رہی بلکہ بار بار یہ راگ الاپتی ہے کہ اقوام متحدہ کی قراردادیں ازکار رفتہ ہیں۔

حالانکہ اس طرح بھارت بدترین قسم کی بدعہدی کا مرتکب ہو چکا ہے۔ آج کی دنیا میں جب کوئی استعماری قوت کسی دوسرے ملک کو تسخیر کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو سب سے پہلے زیر ہدف ملک کے اندرونی حالات اور افکار و نظریات کا باریک بینی سے مطالعہ کر کے اس کے کمزور پہلوؤں کا جائزہ لیتی ہے۔ اس تحقیق و مطالعہ کے نتیجہ میں وہ ایک "فول پروف" منصوبہ بناتی ہے اور سب سے پہلا کام یہ کرتی ہے کہ اپنے طاقتور ذرائع ابلاغ کی مدد سے زیر ہدف قوم کے اندر فکری پراگندگی پیدا کرتی ہے۔ ہوا کے دوش پر سفر کرتا ہوا ابلاغ کا یہ ہتھیار چپکے چپکے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اپنے کام کے افراد بھی تلاش کر لیے جاتے ہیں اور جب یہ کام قابل لحاظ پیش رفت حاصل کر لیتا ہے تو پھر اپنے ایجنٹوں کے ذریعے افراتفری اور دہشت گردی کو منظم کر کے زیر ہدف ملک کو عدم استحکام سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ ہتھیاروں کا استعمال اس وقت عمل میں آتا ہے جب دشمن ملی یکجہتی میں شگاف ڈال کر بڑی حد تک کامیابی حاصل کر چکا ہوتا ہے اور بعض اوقات تو ہتھیاروں کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آنے پاتی اگر زیر ہدف قوم کی قیادت بیدار مغز اور صاحب بصیرت ہو تو پہلے مرحلہ میں ہی دشمن کی تدابیر کو ناکام بنانے کے لیے کمربستہ ہو جاتی ہے لیکن اگر قیادت ملی اور قومی مسائل کا ادراک نہ رکھتی ہو۔ بصیرت سے تہی دست اور روپے پیسے پر بک جانے والی ہو تو دشمن کا کام بے حد آسان ہو جاتا ہے۔

دشمن کی منصوبہ بندی کے مطابق اس وقت پاکستان دوسرے مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے۔ قیام پاکستان سے ہی مغرب و مشرق کی استعماری قوتیں اور یہود و ہنود اس بات پر متفق تھے کہ ان کی خواہشات کے علی الرغم اگر پاکستان وجود میں آ ہی گیا ہے تو اسے زندہ نہ رہنے دیا جائے یا کم از کم اسے بے عمل بنا کر رکھا جائے تاکہ وہ بین الاقوامی میدان میں کوئی تاریخ ساز کردار ادا نہ کر سکے۔ انہیں اچھی طرح اس حقیقت کا احساس تھا کہ پاکستان دنیا کے تمام مروجہ نظریہ ہائے قومیت کے برعکس نسلی، جغرافیائی اور لسانی قومیت کے جملہ جاہلی تصورات کی نفی کر کے وجود میں آیا ہے اور اگر اس نظریہ کو پنپنے دیا گیا تو اسلامی دنیا پھر ایک مرکز پر جمع ہو کر اس کے لیے خطرہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے اسی توانا اور متحرک نظریہ پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی۔ پاکستان میں نسلی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصبات کو ابھارا۔ چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کی مدد سے ہائی لائٹ کیا اور پھر ان جذبات کو تشدد کی لہر میں تبدیل کیا مشرقی پاکستان کے بنگالی قوم پرستوں اور لسانی تعصبات رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اور ہماری صفوں میں دراڑیں ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔ آخری ضرب لگاتے وقت ہم پر مفاد پرست، ابن الوقت اور ملی بصیرت سے عاری لیڈرشپ مسلط تھی اور ہوتے ہوتے ہمارے ملک کا ایک حصہ کاٹ کر "بنگلہ دیش" بنوا دیا۔ آنجہانی اندرا گاندھی کو یہ کہنے کا

موقف اختیار کیا کہ "ہم نے نظریہ پاکستان" خلیج بنگال میں غرق کر دیا ہے" اور یہ کہ "ہم نے مسلمانوں سے ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لے لیا ہے۔" اب یہ بات کوئی راز نہیں رہی کہ اس منصوبہ بندی میں امریکہ، بھارت اور اس کی کانگریس ہم آہنگ تھی۔ بھارتی حکمران یہ کہتے ہیں کہ کشمیر پر بات نہیں ہو گی ہم صرف مذاکرات پر تیار ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان بنیادی مسئلہ ہی کشمیر کا ہے اور اس مسئلے پر اگر بات نہیں ہو سکتی تو پھر مذاکرات کس بات پر ہوں گے؟ کشمیر سب سے بڑا مسئلہ ہے، اس پر ثالثی ہم بھی نہیں چاہتے نہ ہی ہمیں قبول ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ خود بھارت کا پیدا کردہ ہے اور بھارت نے ہی اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کو ان کا حق خودارادیت دینا ہے۔ اس لیے حرف آخر تو واجپائی خود ہی ثابت ہو سکتے ہیں، بھارتی صدر کی حیثیت تو صرف دکھاوے کی ہے۔ پاکستان اس وقت تک بھارت کے ساتھ کسی صورت اچھے تعلقات قائم نہیں کرے گا جب تک بھارت مسئلہ کشمیر کو عالمی ادارے اقوام متحدہ میں متفقہ طور پر منظور ہونے والی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کے لیے عملی طور پر واقعی مذاکرات میں سنجیدہ ہے تو اس کے وزیراعظم کو چاہئے کہ وہ محض وقت کشی سے کام نہ لیں بلکہ ایجنڈا میں مسئلہ کشمیر سرفہرست رکھ کر مذاکرات شروع کریں۔ بھارت جس قدر جلد مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے آمادہ ہو گا اتنی ہی جلد برصغیر میں پائیدار امن قائم کرنے کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔

گیند پہلے روز ہی سے بھارت کے کورٹ میں ہے۔ اگر بھارتی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اسی طرح الٹے سیدھے بیانات دے کر عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرے گی اور دنیا پر ثابت کرنے کی کوشش کرے گی کہ بھارت تو امن اور دوستی چاہتا ہے پاکستان ایسا نہیں کر رہا تو یہ بھارت کی بھول ہے۔ ہزاروں کشمیریوں نے اپنی جانیں نچھاور کر کے عالمی ضمیر کو جھنجھوڑ رکھا ہے اور تمام عالمی طاقتیں یہ سمجھ سکتی ہیں کہ مسئلہ کشمیر کی اہمیت اور اصلیت کیا ہے؟

بھارتی دھماکے اور پاکستان

بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے گزشتہ روز ایک ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے پاکستانی سرحد سے 93 میل دور پوکھران (راجستھان) کے مقام پر تین ایٹمی دھماکے کئے ہیں جو کامیاب رہے ہیں۔ بھارت نے فشن ڈیوائس (روایتی ایٹم بم) لو ییلڈ ڈیوائس (نیوٹران بم) اور تھرمو نیوکلیر (ہائیڈروجن بم) کے دھماکے پیر کے روز سہ پہر پونے چار بجے کئے جو زیر زمین تھے۔ اس کے علاوہ بھارت نے زمین سے فضا میں مار کرنے والے ترشول میزائل کا تجربہ بھی اڑیسہ میں کیا۔ وزیر خارجہ جناب گوہر ایوب خان نے سینٹ میں بھارت کے جوہری دھماکوں کے بارے میں پالیسی بیان دیتے ہوئے کہا کہ "یہ دھماکے کر کے بھارت نے سی ٹی بی ٹی کو مہلک ضرب لگائی ہے اور اس سے ایٹمی عدم پھیلاؤ کی کوششوں کو سخت دھچکا لگے گا۔ پاکستان چوبیس برسوں سے عالمی برادری کی توجہ بھارت کی جوہری عزائم کی جانب مبذول کراتا چلا آ رہا ہے پاکستان اپنی سلامتی کے تحفظ کے لیے اب کوئی بھی اقدام کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔"

بھارت کی طرف سے بیک وقت تین ایٹمی دھماکے اگرچہ خلاف توقع نہیں کیونکہ سابقہ بھارتی حکمرانوں کی منافقانہ پالیسی کے برعکس بی جے پی کی حکومت نے برسراقتدار آنے کے بعد کھلم کھلا ایٹمی قوت بننے اور ایٹمی ہتھیار بنانے کا اعلان کیا تھا اور بھارتی وزیر دفاع جارج فرنانڈس کے علاوہ وزیراعظم اٹل بہاری باجپائی نے ایک سے زیادہ مواقع پر نہ صرف پاکستان کو سبق سکھانے کی بات کی بلکہ بھارت کو چین کے مدمقابل قوت قرار دیتے ہوئے ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا۔ بھارت نے محض دھمکیوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مختصر عرصے میں اپنی تیاریاں مکمل کر کے ایٹمی دھماکے کر دیئے ہیں اور امریکہ کی یہ توقعات خاک میں ملا دی ہیں کہ وہ برصغیر میں ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ شروع نہ کرے بھارت کے عزائم واضح ہیں وہ علاقے کا چودھری بننا چاہتا ہے۔ وہ امریکہ اور یورپ کو یہ تاثر

شروع کیا ہے بھارت کے علاوہ امریکہ اور یورپ کے آتش مزاج بھی یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ ہم اسلامی بم بنانے میں مصروف ہیں اور ایک ذمہ دار ملک کے طور پر ہمیں یہ کوشش ترک کر دینی چاہئیں مگر اب ثابت ہو گیا ہے کہ دراصل بھارتی ہندو ایٹم، ہائیڈروجن اور نیوٹران بم بنانے میں مصروف تھا جو غیر ذمہ دار ملک ہے جس نے عالمی رائے عامہ کی پرواہ کیے بغیر ایٹمی دھماکہ کر دیا ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ بھارتی فوج ان ہتھیاروں سے لیس ہو گی جو کسی بھی وقت ان کا استعمال کر کے عالمی امن کے لیے خطرات پیدا کر سکتے ہیں۔ ایٹمی قوت بننے کے علاوہ آزاد کشمیر واپس لینے کا نکتہ بھی بی جے پی کے منشور میں شامل ہے اس لیے کچھ بعید نہیں کہ کل کلاں کو باجپائی کشمیر پر حملے کا اعلان بھی کر دیں۔

بھارت صدر کلنٹن کے دورے سے قبل زیادہ سے زیادہ اپنی دفاعی اور ایٹمی صلاحیت کا اظہار کر کے نہ صرف سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں کے عوض مراعات حاصل کرنا چاہتا ہے بلکہ یہ تاثر بھی پختہ کرنا چاہتا ہے کہ ایک مسلمہ ایٹمی قوت کے طور پر وہ خطے کا چودھری ہے جس کی ضرورت اور اہمیت امریکہ تسلیم کرتے ہوئے اسے نہ صرف ایٹمی کلب کا رکن تسلیم کرے بلکہ اقوام متحدہ میں اس کی مستقل رکنیت کی راہ بھی ہموار کرے۔ ایک غیر ذمہ دار، ہندو بنیاد پرست اور خطے کے امن و آشتی کے لیے مستقل خطرات پیدا کرنے والے ملک کے طور پر بھارت اس قابل نہیں کہ اسے عالمی امن کا ٹھیکیدار اور نیو ورلڈ آرڈر کا علمبردار امریکہ منہ لگائے گا کہ اس کے نخرے برداشت کیے جائیں مگر امریکہ جس طرح اسلام، مسلمانوں اور چین کی مخالفت میں اندھا ہو چکا ہے اور اسے صرف اسلامی بنیاد پرستی نظر آتی ہے ہندو بنیاد پرستی نہیں اس لیے یہ توقع فضول ہے کہ امریکہ یا اس کے حواری ممالک میں سے کوئی بھارت کے اس اقدام پر حقیقی معنوں میں جاندار مخالفانہ ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کوئی عملی اقدام کرے گا۔ بھارت ویسے بھی اپنے آپ کو امریکہ، ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کا محتاج نہیں سمجھتا اس لیے ہمیں بے فائدہ سفارتی مہم چلانے اور امریکہ پر انحصار کرنے کی بجائے چین سے مل کر کوئی مشترکہ حکمت عملی وضع کرنی چاہیے اگر ہم فوری کے فوراً بعد ایٹمی دھماکہ بھی کر لیتے یا کم از کم اتنی تیاری رکھتے کہ بھارت کو جواب دینے کے لیے ہفتہ پندرہ دن درکار نہ ہوتے تو شاید صورت حال مختلف ہوتی مگر اب بھی مزید وقت ضائع کیے بغیر جرأت مندانہ کارروائی کی ضرورت ہے تاکہ بھارت اپنی شرائط پر امریکہ اور اقوام متحدہ سے معاملہ کر کے ہمیں یکہ و تنہا نہ کر دے۔

ہم چونکہ سی ٹی بی ٹی پر یہ سرکاری موقف اپنا چکے ہیں کہ بھارت دستخط کر دے تو ہمیں بھی انکار نہیں ہوگا اس لیے اس سے پہلے کہ بھارت ایٹمی کلب کے رکن کے طور پر سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت کے عوض سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں پر آمادگی ظاہر کرے ہمیں بھی ایٹمی دھماکہ کر کے ایٹمی کلب میں

دے رہا ہے کہ وہ چین کی بڑھتی ہوئی اقتصادی اور فوجی طاقت سے نمٹنے کے لیے ان کی مدد کر سکتا ہے اور مغربی قوتوں بالخصوص امریکی مفادات کی نگہبانی کا فرض ادا کر سکتا ہے بھارت کا نام نہاد سیکولرازم ہو یا بی جے پی جیسی ہندو بنیاد پرست جماعت کے برسراقتدار آنے کے باوجود بھرشٹ نہیں ہوا اور مغرب صیہونیت اور پدر آزاد تہذیبوں کے مابین قدر مشترک ہیں پہلے بھارت سوویت یونین کے گماشتے کا کردار ادا کر کے اسلحے کے انبار لگاتا رہا اب امریکہ کی سرپرستی میں اپنے مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھلم کھلا بھارتی عزائم کو دیکھ کر کچھ نہ کہا اب جبکہ بھارت نے ایٹمی دھماکوں کے علاوہ ترشول میزائل کا تجربہ بھی کر لیا ہے تو امریکی محکمہ خارجہ نے بھارت کے خلاف پابندیوں کا اعلان کرنے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ دھماکوں کی تصدیق ہونے کے بعد کوئی قدم اٹھائیں گے جبکہ امریکہ کے علاوہ اقوام متحدہ نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ وہ جوابی اقدام کرنے کے بجائے صبر و تحمل سے کام لے۔ گویا صبر و تحمل صرف پاکستان کے لیے لازم ہے بھارت کے لیے نہیں۔

• دراصل چین کا گھیراؤ کرنے کے لیے امریکہ کو بھارت کی ضرورت ہے جبکہ علاقے میں تھانیداری کے لیے بھارت کو امریکہ کی مکمل اشیرباد حاصل ہے اس لیے اگر پابندیوں کا فیصلہ ہوا بھی تو وہ محض نمائشی ہوں گی کیونکہ 1974ء میں ایٹمی دھماکہ کرنے کے باوجود بھارت پر کوئی سختی نہیں کی گئی اور امریکہ و یورپ نے ایٹمی مقاصد کے لیے استعمال ہونے والے ساز و سامان کی ترسیل جاری رکھی 1974ء میں امریکہ اور یورپ کے کمزور ردعمل کی بنا پر بھارت کو اپنا ایٹمی اور بعد میں میزائل پروگرام جاری رکھنے کی جرأت ہوئی اور وہ نیوٹرون و ہائیڈروجن بم بنانے بلکہ دھماکہ کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ حالانکہ بھارت جیسے پسماندہ اور افلاس زدہ ملک کے لیے اپنے وسائل یوں اسلحہ کی دوڑ پر خرچ کرنا پرلے درجے کی حماقت اور زیادتی ہے بھارت کو علاقے کے کسی ملک سے کوئی خطرہ نہیں چین قطعاً جارحانہ اور توسیع پسندانہ عزائم نہیں رکھتا حال ہی میں چینی صدر بھارت کا دورہ کر چکے ہیں اور خود بھارتی زعماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ چین سے بھارت کے تعلقات خوشگوار ہیں اور دونوں ممالک نے سرحدی تنازعات بھی طے کر لیے ہیں۔ پاکستان سمیت تمام ہمسایہ ممالک کے بارے میں بھارتی رہنماؤں، فوجی ماہرین اور رائے عامہ کا تاثر یہ ہے کہ یہ کمزور ممالک ہیں جو بھارت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس کے باوجود اپنے غریب، ناخواندہ، پسماندہ اور مسائل کے شکار عوام کو نظرانداز کر کے تمام وسائل ایٹمی قوت بننے پر صرف کرنے کا اس کے سوا کوئی جواز نہیں کہ یہ ہندو بنیاد پرست ریاست اپنے ہمسایہ بالخصوص پاکستان اور بنگلہ دیش کی آزادی اور خودمختاری کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے اور اپنی فوجی طاقت کے زور پر اکھنڈ بھارت کا خواب شرمندہ تعبیر کرنا چاہتی ہے۔ جب سے پاکستان نے اپنا ایٹمی پروگرام

داخل ہو کر اپنی شرائط پیش کر دیتی ہیں۔ اس طرح ہم بی جے پی کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں اور آزاد کشمیر پر قبضے کا خواب بھی بکھر سکتا ہے۔ تاہم یہ طے کرنا ضروری ہے کہ ہم اس کی قیمت کڑی شرائط اور پابندیوں کی صورت میں ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بھٹو نے گھاس کھائیں گے ایٹم بم بنائیں گے کا نعرہ دیا تھا قوم اب بھی اس کے لیے تیار ہو گی مگر ہمارے بالائی طبقہ بالخصوص حکمرانوں کو بھی اس کے لیے تیار ہونا پڑے گا اور اپنی آزادی، خود مختاری اور سلامتی کے تحفظ اور عزت و وقار سے جینے کے لیے اتنی قربانی دینی پڑے گی۔ بھارت نے اپنا آخری پتہ بھی پھینک دیا ہے اور اس لحاظ سے ہمیں جوابی اقدام کا موقع فراہم کر دیا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور فوج کے چیف آف سٹاف نے فیصلہ کرنے کی ذمہ داری وزیر اعظم پر ڈالی ہے۔ غنیمت ہے کہ وزیر اعظم کو بھی اس کا احساس ہوا تبھی انہوں نے المانی سے واپسی پر اعلیٰ سطحی اجلاس طلب کیا ہے۔ قوم کو امید ہے کہ غوری میزائل کی طرح اب بھی ہم بی جے پی اور بھارت کو مناسب جواب دے کر ثابت کریں گے کہ ہندو مسلم لڑائی ابھی ختم نہیں ہوئی اور برصغیر میں ہندو اور بھارت کے مقابلے میں مسلم اور پاکستان موجود ہیں جو علاقے کی چودھراہٹ کا بھارتی خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیں گے۔ آج اگر ہم نے عالمی دباؤ کے سامنے سر تسلیم خم کیا تو پھر شاید ہمیں بطور آزاد ملک کے زندہ رہنے کا حق بھی حاصل نہ رہے کیونکہ بھارت ہمارے رد عمل کا منتظر ہے اور اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ یہ دھماکے چین یا کسی اور ملک کو اپنی طاقت کا معتبر کرنے کے لیے نہیں بلکہ دراصل ہماری غیرت کو چیلنج دیا ہے۔ امید کی جانی چاہئے کہ ہمارے غیور عوام اور حکومت اس چیلنج کو ضرور قبول کریں گے اور دشمن کو اس کی زبان میں جواب دیں گے۔ انشاءاللہ

بھارتی دھماکے اور بھارتی پریس

بھارت کے ایٹمی دھماکے اچانک تو نہیں کیے جا سکتے کیونکہ بی جے پی نے اپنے الیکشن ایجنڈے میں یہ بات شامل کی تھی اور بی جے پی کی متعصب ہندو قیادت بھلے اپنی حکومت کے لیے مسلمانوں سے بھی کوئی سودے بازی کر لے لیکن اس بات کا سوال ہی نہیں اٹھتا کہ وہ کبھی اپنی اصلیت سے ہٹ جائے اور ان کی اصلیت مسلم دشمنی اور پاکستان کے خلاف ہر سطح پر ممکن جارحیت ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ انسانی آزادی کے علمبردار بھارتی میڈیا نے ان دھماکوں پر وہ رد عمل ظاہر نہیں کیا جس کی توقع مہذب دنیا کو ان کی طرف سے تھی۔ اس باب میں بھارت کے کچھ اردو اور انگریزی اخبارات کے تبصرے شامل ہیں جو بھارت کے ایٹمی دھماکے کے فوراً بعد کیے گئے۔ اس سے قارئین کو بھارتی میڈیا کی ذہنیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

ہندوستان کا کامیاب ایٹمی تجربہ

وزیر اعظم باجپائی نے کل اپنی پریس کانفرنس میں پوکھران میں کیے گئے تین ایٹمی تجربات کا اعلان کر کے پوری دنیا کو سکتے میں ڈال دیا تھا۔ ظاہر ہے ایک ایسی حکومت میں جو کہ نہ صرف مختلف پارٹیوں کی حمایت پر قائم ہو بلکہ اپنے اتحادیوں کے دباؤ میں بھی ہو، اس سے اس قسم کے جرأت مندانہ اقدام پر حیرت ہی ہونی چاہیے تھی۔ سکتے کی حالت ختم ہونے کے بعد پوری دنیا میں خاص طور سے مغربی ملکوں کی جانب سے جس ردعمل کی توقع تھی وہ اسی کے سامنے آ رہے ہیں۔

اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کوفی عنان نے اس تجربے پر افسوس کا اظہار کیا ہے جبکہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ نے احتجاجاً اپنے سفیروں کو واپس بلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جاپان نے ایٹمی تجربے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ہند کو دی جانے والی ترقیاتی امداد روکنے کی دھمکی دی ہے۔ جاپانی وزیر اعظم نے اسی ہفتہ برمنگھم میں ہونے والی جی-7 ملکوں کی میٹنگ میں ہندوستان کے خلاف مشترکہ کارروائی کی تجویز پیش کرنے کا بھی اعلان کیا ہے۔ کلنٹن انتظامیہ نے ہندوستان کے خلاف اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کا اشارہ دیا ہے۔ عالمی برادری کی مخالفتوں کے باوجود ایٹمی دھماکہ کرنے والے فرانس نے بھی ہندوستانی سائنس دانوں کی کارکردگی پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ برطانیہ نے بھی ہند کے خلاف پابندی لگانے کی تحریک کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔

ہندوستان کے پڑوسی ملک روس یا چین، سری لنکا اور پاکستان کا ردعمل ملا جلا ہے۔ توقع کے مطابق پاکستانی سیاستدان اور علماء ہندوستان کے ایٹمی دھماکہ کے جواب میں اپنی ایک سال پرانی نواز شریف حکومت پر جلد از جلد ایٹمی دھماکہ کرنے کا دباؤ ڈال رہے ہیں، جبکہ سری لنکا نے ہندوستان کے خلاف اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کے لیے امریکہ سے اپیل کی ہے۔ چین کی جانب سے ہندوستان کے ایٹمی دھماکے پر ابھی کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا ہے۔ مگر روس نے کہا ہے کہ ان دھماکوں کے باوجود

ہندوستان سے ہمارے تعلقات میں کوئی بہتری نہیں آئے گی۔

اتنی بات تو طے ہے کہ ہندوستان نے ایک ایسے وقت میں جب کہ اس کے پڑوس میں ایٹمی ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی ہو رہی ہے، تین مختلف شدت کے ایٹمی تجربات کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کے پاس اتنی ایٹمی صلاحیت موجود ہے جو ملک کی سلامتی کو درپیش کسی بھی خطرے کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ان تجربات کے ساتھ ہی ہندوستان کا شمار ایٹمی صلاحیت رکھنے والے ملکوں میں ہونے لگا ہے۔ لیکن اس کامیابی کا کریڈٹ دو ماہ پرانی باجپائی سرکار کو نہیں جاتا بلکہ ہندوستان کے سائنس دانوں کو جاتا ہے۔ یہ کریڈٹ ڈاکٹر عبدالکلام، راجہ رمنا اور یو این بسواس کو جاتا ہے، جنہوں نے ملک میں ایک طویل عرصہ سے جاری غیر سیاسی صورت حال کے باوجود اپنے [illegible] کے حصول کے لیے اور ملک کی سلامتی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھا اور ان کی دن رات کی کڑی محنت سے سائنسی ترقیات جاری وساری ہیں۔

جہاں تک ہندوستان کے ایٹمی صلاحیت والے ملک ہونے کا تعلق ہے تو دنیا کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ہندوستان 18 اکتوبر 1974ء کو ہی ایک ایٹمی طاقت بن چکا تھا۔ لیکن ہمارے سائنس دانوں اور سیاستدانوں نے اب تک اس کا اظہار نہیں کیا تھا تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ عالمی برادری کے ردعمل سے بچنا چاہتے تھے۔ اس ردعمل سے فائدہ کی بجائے نقصانات کے امکانات زیادہ تھے۔

اگرچہ بین الاقوامی ایٹمی توانائی کمیشن نے ہندوستان کے ایٹمی تجربے پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان نے ایٹمی تجربات کر کے کسی بین الاقوامی قانون کیخلاف ورزی نہیں کی ہے۔ کیونکہ ہندوستان ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤں کا مخالف ضرور ہے مگر اس نے ایٹمی تجربے روکنے والے کسی معاہدے پر دستخط نہیں کیے ہیں۔ اس لیے اسے ایٹمی تجربات کرنے کی پوری آزادی ہے۔ مگر جو عالمی ردعمل سامنے آ رہا ہے، اس سے ہمیں ڈرنے یا خوفزدہ ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہماری قومی سلامتی کو پس پشت ڈال کر ترقی یافتہ اور دولت مند مغربی ممالک کسی قسم کی پابندی عائد کرتے ہیں تو اس صورت میں پوری قوم متحد ہوگی۔ ہمارا ملک قدرتی دولت سے مالا مال ہے، اگر ہند کے خلاف امریکہ، جاپان اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک پابندیاں عائد کرتے ہیں تو نقصان ہند سے زیادہ انہیں ملکوں کو ہوگا۔

جہاں تک ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی مخالفت کا تعلق ہے تو اقوام متحدہ میں ہندوستان کے نمائندے نے اس سلسلہ میں اپنے ملک کے موقف سے پورے طور پر آگاہ کر دیا ہے۔ ہندوستان پوری دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے مکمل طور پر پاک کرنے کے حق میں ہے۔ سی ٹی بی ٹی میں چند ترمیمات کے بعد

ہندوستان بھی اس معاہدے میں شامل ہونے کے لیے تیار ہے۔

ہندوستان نے اگرچہ پڑوسی ملکوں کو بھی یہ یقین دہانی کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ دھماکے کسی ملک کے خلاف نہیں بلکہ اپنے ملک کی سالمیت کو محفوظ کرنے کے لیے کئے گئے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ خطہ میں اعتماد کا ماحول تیار کرنے کی سنجیدہ کوششیں کی جائیں۔ کیونکہ ان دھماکوں کے بعد ہندو بنیاد پرست قوتوں کو متحد ہونے کا موقع بھی مل گیا ہے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو پاکستان کے ایٹم بم کے خالق عبدالقدیر خان پہلے ہی یہ کہہ چکے ہیں کہ ان کے ملک کے پاس ایٹمی صلاحیت موجود ہے۔ اگر پڑوسی ملک اس جذبے کے تحت ایٹمی دھماکے کرتے رہیں یا ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی شروع کریں گے تو پھر برصغیر میں ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ بھی شروع ہو سکتی ہے۔

بہرحال ہندوستان نے جو کامیابی حاصل کی ہے، وہ ہندو مخالف طاقتوں کو زیر کرنے کے لیے ایک مثبت قدم ہے۔ اس کے خلاف اگر کوئی پابندی عائد ہوتی ہے تو پوری قوم متحد نظر آئے گی اور تمام مشکلات کا مقابلہ متحد ہو کر کرے گی۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ باجپائی حکومت ایٹمی دھماکوں کو سیاسی ایجنڈا نہیں بلکہ قومی ایجنڈا بنائے۔

(روزنامہ عوام-13 مئی 1998ء)

ہندوستان نیوکلیر طاقت

پوکھران (راجستھان) میں پیر کے دن تین زیر زمین ایٹمی دھماکے جن میں ہائیڈروجن بم کا دھماکہ بھی شامل ہے۔ نیوکلیر ٹیکنالوجی میں ہندوستان کی اعلیٰ ترین مہارت اور غیر معمولی صلاحیتوں کا ثبوت ہے یہ دھماکے ایک طرح سے چین کے توسیع پسندانہ عزائم اور پاکستان کی عسکری مہم جوئی کا منہ توڑ جواب ہیں۔ ہندوستانی سائنسدانوں نے یہ تجربے کر کے دنیا میں نہ صرف اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو منوا لیا بلکہ ساری قوم کا سر فخر سے اونچا کر دیا۔ اس تاریخی کارنامہ پر انہیں جتنی بھی مبارکباد دی جائے کم ہے۔ ان دھماکوں کے بعد اب ہندوستان امریکہ اور روس کے بعد تیسری ایٹمی طاقت بن گیا ہے۔ ایٹمی دھماکوں کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے جبکہ ایک گھنٹہ کے وقفے سے نہایت کامیابی کے ساتھ دھماکے کیے گئے۔ بی جے پی اور اس کی حلیف جماعتوں کے قومی ایجنڈہ میں ملک کے دفاع سے غفلت نہ برتنے اور ضرورت پڑنے پر ایٹم بم تیار کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ جسے اب پورا کیا گیا ہندوستان نے دراصل 1995ء کے اواخر میں نیوکلیر دھماکہ کرنے کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں لیکن امریکہ کے جاسوسی مصنوعی سیاروں کی جانب سے یہ پتہ لگانے کے بعد کہ پوکھران میں غیر معمولی سرگرمیاں دکھائی دے رہی ہیں یہ منصوبہ ہی ترک کر دیا گیا تاہم اس مرتبہ جاسوسی مصنوعی سیارے ایسا پتہ لگانے میں ناکام رہے۔ بذات خود یہ ہماری ایک بڑی کامیابی ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت ہندوستان کے اطراف میں امن و سلامتی کا ماحول نہایت خطرناک ہے۔ ہم ایک طرح سے دشمنوں کے نرغے میں ہیں۔ چین ان دنوں زبردست فوجی تیاریاں کر رہا ہے اس نے اروناچل پردیش کے علاوہ یوپی کی سرحد پر فضائی پٹی تعمیر کی ہے حالیہ عرصہ میں تبت میں چین کی مسلح افواج کی تعداد میں بھی زبردست اضافہ کیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ چین میانمار کے ایک جزیرہ پر بحری اڈہ تعمیر کر رہا ہے۔ وزیر دفاع جارج فرنانڈس کی ان اطلاعات سے جنہیں غیر ذمہ دارانہ بیانات کہا جا رہا ہے سارے ملک میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ دوسری طرف پاکستان کی جارحانہ روش

اور ہندوستان دشمن رویہ میں کوئی کمی نہیں آئی۔ پاکستان غوری میزائل کے تجربہ کے بعد جو ہندوستان کے کسی بھی شہر کو نشانہ بنا سکتے ہیں اب وہ نئے ہلاکت خیز میزائلوں غزنوی اور ابدالی کا تجربہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ پاکستان کے نیوکلیر سائنس داں عبدالقدیر خان کے بموجب تجربہ کی تیاریاں مکمل ہیں، انہیں صرف حکام کی اجازت کا انتظار ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ایٹم بم تیار کرنے کے لیے پاکستانیوں کو اگر گھاس کھانا پڑے تو وہ اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ پوکھران تجربہ نے اب اس ملک کو ایٹمی اسلحہ تیار کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے۔

ہندوستان کے اچانک نیوکلیر تجربہ پر جس طرح شدید ردعمل کا اظہار کیا گیا ہے وہ ہرگز غیر متوقع نہیں ہے۔ نئی دہلی نے نیوکلیر تجربات پر جامع امتناع کے معاہدہ سی ٹی بی ٹی پر امریکہ کے شدید دباؤ کے باوجود دستخط نہیں کیے تھے اس لیے اس پر ایٹمی تجربات پر امتناع کی خلاف ورزی کرنے کا الزام عائد نہیں ہو سکتا البتہ امریکی ممالک ان تجربات کو بنیاد بنا کر ہندوستان کے خلاف معاشی تحدیدات عائد کر سکتے ہیں۔ امریکی قانون کے تحت اگر کوئی ملک ایٹمی تجربہ کرے تو وہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر دی جانے والی امداد کے سوا کسی بھی قسم کی دوسری تمام امداد سے محروم ہو سکتا ہے۔ اگر بالفرض ایسا ہوتا ہے تو پھر ہمارے مختلف ترقیاتی، برقی اور آب پاشی پراجیکٹوں کے لیے ملنے والی امداد اور بنک قرضے بند ہو سکتے ہیں جس کا ترقیاتی سرگرمیوں پر اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کا صدر کلنٹن کے مجوزہ دورہ پر بھی اثر پڑ سکتا ہے امریکہ اگر تحدیدات عائد کرے تو ورلڈ بنک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ جیسے ادارے بھی اس کی تقلید کریں گے اس سے جو معاشی بحران پیدا ہوگا اس کا ابھی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ پاکستان سے ہندوستان کے تعلقات پہلے ہی کشیدہ ہیں۔ جولائی میں سارک وزراء خارجہ کی کانفرنس تک یہ مزید خراب ہو سکتے ہیں۔ پاکستان میں جنگی جنون کو ہوا دی جا سکتی ہے۔

پوکھران تجربہ کا تعلق ہمارے ملک کی سلامتی سے ہے اور یہ قومی مفاد کو ذہن میں رکھ کر کیا گیا ہے جب پڑوسی ممالک نیوکلیر طاقت بن چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم غفلت برتیں یوں بھی موجودہ دنیا صرف طاقت کی زبان سمجھتی ہے ہمارے ساتھ یہ مشکل ہے کہ ہم تو پرامن بقائے باہمی کے اصول پر سختی سے کاربند رہیں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ دنیا بھر میں ہماری بات بھی توجہ سے سنی جائے گی اور ہم برابری کی سطح پر بات چیت کر سکیں گے۔ جہاں تک امریکہ کی معاشی تحدیدات کا تعلق ہے تو حکومت نے تجربات کا فیصلہ کرتے وقت اس نکتہ کو ضرور نظر میں رکھا ہوگا پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم غیر ضروری تشویش میں مبتلا ہوں ہمیں آزمائش کی گھڑی کے لیے خود کو ابھی سے تیار کرنا ہوگا۔ ہمیں کسی بھی صورت میں ہرگز یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ ایٹمی تجربات جو ملک کی سلامتی اور تحفظ کو پیش نظر رکھ کر کیے گئے ہیں۔ یہ ایک قومی فیصلہ ہے جو اتفاق رائے سے کیا گیا ہے۔ (سیاست۔ دہلی)

سراونچا کر دیا

آج رمیش جی سے بچھڑے ہمیں 14 برس ہو گئے ہیں اور آنجہانی کے بلیدان وس پریوار کے لوگوں، ان کے ساتھیوں اور پاٹھکوں کے دلوں میں ان کی یاد پہلے کی طرح تازہ ہے۔ پوجیہ پتا لالہ جگت نارائن جی کے بعد آدرنیہ رمیش جی ہمیں ''ہند سماچار پریوار'' کو چلانے کی جو ذمہ داری سونپ گئے تھے اسے ہم پوری تندہی کے ساتھ نبھاتے آ رہے ہیں۔ سورگیہ رمیش جی کی برسی پر آج ہم اپنی طرف سے کچھ نہ لکھ کر انہیں کی طرف سے 20-06-1978 کو لکھا گیا ایڈیٹوریل ''سراونچا کر دیا'' کو یہاں پیش کر رہے ہیں۔ جو آج بھی بھارت کی ایٹمی پالیسی کے بارے میں اتنا ہی باجواز ہے جتنا اس وقت تھا۔

سراونچا کر دیا

پردھان منتری شری مرار جی ڈیسائی کے امریکی دورے کا سب سے زیادہ کامیاب سٹینڈ وہ تھا جو انہوں نے بھارت کی ایٹمی پالیسی کے بارے میں اپنایا۔ کچھ برس ہوئے دنیا کے پانچ بڑے ممالک نے، جن میں روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ شامل ہیں ایک سمجھوتہ کیا، جس کا نام ایٹمی دھماکہ نہ کرنے (Nuclear Non-Proliferation Act.) کا سمجھوتہ تھا۔ اس سمجھوتے کے تحت ان پانچ ممالک نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ مستقبل میں دنیا کے کسی بھی دوسرے ملک کو تب تک ایٹمی ایندھن اور ایٹمی طاقت تیار کرنے کے بارے میں ضروری جانکاری مہیا نہیں کریں گے جب تک وہ ملک یہ وعدہ نہیں کرے گا کہ وہ اس ایندھن اور دوسری امداد کو ایٹمی دھماکہ کرنے یا ایٹم بم بنانے کے لیے استعمال نہیں کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس ملک کو اپنی بھٹیاں اور تمام ایٹمی کارخانے ان پانچ بڑے ملکوں کے معائنہ کے لیے کھلے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ جب بھی چاہیں اس بات کی تسلی کر سکیں کہ ایٹمی

امداد حاصل کرنے والا ملک کہیں خفیہ طور پر ایٹم بم تو نہیں بنا رہا۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ممالک نے ابھی تک اپنے وجود کو بنائے رکھنے کے لیے روس اور امریکہ کا منہ دیکھا ہے اور ان ممالک نے تو جو ابھی تک ایٹمی سائنس میں ترقی نہیں کر سکے ہر سمجھوتے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ بھارت کا سٹینڈ یہ تھا کہ جب تک یہ پانچ بڑے ممالک خود ایٹمی تجربے اور دھماکے بند نہ کریں، انہیں کوئی حق نہیں کہ وہ دوسرے ممالک پر اس طرح کی پابندی لگائیں۔ بھارت کے اس انکار پر امریکہ سرکار نے بھارت میں امریکی مدد سے لگائے گئے تاراپور کے ایٹمی پلانٹ کے لیے ایٹمی ایندھن (تیز یورینیم) سپلائی کرنے سے انکار کر دیا۔ یاد رہے کہ ہر چھ مہینے کے بعد تاراپور اٹامک پاور پلانٹ کے لیے 6-7 ٹن یورینیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس پلانٹ سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے اس سے مہاراشٹر اور گجرات کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔

قدرتی طور پر امریکہ کے اس رویہ سے بھارت میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ بھارت میں چونکہ ایٹمی ریسرچ کافی آگے بڑھ چکی ہے اور بھارت نے 1974ء میں پوکھران کا ایٹمی دھماکہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اب ایٹم بم بنانے کی پوزیشن میں ہے۔ لیکن یہ سب کچھ تب بیکار ہے جب تک بھارت ایٹمی ایندھن (یورینیم) کی سپلائی میں خود کفیل نہ ہو۔ اس وقت تک بھارت میں یورینیم تیار کرنے کا انتظام نہیں ۔ کا۔ بھارت کے جنوبی ساحل پر کیرل میں تھوریم کے کافی بڑے ذخائر ہیں جن سے یورینیم تیار کیا جا سکتا ہے لیکن ابھی تک اس کا انتظام نہیں ہو سکا۔ اس وقت بھارت میں دو ایٹمی بجلی گھر چل رہے ہیں۔ ایک تاراپور میں امریکہ کی مدد سے اور دوسرا راجستھان میں کوٹہ میں کینیڈا کی مدد سے۔ جب بھارت نے 1974ء میں پوکھران کا ایٹمی دھماکہ کیا تو کینیڈا نے بھارت کو اس ایٹمی بجلی گھر کے لیے ایٹمی ایندھن اور بھاری پانی کی سپلائی بند کر دی۔ بھاری پانی کو ایٹمی بجلی گھر میں ایٹمی طاقت کو کنٹرول کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اندرا گاندھی نے یہ بھاری پانی حاصل کرنے کے لیے روس سے سمجھوتہ کیا۔ جس کے تحت کینیڈا کے اس ایٹمی بجلی گھر کو ان پانچ بڑے ممالک کے ایٹمی کلب ''انٹرنیشنل ایٹمی انرجی ایسوسی ایشن'' کے معائنہ کے لئے کھول دیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان ایٹمی بجلی گھروں میں جو یورینیم (یو-233) بجلی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے وہ استعمال کے بعد ایک دوسری دھات پلوٹونیم (یو-235) میں بدل جاتا ہے۔ اور یہی وہ پلوٹونیم ہوتا ہے جسے بعد میں ایٹم بم بنانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ ویسے پلوٹونیم کو بھی اگر چاہیں تو بجلی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے الگ قسم کا کارخانہ لگانا پڑتا ہے۔ پانچ بڑے ایٹمی ممالک نے ایٹمی

امداد کے لیے دوسرے ممالک پر جو پابندیاں لگائی ہیں ان کا اصل مقصد اس پلوٹونیم پر نگاہ رکھنا ہے۔ اس کو کہیں ایٹمی دھماکہ کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

جب حال ہی میں پردھان منتری شری مرارجی ڈیسائی امریکہ گئے تو امریکہ نے تاراپور کے ایٹمی بجلی پلانٹ کے لیے یورینیم کی سپلائی روک رکھی تھی اور یہ دونوں ممالک کے درمیان جھگڑے کی وجہ بنا ہوا تھا۔ امریکہ اس سوال پر بھارت کو جھکانا چاہتا تھا۔ لیکن شری مرارجی ڈیسائی اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بھارت اپنے طور پر تو اس بات کا پابند ہے کہ وہ مستقبل میں ایٹمی دھماکہ نہیں کرے گا اور ایٹمی طاقت کو کسی فوجی مقصد کے لیے استعمال نہیں کرے گا۔ لیکن وہ تب تک پانچ بڑے ممالک کے بنائے ہوئے ایٹمی دھماکہ نہ کرنے کے لیے سمجھوتے پر دستخط نہ کرے گا جب تک یہ پانچ بڑے ممالک خود بھی ایٹمی دھماکہ نہ کرنے، مستقبل کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کو ختم کرنے اور اپنے موجودہ ایٹم بموں اور ایٹمی ہتھیاروں کے بھاری ذخیروں کو ختم کرنے کا اعلان نہیں کرتے۔

اپنے حالیہ امریکی دورہ میں شری مرارجی ڈیسائی نے اپنے اس نظریہ کو اتنی صراحت اور دلیری کے ساتھ امریکی ممبران پارلیمنٹ اور امریکی اخبار نویسوں کے سامنے پیش کیا اور ان کے ہر سوال کا اتنی قابلیت سے جواب دیا کہ امریکہ کے لوگوں اور سیاست دانوں کو ان کی دلیل ماننی پڑی۔ شری مرارجی ڈیسائی کا یہ سٹینڈ اصول اور اخلاق پر مبنی تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ جو پابندی یہ پانچ بڑے ممالک دوسروں پر لگانا چاہتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنے اوپر لگائیں۔ تبھی وہ دوسروں کو نصیحت کر سکتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ خود تو ایٹمی دھماکے کرتے جائیں اور ایٹم بم کے بعد ہائیڈروجن اور نیوٹرون بم بناتے چلے جائیں اور اپنے ایٹمی ہتھیاروں کے بھنڈار بڑھاتے چلے جائیں جبکہ دوسرے ممالک پر ایٹمی دھماکوں اور ایٹمی ہتھیار تیار کرنے پر پابندی لگائیں۔

شری مرارجی ڈیسائی نے امریکہ میں بار بار اعلان کیا کہ بھارت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ رضاکارانہ طور پر ایٹمی دھماکہ نہیں کرے گا اور نہ ہی ایٹم بم یا ایٹمی ہتھیار بنائے گا۔ لیکن پانچ بڑے ممالک کے اس بے اصولے بلیک میل کے آگے نہیں جھکے گا اور ایٹمی دھماکہ نہ کرنے کے سمجھوتہ پر تب تک دستخط نہیں کرے گا جب تک یہ پانچ بڑے ممالک خود ان پابندیوں کو اپنے اوپر لاگو نہیں کریں گے۔ خواہ تاراپور کے لیے ایٹمی ایندھن ملے یا نہ ملے۔

ان سے پوکھران کے ایٹمی دھماکہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ اس وقت پردھان منتری ہوتے تو یہ دھماکہ کبھی نہ کرتے۔ چند اخبار نویسوں نے شری مرارجی ڈیسائی سے کہا کہ اگر وہ کل کو پردھان منتری نہ رہیں اور کوئی دوسرا آ جائے تو وہ اس موجودہ پالیسی کو بدل سکتا ہے۔ اس

پر شری مرار جی ڈیسائی نے کہا کہ جو وعدہ وہ اپنی سرکار کی طرف سے کر رہے ہیں اس پر ان سے ہوں گے پابند رہیں گے۔ لیکن اگر وہ کل کو وعدہ خلافی کریں تو امریکہ سرکار اس وقت اپنی پالیسی پر غور کر سکتی ہے۔

پردھان منتری شری مرار جی ڈیسائی کے باوقار رسپانس سے نہ صرف بھارت کا سر تمام دنیا میں اونچا ہوا بلکہ امریکہ کے ممبران پارلیمنٹ ان کی صاف گوئی اور انصاف پسندی کے قائل ہوئے ہیں کہ بھارت کو یورینیم کی سپلائی فوری طور پر بحال کر دی گئی ہے۔ جو تارا پور کو جاری رہے گی۔ پردھان منتری کے دورہ امریکہ کی یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

سورگیہ مرار جی ڈیسائی نے اس وقت عظیم ایٹمی طاقتوں کے آگے نہ جھکنے کا جو فیصلہ کیا تو وہ پالیسی پر بھارت کی آج تک کی بھی سرکاریں چلتی آئی ہیں۔ گزشتہ برس بھی امریکہ نے ایٹمی تجرباتی ممنوعہ معاہدہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے لیے بھارت پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی لیکن بھارت سرکار نے انکار کر دیا۔ لیکن تب کے پردھان منتری شری اندر کمار گجرال نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ موجودہ بھاجپا گٹھ جوڑ سرکار نے بھی ایسے کسی معاہدے پر دستخط نہ کرنے اور بھارت کی ترقیاتی کاموں کے لیے ایٹمی متبادل کھلا رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

بھارت کے پنڈت جواہر لال نہرو، سورگیہ سردار پٹیل، لال بہادر شاستری، اندرا گاندھی اور جی ڈیسائی کے زمانے سے ہی یہ پالیسی رہی ہے کہ بھارت ایٹمی طاقت کو پرامن کاموں کے لیے استعمال کرے گا اور اس سلسلہ میں کسی بھی عظیم ایٹمی طاقت کے آگے نہیں جھکے گا۔

آج پاکستان کی طرف سے میزائلوں اور ایٹمی ہتھیاروں کے بنانے اور چین کی طرف سے تبت میں ایٹمی ہتھیاروں کے بھنڈار اکٹھے کئے جانے سے بھارت کے لئے ایک خطرے کی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ لہٰذا ایسی حالت میں بھارت کے لیے کسی "ایٹمی ممنوعہ معاہدہ" سے بندھا ہوا ہونا بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ یہ ہمارے ان عظیم لیڈروں کی دور اندیشی ہی تھی کہ وہ اپنے زمانے میں ملک کو اس حالت میں پڑنے سے بچا گئے اور ایک ایسی ایٹمی پالیسی بنا گئے جس پر آج ملک بغیر کسی رکاوٹ کے آگے چل سکتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کے لیے ایٹم بم بھی بنا سکتا ہے۔ بھارت میں چاہے دوسرے میدانوں میں گراوٹ آئی ہو یا سکینڈلوں کی وجہ سے اس کے عکس کو کچھ چوٹ لگی ہو۔ لیکن ایٹمی پالیسی کے میدان میں بھارت نے کسی کے آگے نہ جھک کر اب تک اپنا سر اونچا رکھا ہے۔ (ہند سماچار۔ جالندھر)

واجپائی کا قد اونچا ہوا

بھارتیہ سائنس دانوں نے گزشتہ 11 مئی کو بدھ پورنیما کے دن راجستھان کے ضلع جیسلمیر کے پوکھران ریگستان میں تین طرح کے ایٹمی دھماکے کر کے ملک کے دشمنوں میں ہڑکمپ مچا دیا۔ یہ زیر زمین دھماکے بعد دوپہر 3-45 بجے کیے گئے اور ان کا اعلان نئی دہلی میں 5-45 بجے پردھان منتری اٹل بہاری واجپائی نے جلدی جلدی میں بلائی گئی ایک پریس کانفرنس میں کیا۔ ان کامیاب اور حسب توقع تجربات سے جہاں ہمارے سائنس دانوں نے اپنی زبردست ذہانت اور صلاحیت کا مظاہرہ کیا وہاں شری واجپائی نے اپنی پختہ سیاسی قوت ارادیت کا مظاہرہ کیا۔ 24 برس پہلے پوکھران ریگستان میں ہی بدھ پورنیما کے دن بھارت نے پہلا ایٹمی دھماکہ کیا تھا۔ تب اس وقت کی پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی نے جو 1971ء کی بھارت پاکستان جنگ جیتنے کے بعد بلندی پر تھیں خود کو دنیا کے سامنے "مرد آہن" کے طور پر پیش کیا تھا۔ کل پوکھران میں پھر سے تاریخ لکھی گئی اور شری واجپائی نے دنیا کے سامنے خود کو ایک ایسے لیڈر کے طور پر پیش کیا جس کا کہنا اور کرنا ایک ہے۔ بھاجپا کے چناؤ اور ایجنڈا اور واجپائی سرکار کے قومی ایجنڈے میں ایٹمی پالیسی سے متعلقہ متبادل کھلے چھوڑے گئے تھے۔ تین ایٹمی دھماکے کر کے واجپائی سرکار نے تمام دنیا کو واضح کر دیا کہ بھارت سرکار اور اس کی سیاسی لیڈر شپ ملک کی دفاعی ضروریات کی تئیں پوری طرح بیدار ہے اور اس مسئلے پر کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی دباؤ برداشت کیا جائے گا۔

کچھ لوگوں کی رائے میں پاکستان کے "غوری" میزائل کا تجربہ کئے جانے کے بعد بھارت کے لئے کوئی ٹھوس قدم اٹھانا لازمی تھا۔ لیکن وزیر دفاع جارج فرنینڈس نے بار بار یہ واضح کیا تھا کہ غوری ہمارے لیے کوئی ہوا نہیں ہے۔ کیونکہ "پرتھوی" جیسے میزائل دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کے لیے ہمارے پاس ہیں۔ کل ہی بھارت نے "ترشول" میزائل کا قطعی کامیاب تجربہ کر کے دنیا کو بتا دیا کہ تباہ کن ہتھیاروں کے معاملے میں بھی بھارت کسی سے پیچھے نہیں۔ ویسے ہمارے میزائل بھنڈار میں "ناگ" اور

"آکاش" بھی ہیں۔

امریکہ جو خود کو ایک تھانیدار سمجھتا ہے اور اس کے پٹھوؤں کا ایٹمی میدان میں بھارت کی شاندار کامیابی پر ہائے توبہ مچانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ امریکہ اور اس کے ساتھی ممالک کو یہ وہم ہے کہ بھگوان نے ایٹمی ہتھیار رکھنے کا حق صرف انہیں ہی دیا ہے۔ اپنے ایٹم بم بھنڈاروں کو محفوظ رکھنے کے لیے امریکہ اور اس کے پٹھوؤں نے سی ٹی بی ٹی پر تمام دنیا کے ممالک سے دستخط کرانے کا ڈھونگ رچایا۔ بھارت نے اس معاہدہ پر آج تک دستخط نہیں کیے۔ کیونکہ وہ کسی ملک یا چند ممالک کے ایٹم بم رکھنے کی اجارہ داری کو قبول نہیں کرتا۔ امریکہ نے پوکھران کامیابی سے جل بھن کر بھارت کے خلاف پابندی لگانے کا چرچا کیا ہے۔ بھارت سرکار نے واضح کر دیا ہے کہ وہ ایسی پابندیوں کا سامنا کرنے کو تیار ہے۔ لیکن اس نے ساتھ ہی یہ بھی یقین ظاہر کیا ہے کہ امریکہ جلد بازی میں ایسی کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ بین الاقوامی ایٹمی کمیشن کا ویانا میں دیا گیا یہ بیان بھارت سرکار کو کافی راحت پہنچانے والا ہے کہ بھارت نے ایٹمی دھماکے کر کے کسی بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔

پردھان منتری شری اٹل بہاری واجپائی نے جب ہمتیہ سیاسی قوت ارادیت کا تعارف دیتے ہوئے بھارتی سائنس دانوں کو تجربات کے لیے ہری جھنڈی دی تو انہیں معلوم تھا کہ پاکستان کے پیٹ میں یقیناً درد ہوگا۔ امریکہ اور اس کے ساتھی ہائے توبہ مچائیں گے۔ اس لیے تمام دنیا میں جو ردعمل ہوا ہے وہ غیر متوقع نہیں ہے۔ ہم نہیں کہیں گے کہ اس ردعمل کا جواب ہمیں نہیں دینا چاہیے۔ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ شری واجپائی نے بھارت کو ایک مضبوط ملک بنانے کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس کے لیے وہ مسلسل اپنے قدم آگے بڑھاتے جائیں۔ ان کا قد کل کی شاندار کامیابی سے اونچا اٹھا ہے اور ان کی پارٹی بھاجپا کی پوزیشن بھی مضبوط ہوئی ہے۔

(اشونی کمار۔ ہند سماچار۔ جالندھر)

بھگوان بدھ پھر مسکرائے!

آج سے 24 برس پہلے کچھ دن بعد ہی اس وقت کی پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی کو ایک پیغام پہنچا، جس میں کہا گیا تھا کہ بھگوان بدھ مسکرائے ہیں۔ جس شخص کو یہ پیغام ملا وہ یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کا مطلب کیا ہے، لیکن جب اسے دیوی اندرا کو بتایا گیا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھیں۔ پیغام کا اشارہ تھا کہ ہمارے سائنس دانوں نے پرمانو بم کا تجربہ کر لیا ہے۔ یہ تجربہ ہوا 18 مئی کے دن راجستھان کے ریگستان میں پوکھران کے مقام پر۔۔۔۔ آج 24 برس کے بعد پردھان منتری اٹل بہاری واجپائی کو پھر اسی طرح کا پیغام آیا، جس میں بتایا گیا کہ دوپہر کے پونے چار بجے پرانے مقام پر "بھگوان بدھ پھر مسکرائے ہیں۔"

امر واقعہ یہ ہے کہ برسوں سے مانگ ہو رہی تھی کہ آج جب کہ ہندوستان کے دو بڑے حریفوں نے ایٹمی ہتھیار تیار کر لیے ہیں تو ہندوستان کیوں خاموش ہے؟ کوئی اس بات سے انکار نہ کر سکے گا۔ بے شک اسے اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہو، لیکن کوئی گارنٹی نہیں کہ یہ اسے ہی نقصان پہنچائے گا ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا اس کی گیسوں کو دشمن کی طرف لے جانے کی بجائے اپنی طرف بھی کر سکتا ہے اس کے علاوہ یہ ڈر بھی تھا کہ اگر یہ بم چلانے والے کے خلاف اس کے دشمن نے بھی ایسا ہی بم چلا دیا تو کیا ہوگا؟ پاکستان، ہندوستان کے خلاف اسے استعمال کر کے اس کے چند بڑے شہروں کو تباہ کر دیتا، لیکن ہندوستان کی جوابی کارروائی سارے پاکستان کو کھنڈر بنا کر رکھ دیتی۔

مت سمجھئے کہ پاکستان اس بات کو جانتا نہ تھا۔ باوجود اس کے اگر وہ بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا تو اس لیے کہ وہ بھارت کو اب بلیک میل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان یہ بم اب نہ بنائے گا۔۔۔۔ 1974ء میں اس نے جو تجربہ کر لیا، کر لیا۔ اب اس کی جرأت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہ امریکہ کو ناراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں اور امریکہ اس کے ایسے تجربہ پر پیچ پا ہو کر نہ جانے اسے کیا سزا دے۔ یہ تھا پاکستان کا خیال۔ اس کے علاوہ پاکستان سرکار یہ بھی محسوس کرتی تھی کہ ایسا تجربہ پاکستانی عوام کے

حوصلے مستحکم کردے گا۔ حق تو یہ ہے کہ اس نے کسی حد تک کئے بھی ہیں۔

اتنا ہی نہیں، پاکستان کے ساتھ ساتھ چین بھی اپنی معمول کی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ 1962ء میں ہم اس کی ہندی، چینی بھائی بھائی کی نیتی کا شکار ہو گئے۔ آج پھر وہ ایسا ہی کر رہا تھا، کو اس بار ذرا زیادہ ہوشیاری سے عمل کر رہا تھا۔ ہندوستان کے خلاف اس کے خیال میں جو مناسب اقدام تھے انہیں وہ کرتا جاتا، لیکن اس کے ساتھ ہی ہندوستان سے دوستانہ تعلقات بھی بڑھاتا جاتا۔ حق تو یہ ہے کہ چین کا عمل آج بھی ویسا ہی تھا جیسا 1962ء کے دنوں میں تھا۔

اس سب کو دیکھتے ہوئے ہندوستانی بے چین ہوئے تھے اور سوال کر رہے تھے کہ سرکار کب اپنے پرمانو بم کا اعلان کرتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کی جنتا اس بم کی تیاری صرف اور صرف اپنے آتم بل کو مضبوط کرنے کے لیے کر رہی تھی۔ چاروں طرف کی مایوسی اور ہمہ گیر بے بسی نے اس دیش کے عوام کو نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔ اس لیے وہ اس دن کا انتظار کر رہے تھے اور یہ گھڑی 11 مئی کو پونے چار بجے دوپہر آ گئی۔ جب پوکھران میں ہمارے سائنس دانوں نے ایک نہیں تین تجربے کیے۔ تینوں کے تینوں کامیاب رہے اور ہمیں اس بات کا فخر ہے کہ اس کوشش میں ہم نے کسی غیر کا سہارا نہیں لیا۔ ہماری مدد کے لیے چین تھا نہ اتری کوریا، برطانیہ تھا اور نہ جاپان۔ سعودی عرب تھا نہ ایران جو کچھ ہوا وہ ہمارے اپنے سائنس دانوں کے دماغی کمال کا نتیجہ ہے۔ اس کامیاب تجربے کے بعد اب سمجھ میں آتا ہے کہ کیوں دنیا بھر کے بدھی جیوی اور سائنس دان یہ کہتے رہتے ہیں کہ بھارت کا دماغ دنیا کے بہترین دماغوں سے بھی بہتر ہے۔ آج سے چند برس پہلے سوویت روس نے ہندوستان کو دو کرایوجینک انجن دینے کا سودا کیا تھا۔ اس کے لیے قیمت بھی ادا کر دی گئی تھی۔ لیکن انہیں اتنا مفید اور کارآمد سمجھا گیا کہ امریکہ نے روس کو دھمکی دے دی کہ وہ یہ سودا منسوخ کر دے۔ یہ سودا ہوا تھا سوویت سرکار سے، لیکن جب یہ انجن دینے کا وقت آیا تو روس کا سوویت نظام ختم ہو چکا تھا اور روس کی ساری سلطنت درہم برہم ہو چکی تھی۔ مالی طور پر اس کا دیوالیہ نکل رہا تھا۔ سرکاری ملازمین اور فوج کے جوانوں کو مہینوں کے مہینے تنخواہ نہ مل رہی تھی۔ یہ حالت تھی، ان دنوں روس کی، جب امریکہ نے اسے الٹی میٹم دے دیا اور ماسکو کو جھکنا پڑا اور ہمیں یہ انجن نہ ملے۔ امریکہ نے سمجھا کہ اس انکار کے بعد ہندوستان اس کے قدموں پر گرنے پر مجبور ہوگا۔ روس اس گھڑی کا انتظار کر رہا تھا کہ اعلان ہو گیا کہ ہمارے سائنس دانوں نے اپنا ہی کرایوجینک انجن تیار کر لیا ہے۔ اس دن سے دنیا نے ماننا شروع کر دیا کہ ہندوستانی سائنس دانوں کی دماغی سوجھ بوجھ کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے وہ بے معنی نہیں۔ بہرحال اس کے بعد عوام حیران تھے کہ ہماری سرکار اپنے حریف ہمسایوں کے بلیک میل کے جواب کے لیے کیوں مناسب کارروائی نہیں کر رہی۔ بار

بار یہ سوال ہوتا اور ہمارے حاکم اور بدھی جیوی یہی جواب دیتے کہ وہ کبھی بھی اس مہلک گن کے ہتھیار کو تیار نہ کریں گے۔ انہیں بار بار کہا گیا کہ یہ ہتھیار دشمنوں کو بلیک میلنگ کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ استعمال کے لیے نہیں اور اگر استعمال کرنا بھی ہے تو کسی دوسرے کے استعمال کے بعد۔ جو بھی ہو لوگ جتا ہی سے یہ جاننا چاہتے تھے کہ ہماری سرکار کیا کر رہی ہے، اور سوموار کی شام کو اس انتظار کا جواب مل گیا، جب سرکاری طور پر اعلان ہو گیا کہ پوکھران میں پرمانو بم کے تین کامیاب تجربے کیے گئے ہیں۔ جب میں نے یہ خبر سنی تو بے ساختہ مجھے جگجیت سنگھ کی غزل کے چند شعر یاد آ گئے۔

دیر لگی آنے میں ان کو
شکر ہے پھر بھی آئے تو
آس نے دل کا ساتھ نہ چھوڑا
پھر بھی ہم گھبرائے تو

خیر! اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں اور یہ سوچنے کا وقت آ گیا ہے کہ آئندہ کیا ہوتا ہے۔

آج سب طرف اس بات کا انتظار ہو رہا ہے کہ امریکہ اس پر کیا کرتا ہے۔ امریکہ اس وقت اپنے آپ کو دنیا کا ٹھانیدار سمجھ رہا ہے۔ اس نے چار دوسرے دیشوں یعنی برطانیہ، فرانس، روس اور چین کے ساتھ پرمانو ہتھیاروں کی اجارہ داری کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انہیں خدائی اختیار حاصل ہے کہ وہ پرمانو ہتھیار بناتے رہیں، لیکن اور کوئی ایسا نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو اسے اس کی سزا ملے گی۔ لطف یہ ہے کہ امریکہ یہ جانتا ہے کہ اس کی دھمکی کاغذی ہے اور اس کے باوجود کئی دیش اپنے پرمانو ہتھیار تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ ایشیا میں اتری کوریا، اسرائیل، ایران اور پاکستان وغیرہ ایسا کر رہے ہیں امریکہ کے اپنے ہمسائے کئی دیش اس کام میں مصروف تھے، لیکن اس کے باوجود امریکہ ان ملکوں کو دبانا چاہتا تھا، جن پر اس کا دباؤ پڑ سکتا تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ ہندوستان ایسے دیشوں میں ایک ہے۔ ہندوستان سے اسے بذات خود کوئی شکایت نہ تھی لیکن یہ پاکستان اور پچھلے چند دنوں سے چین کو اپنی طرف کرنے کی غرض سے بھارت پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے مذکورہ دونوں ملکوں کا دباؤ اس پر کم ہو جائے۔ اب جبکہ اس کی خفگی اور ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھارت نے اپنے تجربے کر لئے ہیں تو سوال ہونے لگا ہے کہ وہ بھارت کو کیا سزا دے گا۔ ابھی یہ کہنا آسان نہیں کہ وہ ایسا کرتا بھی ہے اور اگر کرتا ہے تو کیا بھارت، امریکہ سے زیادہ ہتھیار خرید نہیں رہا، اس لیے وہ انہیں دینے سے انکار کر کے بھارت سرکار کو آتنک یا چنیت نہیں کر سکتا۔ جو نہی یہ نہ کرے گا اس کے اپنے ساتھی ہمیں یہ ہتھیار بیچنے کو تیار ہو جائیں گے۔ حق تو یہ ہے کہ آج تجارتی مقابلہ اتنا زیادہ ہو چکا ہے

کہ ہر دیش اپنے لیے مراعات حاصل کرنے کے لیے کوئی پابندی ماننے کو تیار نہیں۔ امریکہ اس بات سے بخوبی واقف ہے۔ ایسی حالت میں سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے خلاف وہ تجارتی پابندیاں عائد کرے گا۔ ایسا کرنا بھی آسان نہیں دکھتا۔ اس لیے کہ آج امریکن تاجر دنیا کی منڈیاں حاصل کرنے کے لیے کیا نہیں کر رہے۔ دوسروں کو چھوڑیے، خود امریکن صدر بل کلنٹن اپنے تاجروں کے دباؤ کے آگے جھک کر چین کی منڈیوں کو دیکھتے ہوئے بیجنگ کے درجنوں گناہوں کو نظر انداز کر رہا ہے۔ ایسی حالت میں بتائیے ہندوستان کی مارکیٹ کسی اور کے ہاتھ جانے دینے کو تیار نہیں اور پھر کون امریکن ہے جو یہ نہیں بتا کر امریکن سرکار جس بات پر ہندوستان کو سزا دینا چاہتی ہے خود اس کا احترام نہیں کر رہی۔ بھارت سرکار کے اس سوال کا جواب امریکہ کے پاس کیا ہے کہ وہ اپنے ایٹمی تجربوں پر پابندی لگانے کا نام نہیں لیتا۔ لیکن ہندوستان کو روکنا چاہتا ہے۔ اس کی طرف سے برسوں سے کوشش ہو رہی ہے کہ بھارت این پرولفریشن ٹریٹی اور کامپری ہنسیو ٹیسٹ بین سمجھوتہ پر دستخط کر دے۔ لیکن ہندوستان تیار نہیں ہوا۔ وہ کیا سوال انتر راشٹریہ سبھاؤں سے بھارت کو مالی امداد کا۔ اس پر بینک امریکہ کا کنٹرول ہے لیکن اسے دوسروں کو شک کرنا ہوگا کہ کیوں ہندوستان کو اس مدد سے ہی محروم کیا جا رہا ہے؟ وہ پچھلے 25 برسوں میں یہ بم بنا سکتا تھا لیکن اس نے ایسا کیا نہیں۔ اس لیے یہ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہمارے کیا کریں۔

مدیں اثنا بھارتیہ جنتا پارٹی کی سرکار کی ڈانواں ڈول کشتی کو تجربہ اور استحکام مہیا کرے گا۔

(پرتاپ۔ دہلی)

تجربے کے بعد

سوموار کے پوکھران کے تجربے کے بعد کئی دن تک اس کا چرچا ہوتا رہے گا۔ طرح طرح کے سوال ہوں گے اور لوگ ان کے جوابوں کا انتظار کریں گے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج تک دنیا کے کئی دیشوں نے پرمانو بم کے تجربے کیے ہیں۔ لیکن ان تجربوں کی تفاصیل ان دیشوں کے سائنس دانوں تک ہی محدود تھی۔ دنیا کو صرف اتنا ہی پتہ چلا جو تجربے میں شامل سائنس دانوں نے بتایا۔ لیکن 1945ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرنے کے جو جاوکن نتائج ہوئے وہ دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اس لیے لوگوں کی دلچسپی ان معاملات میں کافی ہے۔ عام لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ بم اتنی خوفناک تباہی کیسے کر سکتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو پرمانو کی پراسرار شکتی کا اندازہ نہیں ہے۔ کسی وقت سمجھا جاتا تھا کہ پرمانو یعنی ایٹم دنیا کا سب سے چھوٹا ذرہ ہے۔ لیکن بعد میں سائنس دانوں نے یہ کہا کہ اس ذرے کو بھی توڑا جا سکتا ہے اور اس کے ٹوٹنے پر جو انرجی نکلتی ہے اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ سائنس دانوں نے پتہ کیا کہ کئی ایسے ذرے ہیں جن میں ناقابل تصور توانائی ہوتی ہے اور جب انہیں توڑا جاتا ہے تو ان میں سے جو حرارت نکلتی ہے وہ صرف سائنس دان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ یہ عام لوگوں کے لیے ایک ناقابل فہم بات ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ ان ذروں سے بھی چھوٹے ذرات ہیں جو اس وقت نظر آتے ہیں جب آپ کمرے کا دروازہ بند کر دیں اور اس کمرے میں سورج کی شعاع کسی چھید سے گزر کر آئے تو یہ ذرات بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن سائنس دان ان کے وجود کی گہرائی میں جاتے ہوئے جاننا چاہتے ہیں کہ آخر یہ ہیں کیا اور کہ ان میں ایسی بے پناہ طاقت کہاں سے آ جاتی ہے۔ اس کا جواب تو اللہ میاں ہی دے سکتا ہے۔ لیکن ایٹم بم نے یہ بتا دیا ہے کہ یورینیم نام کی دھات کے ایٹم میں دوسری دھاتوں کے ایٹموں کے مقابلے میں سب سے زیادہ شکتی ہے اور جو ایٹم بنائے جا رہے ہیں وہ سینکڑوں ایٹموں کو ایک جگہ جمع کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور پھر خاص آلات سے ان کو توڑا جاتا ہے۔ جب ایک ایٹم ٹوٹتا ہے تو اس سے جو توانائی خارج ہوتی ہے وہ دوسرے کو توڑتی ہے اور اس طرح دیکھتے دیکھتے سارے ایٹم ٹوٹ جاتے ہیں اور

ان سے یہ بے پناہ حرارت جاری ہوتی ہے جو پھیلتے ہوئے اپنی زد میں آنے والی ہر شے کو شت کر دیتا
ہے۔کوئی وقت تھا جب یورینیم بم کا ذکر ہوا جو ہائیڈروجن بم سے زیادہ زوردار سمجھا جاتا ہے۔اس کے
بعد بھی کوئی بم آئے گا۔ابھی دیکھنے کی بات ہے۔حق تو یہ ہے کہ قدرت نے جو کچھ بنایا ہے۔اس کے
لوگوں کو ابھی بہت کم علم ہے۔آخرانترکش میں جو کچھ ہے کے کل تک اس کا پتہ تھا۔ہم لوگ سمجھتے
تھے کہ زمین، آسمان چاند اور سورج ایک ہی ہیں۔لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ دنیا ایک ہی نہیں بلکہ کئی
دنیائیں ہیں۔کیا ہم سوچ بھی سکتے تھے کہ فضا میں بھی کوئی دنیا لٹک سکتی ہے۔آخر چاند بھی تو ہے کچھ دن
ہیں۔یہ اشارہ بھی ہو رہا ہے کہ سورج نو ہیں۔معمولی دماغ تو یہ سمجھ نہیں سکتے۔کائنات لامحدود ہے۔پچھلے
دنوں یہ خبر آئی کہ چودہ ارب نوری سال (لائٹ ایئرز) سے سگنل آ رہے ہیں۔جب میں نے سنا تو کاغذ
پنسل لے کر یہ جاننے کی کوشش شروع کی کہ یہ فاصلہ کتنا ہے۔نوری سال سے مراد سورج کی روشنی کی
رفتار ہے۔ماہرین کا کہنا ہے کہ سورج کی کرنیں ایک سیکنڈ میں دو لاکھ میل کے قریب فاصلہ طے کر لیتی
ہیں۔اس پر ذرا اندازہ کیجیے کہ مذکورہ سگنل کتنی دور سے آیا ہے۔اگر ایک سیکنڈ میں سورج کی روشنی نے دو
لاکھ میل طے کرنے ہیں تو اس کے بعد اسے 60 سے ضرب دینے پر ایک منٹ بنے گا، پھر اسے 60 سے
ضرب دینے پر ایک گھنٹہ بنے گا اسے 24 سے ضرب دیجیے تو ایک دن بنے گا۔اسے 365 سے ضرب
دیں تو ایک سال بنے گا۔اس کو چودہ ارب سے ضرب دیجیے پھر کہیں جا کر آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ سگنل
کہاں سے آتے ہیں۔اور پھر کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان کی 14 ارب سے آگے اور کچھ نہیں ہے!

شاید یہی کارن ہے کہ سائنس دان جب ان مسائل پر غور کرتے ہیں تو وہ اس دنیا کے نہیں
رہتے۔کیونکہ معمولی انسان کا دماغ یہ سب کچھ سوچ نہیں سکتا۔اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سائنس دان نیم
پاگل ہوتے ہیں۔سچ تو یہ ہے کہ ان کی دنیا ہماری دنیا نہیں ہے وہ اپنی دنیا میں رہتے ہیں اور اپنی ہی
طرح سوچتے ہیں۔

یہ سب تو ہوا لیکن سوموار کے پوکھران کے تجربوں نے دیش بھر میں ایک جوش اور فخر کی لہر
پھیلا دی ہے۔کل تک جو خبریں آ رہی تھیں ان سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ ہمارے ہمسائے ہمیں پریشان
کر سکتے ہیں۔لیکن ایک چھوٹی سی خبر نے کروڑ ہا ہندوستانیوں کے دل و دماغ کو ایک نیا جوش اور حوصلہ
دلا دیا ہے۔پوکھران کے تازہ تجربوں پر پاکستانیوں کا تڑپ اٹھنا قابل فہم ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا تو یہ
پیدائشی حق ہے کہ وہ ہر قسم کا ہتھیار حاصل کریں اور ساری دنیا پر نظام مصطفیٰ ﷺ ٹھوک دیں اور اگر کوئی
دوسرا ذرا سی بھی طاقت حاصل کر لیتا ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے اس کے حق پر ڈاکہ ڈال دیا ہے۔
پوکھران کے تجربے پر پاکستانی وزیر خارجہ گوہر ایوب خان صاحب نے ہندوستان کو جلی کٹی سنائی ہے۔وہ

بھول گئے کہ آج سے کچھ دن پہلے ہی انہوں نے اپنے سائنس دانوں کے غوری میزائل تک آنے پر
بغلیں بجائی تھیں اور اپنے مخصوص انداز میں ہندوستان کو دھمکیاں بھی دے دیں کہ پاکستان یہ کر
دے گا وہ کر دے گا۔لیکن اب جبکہ ہندوستان نے بھی دنیا کو یہ دکھا دیا ہے کہ پاکستانیوں کی طرح
دوسروں کی مدد اور چوری سے نہیں بلکہ اپنے بل بوتے پر ہندوستان پاکستانیوں کے ہوش ٹھکانے لگانے
والے ہتھیار تیار کر سکتا ہے تو گوہر ایوب صاحب کے ہوش ٹھکانے لگ گئے ہیں۔

ان تجربوں کی ایک اور بات نہایت قابل غور ہے اور وہ یہ کہ کسی کو پتہ نہیں چلا کہ پوکھران
میں کیا ہونے جا رہا ہے۔کہا جاتا ہے کہ اس وقت آسمان میں امریکہ، روس، چین، برطانیہ وغیرہ وغیرہ
کے سیٹلائٹ گردش کر رہے ہیں جو چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔لیکن ان میں سے کسی
نے بھی یہ اشارہ نہیں کیا کہ ہندوستان میں کوئی ایٹمی تجربہ کیا جانے والا ہے۔یاد رہے کہ آج سے دو سال
پہلے امریکہ سرکار کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ ہندوستان کوئی تجربہ کرنے والا ہے۔صاف ظاہر ہے کہ فضا
میں گردش کرنے والے کسی سیٹلائٹ نے کچھ دیکھا ہوگا۔اس دن کے بعد سے اس قسم کی کوئی خبر نہیں آئی
کہ پوکھران میں کچھ تیاری ہو رہی ہے، لیکن سوموار کے پونے چار بجے یہ تجربہ ہو گیا۔اس کا مطلب یہ
ہے کہ ہمارے سائنس دانوں نے یہ تجربہ کرنے کے لیے کوئی نیا ہی طریقہ ڈھونڈا ہے۔جس میں وہ
پرانے اوزار استعمال نہ ہوئے تھے۔اس کے علاوہ جو سائنس دان پوکھران میں موجود تھے انہوں نے بھی
اپنے گھر والوں تک کو نہ بتایا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ایک اطلاع کے مطابق کچھ سائنس دان بمبئی سے
آئے اور وہ اپنے گھر والوں سے یہ کہہ آئے کہ وہ دلی میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے
ہیں۔اسی طرح بنگلور سے کچھ لوگ آئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں سے یہ کہا کہ وہ آگرہ جا رہے
ہیں۔اس طرح ان سائنس دانوں میں سے کسی نے یہ راز کسی تک منکشف نہیں ہونے دیا۔بیان کیا جاتا
ہے کہ پردھان منتری نے راشٹرپتی کو اتوار کی رات ہی کو بتایا کہ کیا ہونے جا رہا ہے۔باقی شاید دو ایک
منتریوں کو بھی اس کا علم ہو لیکن منتری منڈل کے سب لوگوں کو بھی اس کا کچھ پتہ نہ تھا۔

اس طرح یہ سارا تجربہ نہایت پراسرار ماحول میں ہوا اور شاید یہی کارن ہے کہ دنیا یہ سب کچھ
سن کر ششدر رہ گئی ہے۔بہرحال ایک واقعہ نے ہندوستان کی ساکھ بڑھا دی ہے۔(پرتاپ، دہلی)

قابل مبارکباد قدم

سارا ہندوستان اس بات پر فخر کر رہا ہے کہ اس نے اپنی حفاظت اور صلاحیت کے بارے میں اب کوئی دو رائے نہیں چھوڑی ہیں۔ اگر کسی کو غلط فہمی تھی تو وہ اب دور ہو جانی چاہیے کہ ہمارا ملک کس مقام پر کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کے پڑوس میں لگاتار ایسا ماحول بنایا جا رہا تھا جس کے اندر کی اس کی بنیادی صلاحیت پر شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا۔ زیادہ خطرے کی بات یہ تھی کہ ملک کے اندری لوگوں کو اپنی کمزوری پر یقین ہونے لگا تھا۔ برسوں کی انتہا پسندی اور لگاتار کی دھمکیوں سے اہل ہند کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ شاید وہ اندر ہی اندر کھوکھلے ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ سرکاروں میں تبدیلی اور لگاتار ٹھوس اکثریت کی کمی نے عام انسان کو یہ تصویر پیش کی تھی کہ ہندوستان کے لیڈر اپنے اندرونی مسئلوں میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ ان کو خارجہ پالیسی کی طرف دھیان دینے کا وقت ہی نہیں ہے۔ یہ سوچ ہر ہندوستان کے دماغ پر گہرا اثر ڈال رہی تھی۔ اس لحاظ سے سوموار کو کیے گئے کہ نیوکلیئر تجربات ملک کے لیے نیا حوصلہ لے کر آئے ہیں۔ صرف پالیسی تعمیر کرنے والوں کے لیے ہی نہیں بلکہ ایک عام انسان کو بھی یہ لگا ہے کہ وہ بے سہارا اور لاچار نہیں ہے۔ اس کے پاس بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے لیے طاقت ہے۔ یہ ہر قدم اور تہذیب کے لیے نہایت لازمی بات ہے اس کے لیے سرکار، سائنس دان اور بھی کام کرنے والوں کو مبارکباد دی جانی چاہیے۔ ان لوگوں نے دنیا کے سامنے ہند کا رتبہ اونچا کیا ہے اور بین الاقوامی سطح پر ہند کو مضبوطی دی ہے۔ یہ کامیابی سیاست، پارٹی داؤ پیچ اور اندرونی اختلافات سے بہت اوپر ہے۔ سارا ملک ایک آواز میں اس کا خیر مقدم کر رہا ہے۔

اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ عالمی ادارے میں ان تجربات کو لے کر، زیادہ تر، مخالفت ہوگی۔ لیکن ہندوستان کو اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ شیشے کے گھروں میں رہنے والوں کے لیے دوسروں پر پتھر پھینکنا مناسب نہیں ہوتا۔ امریکہ کی طرف سے سب سے زیادہ سخت امید کی جا رہی ہے۔ وہ دنیا کا ٹھیکیدار تو بنا ہوا ہے لیکن خود 1200 نیوکلیئر تجربے کرنے کے بعد وہ امن کا سبق

ہندوستان کو پڑھائے تو اٹپٹا سا لگتا ہے۔ ویشیاؤں کے منہ سے گیتا پاٹھ بہت اثر نہیں رکھتا۔ پھر بھی امریکہ اس وقت ایسی پوزیشن میں ہے کہ وہ پابندی عائد کر سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ٹھنڈے دماغ سے سوچے گا تو اسے احساس ہوگا کہ ہند کے لیے یہ قدم لازمی تھا۔ صرف ایک ملک کو سزا دے کر سارے تنہا مجرم نہیں کیے جا سکتے۔ چین کو سو خون بھی معاف ہیں اور ہند اپنے بچاؤ کا سامان تیار کرے تو ہائے دہائی مچائی جاتی ہے۔ امریکی حکام کو بہت سوچ سمجھ کر اگلا قدم اٹھانا چاہیے۔ اسے یہ بات بھولنی نہیں چاہیے کہ بیوپاری طور پر ہند کا بازار اپنے آپ میں اہم ہے۔ امریکہ کے اندر بھی کوئی اقتصادی حالات بہت خوشگوار نہیں ہیں کہ وہ پابندیاں لگاتا چلا جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ پتھر مارنے والے کو زیادہ چوٹ لگے۔ جہاں تک باقی ملکوں کا سوال وہ سب زیادہ تر امریکی راگ الاپ رہے ہیں۔ ان میں اپنا ٹھوس رویہ بہت کم ہے۔

یہ تو ساری دنیا نے احساس کر لیا ہے کہ ہندوستان کے پاس اعلیٰ نیوکلیئر ہتھیاروں کی صلاحیت ہے۔ اب اگر ہند عالمی برادری سے آگے نیوکلیئر ہتھیاروں پر بات چیت کرنے کی تجویز رکھتا ہے تو یہ اہم بن جائے گی۔ یہ تو سنسار کا پرانا دستور ہے کہ طاقت کے ساتھ بات کی جائے تو اس کی شنوائی ہوتی ہے ورنہ جو مرضی کہا جائے اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اگر اب ہند نیوکلیئر ہتھیاروں کو روکنے کی بات کرے گا تو اس کا معنی سمجھا جائے گا۔ ایک بات صاف ہے اور وہ یہ کہ ہند نے اپنے نیوکلیئر پروگرام سے تباہی کا سامان جٹانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ ورنہ 1974ء میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ امن کو منزل رکھ کر نیوکلیئر سفر طے کیا جاتا ہے اور وہ منزل اب بھی برقرار ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ لیکن اگر کوئی یہ سوچ رہا ہے کہ ہندوستان کو ڈرایا جا سکے گا، تو وہ اب ممکن نہیں ہے، بلکہ اب وقت آ گیا ہے کہ دوسرے ڈر کر رہیں۔ (نوین) (ملاپ۔ دہلی)

☆☆☆

یہ بات اکثر پوچھی جا رہی ہے کہ جو تین نیوکلیئر تجربے کیے گئے ہیں ان کو اس وقت پر کیوں کیا گیا؟ بھارتیہ جنتا پارٹی نے چناؤ کے دوران یہ اعلان کیا تھا کہ وہ نیوکلیئر پروگرام میں تیزی لائے گی۔ کیا وہ تجربے اسی اعلان کا نتیجہ ہیں؟ یہ بات تو ماننی ہوگی کہ بھاجپا نے نیوکلیئر پروگرام کو اہمیت دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے جس کو رات ہی رات میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ کسی بھی نیوکلیئر تجربے کے پیچھے برسوں کی محنت اور کارروائی چھپی ہوتی ہے۔ اگر یہ کام تین روز پہلے ہوا ہے تو وہ نہ جانے کتنے سالوں سے تیاری کے اندر تھا۔ بہت سی سرکاریں آئیں اور چلی گئیں لیکن سب نے خاموشی اور ہوشیاری سے اس پروگرام کو حمایت دی۔ جو روزانہ کے خرچ اور کام کے لیے روپیہ ہوتا ہے، وہ تو

سرکار کی طرف سے ہی مقرر کیا جاتا ہے۔ الگ الگ محکموں کے پاس اپنا بجٹ ہوتا ہے لیکن یہ دائرہ سیدھا پردھان منتری کے نیچے آتا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ نرسمہا راؤ، دیوگوڑا اور گجرال جی کے علم سے ہی یہ پروگرام چلایا جا رہا تھا۔ اگر اس سے پہلے چندر شیکھر اور وی پی سنگھ بھی شامل ہوں گے، تو اس میں کوئی حیرانی کی بات نہ تھی۔ اس لیے یہ سوچنا تو نادانی ہوگی کہ بھاجپا کی وجہ سے یہ تجربے انجام دیئے گئے۔ یہ واجپائی جی کی خوش قسمتی ہے کہ ان کے دور میں ان کی کامیابی ہوئی اور وہ اس کا اعلان کرنے کے لیے اقتدار میں تھے۔

اس سے بھارتیہ جنتا پارٹی کو اندرونی فائدہ تو ضرور ہوگا۔ اس کے لیے عوام میں یہ بات کہنے کے لائق ہو جائے گی کہ انہوں نے وہ کر کے دکھایا جو کہا۔ لیکن اس مدعا پر اختلاف کی گنجائش بہت کم ہے۔ سبھی پارٹیوں نے اس کی پوری طرح حمایت کی ہے۔ کمیونسٹ پارٹیوں کی خاموشی ان کی نادانی اور ناسمجھی کا ثبوت ہے۔ اس لیے اکثریت لوگ اس قدم سے خوش ہیں اور وقار کا احساس کرتے ہیں کوئی بھاجپا کو یہ نہیں کہے گا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ لیکن یہ بھاجپا کا فرض ہے کہ اس نکتے کو وہ پارٹی سیاست کا حصہ نہ بنائے اور اسے ملک کی قومی یکجہتی کا ایک پہلو بنا کر رکھے۔ جب سب پارٹیوں نے اس کی حمایت کی ہے تو اسے بھی یہ ہندوستانیت کا مدعا بنا کر رکھنا چاہئے۔ ورنہ اگر اس طرح کی باتیں پارٹی بازی میں شامل ہونے لگیں تو یہ ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اب یہ واجپائی جی اور ان کے ساتھیوں پر نربھر کرتا ہے کہ وہ اس موضوع کو کیسے پیش کرتے ہیں؟ (پرتاپ۔ دہلی)

یہ بم سندر ہے یا بدصورت؟

بھارت نے ایک نہیں بلکہ تین زمین دوز ایٹمی تجربات ایک ہی دن میں کر ڈالے۔ یہ تجربات راجستھان کے پوکھران میں عین اسی مقام پر کیے گئے ہیں جہاں 24 برس پہلے بھارت نے آج کے مقابلہ میں بہت چھوٹا اپنا اولین ایٹمی تجربہ کیا تھا۔ یہ تجربہ اندرا گاندھی اور کانگریس کی قیادت میں کیا گیا تھا جسے ایک پرامن تجربہ کا نام دیا گیا تھا اور جس سے دنیا کو یہ ثابت کر دکھایا تھا کہ بھارت کے سائنس دان اور سائنٹفک ورکر نیوکلیر شکتی کو بروئے کار لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جو پرمانو بجلی کے مختلف پراجیکٹوں میں اپنی ذہانت اور صلاحیت کا لوہا پہلے ہی منوا چکے ہیں۔ پرمانو شکتی کا بھارت میں استعمال سراسر پرامن مقاصد کے طور پر کیا جاتا رہا ہے۔ اسی لیے پوکھران میں کیے گئے اولین بھارتی ایٹمی تجربہ کو پرامن تجربہ کہا گیا تھا کیونکہ اس کا مقصد نیوکلیر سامان جنگ تیار کرنا نہیں تھا۔

1977ء میں جب ملک میں پہلی غیر کانگریس سرکار جنتا سرکار کے نام سے بنی اس وقت کے پردھان منتری مرارجی ڈیسائی نے جو کٹر گاندھی وادی تھے اعلان کیا تھا کہ بھارت ایٹم بم ہرگز نہیں بنائے گا۔ اس بات پر ان کی زوردار مذمت کی گئی کیونکہ انہیں یہ ادھیکار حاصل نہیں تھا کہ وہ آنے والی نسلوں کے مطابق اس طرح کا بیان دے سکتے۔ چنانچہ اس طرز پر سرگرمی حاصل نہیں ہوئی۔

1980ء میں جب اندرا جی دوبارہ برسر اقتدار آئیں تو انہوں نے مزید تجربات نہ کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کی۔ غریبوں کی حالت اور ان کی ضروریات! لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے بھارت کی سکیورٹی اور حفاظتی ضروریات کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا اس کا سارا زور امن پر تھا۔ جنگ جیسی حالت پیدا کرنے پر نہیں۔ ان کے بیٹے راجیو گاندھی نے 1984ء میں حکومت سنبھالی جو اس معاملہ پر اپنے ذہن میں بالکل صاف تھے۔ انہوں نے کہا تھا "اگرچہ ہم ایٹمی ہتھیار بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے۔ البتہ ہم ساری دنیا اور ان ملکوں سے جن کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں کہیں گے کہ وہ ایسے ہتھیاروں کو پوری طرح نیست و نابود کر دیں کیونکہ یہ

ہتھیار اس قدر مہلک اور خطرناک ہیں کہ وہ آناً فاناً میں ساری دنیا کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیں گے۔" لیکن اس طرح کے ہتھیار رکھنے والے ملکوں نے راجیو گاندھی کی اس بات کو ٹھکرا دیا اور اسے غیر دانش مندی سے تعبیر کیا۔ ایک طرف جہاں انہوں نے اپنے ہتھیاروں کو تو ضائع کیا نہیں وہیں دوسری طرف دیگر ملکوں کو تلقین کرتے رہے کہ وہ کوئی نیوکلیئر پروگرام نہ اپنائیں اور اگر کوئی ایسا پروگرام ہے تو اسے فوری طور پر بند کر دیں۔ بھارت نے بجا طور پر جواب دیا تھا کہ وہ اپنے پروگرام کو بند نہیں کرے گا اور ضرورت پڑی تو اس پروگرام کو آگے بھی بڑھائے گا۔ اب حالیہ دنوں میں جارج فرنانڈیس نے ایسے بہت سے اشارے دیئے جنہیں فوری طور پر سمجھا نہ جا سکا۔ یہ اشارے چین اور پاکستان کی طرف سے بھارت کو درپیش خطروں کے متعلق تھے۔ بی جے پی کی قیادت میں سرکار نے بھی ہمارے پروگرام کو آگے بڑھایا اور ہمارے ہی میزائل پروگرام پر عمل کیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے جن میں بیشتر کسان، بیوپاری اور پان والے شامل ہیں ان تجربات پر مبینہ طور پر اظہار مسرت کیا ہے۔ سرمایہ داروں اور صنعت کاروں نے بھی خوشی ظاہر کی ہے اور یہ تاثر پیدا کیا جا رہا ہے کہ بی جے پی سرکار نے وہ کر دکھایا ہے جو پچھلی سرکاریں نہیں کر سکیں۔ بی جے پی کے صدر کشابھاؤ ٹھاکرے کے نظریات نے بی جے پی کے منصوبوں کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہماری سرکار پچھلی سرکاروں کی طرح نہیں ہے اور کہ ہماری سرکار نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بیرونی دباؤ میں نہیں آئے گی۔ ٹھاکرے صاف طور پر بعض حقائق کی پردہ پوشی کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی سرکار کس طرح متزلزل ہے اپنے اندرونی بحران پر قابو پانے میں ناکام ہے، خود بی جے پی میں اندرونی جوت بیزار کا بول بالا ہے اور اس کے نام نہاد کچھ جوڑ ساتھیوں نے اس کی ناک میں نکیل ڈال رکھی ہے۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت میں اس متزلزل سرکار نے بھارت کے عوام کی توجہ حقیقی مسائل سے ہٹا کر اس کارنامہ کی طرف موڑ دی ہے، اس سلسلہ میں ہمیں یہ صاف صاف معلوم ہے کہ یہ کارنامہ کوئی اس ڈیڑھ مہینے کی باجپائی سرکار کا نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے سائنس دانوں اس سارے سائنسی ہجم اور ڈھانچے کا ہے جو کانگریس کے دور حکومت میں تیار کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر آپ بہ نظر غائر مطالعہ کریں تو ہمارے راشٹرپتی نے بھی بھارتی سائنس، بھارتی سائنس دانوں اور بھارتی ٹیکنالوجسٹوں کی تعریف کی ہے۔ بی جے پی سرکار کی نہیں۔

جہاں ہم بھارتی سائنس دانوں کے اس کارنامہ پر ناز کرتے ہیں وہاں ہم یہ بھی بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک سیاسی فیصلہ ہے۔ ایک ایسا شرمناک فیصلہ ہے جس سے ہمارے کروڑوں عوام کی وفاداری ...ش بحق سے ممنوازی کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جس سے ان کے جذبات کے ساتھ کھیلا گیا

ہے۔ یہ ایک انتہائی خطرناک کھیل ہے کیونکہ اس سے صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ بھارت کے سارے پڑوسیوں میں غیر ضروری تناؤ پیدا ہو گیا۔ پاکستان پہلے ہی بھارت کے خلاف مسموم پرچار اور لاف زنی شروع کر چکا ہے اور دوستانہ تعلقات کی بحالی کی جملہ کوششوں کو منسوخ کر دیا ہے۔

لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنے آپ سے پوچھیں کہ اس کا ہماری معمولی سی ضروریات روٹی، کپڑا، مکان اور پینے کے پانی، پر کیا اثر پڑے گا جو نہ صرف بھارت بلکہ ہمارے پڑوسی ملکوں کے کروڑوں عوام کی اولین ضرورتیں ہیں۔ (تیج۔ دہلی)

ایک عظیم جہت

نیوکلیائی طاقت کی دہلیز پر گزشتہ 24 برسوں تک کھڑے رہنے کے بعد ہندوستان نے اچانک نیوکلیائی طاقت بن جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ ظاہر ہے کہ ملک کے اندر قومی افتخار کے جذبے کو جنم دے گا اور بیرون ملک خاصی ہلچل پیدا کرے گا لیکن یہ تجربات اس حقیقت کو واشگاف طور پر بیان کرتے ہیں جو معلوم سب کو تھی لیکن جس کو کہتا کوئی نہیں تھا۔ جن اسباب نے ہندوستان کو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا کہ نیوکلیائی کلب میں دہلیز سے اندرون خانہ تک کا سفر طے کرے ان میں سے کچھ ملکی لیکن بیشتر بلکہ بڑی حد تک اس فیصلے کا سبب سلامتی کی وہ تشویشناک فضا ہے جو ہندوستان کے ارد گرد موجود ہے اور جس کا جواب دینا ہندوستان کے لیے بے حد ضروری تھا۔

ہندوستان نے 1974ء میں جو نیوکلیائی تجربہ کیا تھا وہ ایک ابتدائی نوعیت کا تجربہ تھا اور اس سے یہ ثابت ہوا تھا کہ ہندوستان نے ایٹمی دھماکہ کرنے اور اس کو کنٹرول میں رکھنے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے بظاہر یہ چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن 1974ء میں ہندوستان نے جو حاصل کیا تھا وہ اس زمانے میں بھی ایک پیچیدہ ایٹمی عمل پر قابو پانے کی اور اس کی تمام نزاکتوں اور پیچیدگیوں کو حل کرنے کے مترادف تھا۔ لیکن 1998ء میں جو تین دھماکے کیے گئے ہیں وہ کئی باتیں ثابت کرتے ہیں اور مستقبل میں بہت سے امکانات کو کھولتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان اپنے پروگرام کو ایٹمی اور نیوکلیائی اسلحہ کے پروگرام میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ نہ صرف نیوکلیائی بلکہ تھرمو نیوکلیائی اسلحہ بھی بنا سکتا ہے۔ (تھرمو نیوکلیائی اسلحہ کو عرف عام میں ہائیڈروجن بم کہتے ہیں) اور ان اسلحہ کے دھماکوں کو کنٹرول میں رکھ سکتا ہے۔

اس تجربے سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہندوستان صرف ایک ہی طاقت کے اسلحہ نہیں بلکہ چھوٹے سے ایٹمی بم سے لے کر بہت بڑے ہائیڈروجن بم تک بنا سکتا ہے۔ گویا ہندوستان جب چاہے چند ٹنوں کی طاقت والے چھوٹے بم سے لے کر کئی میگا ٹن یعنی لاکھوں ٹن ڈائنامائٹ کی طاقت

والے بم تک بنانے کی ٹیکنالوجی پر قابو پا چکا ہے۔

ان تجربوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان سے حاصل ہونے والے اعداد و شمار کے بعد ہندوستان کو اپنے نیوکلیائی اسلحہ کو جدید سے جدید تر بنانے کے لیے ہر مرتبہ زیر زمین دھماکہ کرنے کی ضرورت کم سے کم ہوگی اور ان کی بنیاد پر کمپیوٹر کی مدد سے ہندوستانی سائنس داں جدید سے جدید تر اسلحہ بنا کر ان کے تجربے بغیر دھماکہ کیے کمپیوٹر میں ہی کر سکتے ہیں۔ یعنی بغیر کوئی دھماکہ کیے دھماکہ سے حاصل ہونے والے نتائج کو کمپیوٹر بتا سکتا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں یہ ایک تاریخی لمحہ ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اعتبار سے تو یہ ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ لیکن عالمی سطح پر اس کے اثرات کے بارے میں ابھی کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ سب سے بڑی نیوکلیائی طاقت یعنی امریکہ پر اس کا بہت برا ردعمل نہ ہوگا۔ یہی بات ہندوستان کے امور خارجہ اور امور دفاع کے ماہرین نے بھی کہی ہے۔ اگر اس تجربے کو ملک کی سیاسی لیڈرشپ ذمہ داری اور قاعدہ سے استعمال کرے تو یہ تجربہ استحکام اور امن کے قیام میں مددگار بھی ہو سکتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ اگر یوں ہو تو بدھ پورنیما کے دن اس تجربے کی معنویت عیاں تر ہو جائے گی۔

ڈاکٹر رابرٹ اوپن ہائمر نے جو دنیا کے پہلے ایٹم بم بنانے والے پراجیکٹ کے ڈائریکٹر تھے ایک مدت ہوئی اپنے ایک مضمون میں کہا تھا کہ جس طرح جب انسان نے ایک مرتبہ آگ دریافت کر لی تو پھر اس کے استعمال سے اسے کوئی روک نہیں سکا اسی طرح جب نیوکلیائی نیوٹرن اور فیوژن کا علم انسان کو حاصل ہو گیا تو اس کو چند ملکوں تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ سمجھنا کہ ذمہ داری صرف مغربی دنیا کی جاگیر ہے ایک مہمل قیاس ہے۔ ہندوستان بھی اتنا ہی ذمہ دار ملک ہو سکتا ہے جتنا کہ کوئی دوسرا ملک۔

بے شک اس تاریخی لمحہ کے لیے ہندوستان کے سائنس دان اور انجینئر لائق مبارکباد ہیں۔ ڈاکٹر ہومی بھابھا سے لے کر ڈاکٹر عبدالکلام تک سائنس دانوں نے ہندوستان کے سر پر ایک تاج رکھ دیا ہے اس کے لیے ملک ان کا شکرگزار رہے گا۔ (قومی آواز۔ دہلی)

ردعمل

حسب توقع ہندوستان کے نیوکلیائی تجربے کا عالمی ردعمل فوری ہوا ہے اور اس کا اظہار خاصے سخت الفاظ میں کیا گیا اور جرمنی جاپان اور امریکہ نے امدادی رقوم بند کرنے اور ہندوستان پر پابندیاں عائد کرنے کا اعلان کیا ہے لیکن ابھی تک کسی بھی ملک نے نہ کوئی پابندی لگائی ہے اور نہ کسی دوسرے اقدام کا ذکر کیا۔ لیکن اس کے باوجود ہندوستان کو چوکنا رہنا ہوگا اور کچھ دنوں کے لیے کچھ تکلیف کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار رہنا ہوگا۔ جاپان سے امدادی رقم کے بند ہونے اور امریکہ کی ممکنہ پابندیوں کا بیشتر اثر معاشی امور پر پڑے گا۔ مثلاً اگر امریکہ پابندیاں عائد کرتا ہے تو ہندوستان کو ملنے والی تمام امداد بند ہو سکتی ہے۔ امریکی بینکوں پر ہندوستان کو قرض نہ دینے کی پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ امریکہ سے ایسی اشیاء کو ہندوستان پہنچنے پر پابندی لگ سکتی ہے جن کو اسلحہ سازی میں استعمال کیا جائے اور امریکہ عالمی بینک اور بین الاقوامی زرفنڈ پر دباؤ ڈال سکتا ہے کہ وہ بھی ہندوستان کی امداد بند کر دے اس طرح جرمنی اور جاپان بھی اپنی امداد کو بند کر سکتے ہیں۔

نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا نے مشورے کے لیے اپنے اپنے ہائی کمشنروں کو واپس بلا لیا ہے لیکن اس کو ان ملکوں سے سفارتی تعلقات قطع کرنا نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ہندوستان کو کیا کرنا چاہئے؟ یہ ایسا سوال ہے جس پر حکومت اور حزب مخالف دونوں کو غور کرنا چاہئے۔ مرکزی کابینہ نے ان دھماکوں کی توثیق کر دی ہے اور ملک کے اندر ان دھماکوں کا ردعمل بہت اچھا ہوا ہے۔ ہندوستان کے عوام میں اعتماد اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ اس فضا میں مرکزی حکومت کو اس کامیابی کا سہرا اور اس کو سیاسی رنگ دینا اور حکومت میں شامل پارٹیوں خاص طور سے بھارتیہ جنتا پارٹی کے سر باندھنا ایک ایسا عمل ہوگا جو ملک کے اتحاد پر اثر انداز ہوگا۔ مارکسی کمیونسٹ پارٹی کے علاوہ تقریباً سب ہی پارٹیوں نے اس کامیابی پر مسرت کا اظہار کیا ہے ظاہر ہے کہ خارجی ردعمل اور ممکنہ پابندیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام سیاسی پارٹیوں کا اتحاد ضروری ہے۔

جو دھماکے ہوئے ہیں وہ ظاہر ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کی نہیں ہندوستانی سائنس دانوں کی کامیابی ہے۔ جنہوں نے 1974ء میں پوکھران میں پہلے دھماکے کے بعد کام بند نہیں کیا اور آخر کار نیوکلیائی میدان میں جدید ترین ٹیکنالوجی کی مہارت حاصل کر لی۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی اس کو اپنی کامیابی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ یہ ایک ایسا تنازعہ پیدا کر سکتا ہے جس میں بنیادی مسائل پر قومی اتفاق رائے اور قومی اشتراک عمل ممکن نہ ہو اور اس صورت میں ہندوستان کو بڑی طاقتوں کی پابندیوں اور ان کے دباؤ کو جھیلنے میں دشواریاں پیش آئیں گی۔ اس لیے اس مسئلہ کو کسی ایک پارٹی کی کامیابی نہیں ملک اور قوم کی کامیابی سمجھنا چاہئے اور متعلقہ تکنیکی ماہرین کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

امریکہ کا پہلا اشارہ یہ ملا ہے کہ اگر اس مرحلے پر بھی ہندوستان ایٹمی تجربات کی ممانعت کے جامع معاہدہ پر غیر مشروط طور پر دستخط کر دے اور آئندہ اس قسم کے مزید تجربے نہ کرنے کا وعدہ کرے تو امریکی ردعمل کی شدت کم ہو سکتی ہے۔ یہ مرحلہ حکومت ہند کے لیے بہت نازک ہے۔ ہندوستانی حکومت نے تجربات کی ممانعت کے معاہدے کے بعض حصوں پر عملدرآمد کو بعید از امکان نہیں قرار دیا ہے۔ اگر ہندوستان نے ایسا کیا تو پھر دباؤ کی کوئی حد نہیں رہے گی اس لیے تجربوں کی ممانعت کے مسودہ کے بارے میں بھی ہندوستان کو اپنے موقف پر قائم رہنا چاہئے اور عام اور مساویانہ تخفیف اسلحہ پر زور دینا چاہئے اور اس سلسلے میں 5 ملکوں کے نیوکلیائی کلب کو مستثنیٰ قرار دینے پر رضامندی نہیں ظاہر کرنی چاہئے اب بہرحال خود ہندوستان ایک نیوکلیائی طاقت ہے اور اب وہ اس حیثیت سے دوسری بڑی طاقتوں سے گفتگو کر سکتا ہے۔

پابندیاں اس سے قبل بھی دوسرے ملکوں میں لگائی گئی ہیں کیوبا جیسا چھوٹا سا ملک امریکی پابندیوں کو تقریباً چالیس برس سے جھیل رہا ہے۔ عراق اور لیبیا بھی پابندیوں کے شکار ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ سب ملک موجود ہیں اور دشواریوں کے باوجود بہرحال موجود ہیں۔ ہندوستان تو بہت بڑا ملک ہے اور ایک بڑی منڈی بھی ہے۔ اس پر پابندیاں لگانے والوں کو بھی مہنگی پڑ سکتی ہیں بشرطیکہ حکمران جماعت اس کو اپنی عظمت کا نشان نہ سمجھے بلکہ ملک کو متحد کرنے کے لیے اقدام کرے۔ اگر حکمران جماعت نے ان دھماکوں کو اپنی خراب ہوتی ہوئی شبیہ کو سنوارنے کا ذریعہ سمجھا تو سب کچھ رائیگاں جائے گا لیکن اگر اس کو ایک قومی کارنامہ سمجھا تو یہ ہندوستان کے لیے ایک بہت ہی کامیابی ہوگی۔ (قومی آواز۔ دہلی)

یہ بھارتی اخبارات کے کچھ تبصرے تھے جن سے آپ نے بخوبی اندازہ کر لیا ہوگا کہ بھارت کی حکومت نے وہاں کے پریس کو بھی عقل و فہم سے عاری کر دیا ہے اور پریس کی "غیر جانبداری" کا کوئی تصور اس معاشرے میں نہیں رہا۔

وقت عمل ہے

عالمی برادری کی جانب سے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کی مذمت کا سلسلہ جاری ہے اور ان دھماکوں کو منطقے کے لیے سنگین خطرہ قرار دیا جا رہا ہے۔ مگر بھارت نے اس کی پرواہ کیے بغیر دو مزید دھماکے کر دیے ہیں اور عالمی برادری کو باور کرایا ہے کہ وہ علاقائی امن و سلامتی اور بین الاقوامی قوانین کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں۔ امریکی صدر بل کلنٹن نے گزشتہ روز اعلان کیا کہ وہ بھارت کے خلاف پابندیوں کے قانون پر مکمل عمل درآمد کا ارادہ رکھتے ہیں۔ صدر کلنٹن نے کہا کہ بھارت کے ایٹمی دھماکوں نے منطقائی امن کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جاپان، روس اور چین نے بھی شدید ردعمل ظاہر کیا ہے اور بھارت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کا سلسلہ فوری طور پر بند کر دے۔ بھارت کی طرف سے ایٹمی دھماکوں کے اعلان پر اگرچہ امریکہ اور یورپ کے کئی ممالک نے شدید ردعمل ظاہر کیا ہے اور سخت پابندیوں کی دھمکی بھی دی ہے۔ امریکہ نے فوجی اور جاپان نے اقتصادی پابندیاں لگائی ہیں مگر بھارت نے اس مخالفانہ ردعمل کا کوئی نوٹس نہیں لیا بلکہ بی جے پی کے سربراہ کشابھاؤ ٹھاکرے نے پابندیوں کے امکان پر اطمینان ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر امریکہ اور دیگر ممالک نے پابندیاں لگائیں تو اس طرح ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع ملے گا۔

بھارت کے وزیراعظم اٹل بہاری باجپائی کے پرنسپل سیکرٹری برجیش مشرا کی طرف سے جاری ہونے والے ایک بیان کے مطابق چونکہ ہمسایہ ممالک بہت آگے جا رہے تھے اس لیے ایٹمی دھماکے ضروری ہو گئے تھے۔ امریکہ کو بھارت پر پابندیاں لگانے کا کوئی اختیار نہیں وہ اپنے کام سے کام رکھے جبکہ بھارت کے ایک سابقہ حلیف روس نے خبردار کیا ہے کہ بھارت پر ایسی پابندیاں لگانے کا کوئی فائدہ نہیں جو بے سود ثابت ہوں۔ ویسے بھی بھارت کے دفاعی ماہرین اور فوجی و اقتصادی مبصرین نے ایسی پابندیوں کو قبول کرنے کا اعلان کیا ہے کیونکہ ان کے بقول اس سے بھارت کو کم اور امریکہ کو زیادہ نقصان ہوگا۔ بھارت نے نہ صرف اگنی II کے منصوبے کی منظوری دے دی ہے بلکہ اپنے میزائلوں کو ایٹمی میزائلوں

سے لیس کرنے کا اعلان بھی کر دیا ہے جبکہ بھارتی اخبار ہندوستان ٹائمز نے دعویٰ کیا ہے کہ امریکہ نے بھارت کو ایٹمی اور میزائل پروگرام پر خود فیصلہ کرنے کا مشورہ دیا تھا جس کے بعد ان اطلاعات کی کوئی وقعت نہیں رہتی کہ امریکی سی آئی اے اور خلائی سیاروں کو ایٹمی دھماکوں کا قبل از وقت علم نہیں ہو سکا اور امریکی حکومت بھارت کو بروقت روکنے میں ناکام رہی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ بھارت نے نہایت عیاری اور مکاری کے ساتھ چین کا ہوا دکھا کر امریکہ، کینیڈا، روس اور دیگر یورپی ممالک کو بے وقوف بنایا، ایٹمی صلاحیت کے حصول کے لیے ساز و سامان اکٹھا کیا اور پہلے ایٹمی دھماکے پر نرم ردعمل سے فائدہ اٹھا کر چوبیس سال کے عرصے میں اتنا آگے چلا گیا کہ اب وہ عالمی ردعمل کی پرواہ کیے بغیر نہ صرف اپنے دھماکوں کا جواز پیش کر رہا ہے بلکہ ایٹمی میزائل پروگرام میں مزید پیش رفت کا بھی علی الاعلان دعویٰ کر رہا ہے جس کے بعد بعض کمزور دل اور کمزور ایمان "بھاگ بھاگی" پاکستانی دانشوروں کے اس استدلال میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا کہ ہمیں جوہری دھماکہ کرنے کی بجائے بھارت کو عالمی برادری میں تنہا کرنے کی سفارتی اور پروپیگنڈا مہم شروع کرنی چاہیے اور بھارت کو اتنا ننگا کر دینا چاہیے کہ وہ پاکستان کے خلاف جارحیت کرنا تو درکنار اپنا وجود برقرار رکھنے کے قابل بھی نہ رہے۔ سوال یہ ہے کہ بھارت جتنا ننگا خود ہی ہو چکا ہے اسے اور کیا ننگا کیا جا سکتا ہے؟ اور اس کا فائدہ؟ امریکی صدر کلنٹن اور ان کے ترجمان نے بھارت کے ایٹمی دھماکوں کے ضمن میں بلائی گئی پریس کانفرنس میں اگرچہ بھارت پر پابندیوں کا عندیہ ظاہر کیا ہے مگر ان کا زور بیان پاکستان اور دیگر ہمسایہ ممالک کے خلاف تھا کہ وہ کوئی ردعمل ظاہر نہ کریں ورنہ انہیں بھارت سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ ایک اعلیٰ امریکی افسر ہولم برگر نے تو کھل کر انتباہ کیا کہ پاکستان صبر و تحمل کا مظاہرہ کرے اگر اس نے جوابی اقدام کیا تو اسے چھوٹے ملک کی حیثیت سے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ جبکہ ایک دوسرے امریکی اہلکار نے کہا کہ اگر بھارت سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دے تو یہ خوش آئند بات ہوگی۔

اصل میں بھارت نے ایٹمی دھماکہ کر کے اپنی سوداکاری پوزیشن بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ وہ سی ٹی بی ٹی پر ایک ایٹمی طاقت کے طور پر دستخط کر کے امریکہ، چین، روس، فرانس اور برطانیہ کی طرح سلامتی کونسل کی مستقل نشست حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ جبکہ صدر کلنٹن سے لے کر ادنیٰ امریکی اہلکاروں کی خواہش بھی یہی نظر آتی ہے کہ وہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دے تو یہ بڑا احسان ہوگا۔ اس صورت حال میں پاکستان کے لیے آپشنز محدود ہیں اگر ہم نے آزادی، خودمختاری، عزت، وقار اور قومی سلامتی کو ترجیح اول قرار دے کر اس معاملے پر غور کیا تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی آپشن ہی درست نظر آئے گی اور اس مقصد کے لیے ہمیں مشکلات اور کسی حد تک مصائب کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ پھر

ہمیں پجارو کلچر اور ایئرکنڈیشنڈ محلات کو خیرباد کہہ کر باقی قوم کی طرح روکھی سوکھی کھانے پر بھی تیار رہنا پڑے گا۔ اللہ کے فضل وکرم سے روکھی سوکھی کھانے کے لیے ہمارے پاس وسائل موجود ہیں جس طرح مسٹر بریڈ نماکرے نے کہا کہ پابندیوں کی صورت میں خود انحصاری اور خود کفالت کا راستہ کھلے گا اور ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس ضمن میں کئی اقوام امریکہ کی پابندیوں اور امتیازی سلوک کا کامیابی اور عزت و وقار کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہیں۔

اگر ہم نے دل و دماغ کی بجائے موٹے پیٹ سے سوچنا شروع کر دیا تو ہمارے لیے صبر و تحمل کے نام پر بھارت کی نفسیاتی برتری قبول کرنے اور امریکہ بہادر کی ڈکٹیشن لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا۔ یہ خوش آئند بات ہے کہ وزیراعظم نواز شریف نے وطن واپسی پر اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ "چونکہ عالمی برادری نے ہماری پیشگی اطلاعات کے باوجود بھارتی تیاریوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا اس لیے ہم بھی ڈکٹیشن نہیں لیں گے۔ کیا کرنا ہے؟ یہ فیصلہ ہم خود کریں گے۔" ایک خود مختار ریاست کے وزیراعظم کے طور پر انہیں یہی کہنا چاہیے تھا۔ وزارت خارجہ نے بھی جاندار ردعمل ظاہر کیا ہے مگر اصل اہمیت زبانی کلامی بیانات کی نہیں عملی اقدام کی ہے۔ جس طرح مشرقی وسطیٰ میں اسرائیل امریکہ کی ضرورت بن چکا ہے اسی طرح بھارت بھی امریکہ کو تاثر دے رہا ہے کہ جنوبی ایشیا میں چین اور پاکستان کے متحدہ مسلم بلاک کے خلاف اس کے گماشتے کا کردار صرف وہ ادا کر سکتا ہے۔ اس لیے وہ اسرائیل کی طرح گیدڑ بھبکیوں سے بھی کام لے رہا ہے اور پابندیوں کے اعلانات کی کوئی پروا کرنے کے لیے بھی تیار نہیں بلکہ پابندیوں کے جواب میں نئے دھماکے کر رہا ہے۔ اگر کوئی پابندی لگی بھی تو محض عارضی اور نمائشی ہوگی۔ رہی پاکستان پر پابندیوں کی بات تو ایک حد تک ہم عرصہ دراز سے امریکی پابندیوں کا شکار ہیں۔ ہمارے ایٹمی پروگرام کے حوالے سے تو یہ بیس سال سے جاری ہیں۔ دیگر شعبوں میں بھی پریسلر کا اطلاق ہو چکا ہے اس لیے ہمیں خواہ مخواہ خوفزدہ ہو کر اپنے دفاع اور سلامتی کے حوالے سے جوابی اقدام کے آپشن ترک نہیں کرنی چاہئے۔ یہ ہمارے ان دعوؤں کی بھی نفی ہوگی جو ہم ایک عرصے سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں مشکل حالات میں زندہ رہنے کی عادت ڈالنی چاہیے صرف اسی صورت میں پجارو کلچر کا خاتمہ ہوگا اور ہم خود کفالت کی راہ پر گامزن ہو سکیں گے۔ اس حوالے سے دوست برادر ممالک اور چین کو اعتماد میں لینا ضروری ہوگا جو بھارت کے عزائم سے باخبر ہیں۔

اب ٹی وی پر بھی قومی مباحثے کا آغاز ہونا چاہئے۔ غوری میزائل کے تجربے پر سارے بھارتی ٹی وی چینلز پر مذاکروں، مباحثوں کا آغاز ہو گیا تھا مگر ہم نے ایٹمی دھماکوں کے بعد یہ پھرتی نہیں دکھائی۔ ... سے مختلف ... لیڈروں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے

افراد کو ٹی وی پر وقت دیا جائے۔ پارلیمنٹ میں بھی اتفاق رائے کے حصول کے لیے اس معاملے پر بحث ہونی چاہئے اور پھر خدا کا نام لے کر وہ کام کر گزرنا چاہئے جو ہماری غیرت و وقار اور سلامتی کے لیے ناگزیر ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہم کسی ابتلا کا شکار ہوئے بغیر کامیابی کی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ وقت کم ہے ہماری سیاسی قوت کو مصلحتوں اور دباؤ کا شکار ہوئے بغیر قومی امنگوں کے عین مطابق فیصلہ کرنا چاہئے۔ جس طرح میاں صاحب کالاباغ ڈیم کے مسئلے پر اپنے بعض کوتاہ اندیش مشیروں کی نادانی اور بزدلی کا شکار ہوئے انہیں اس کا اعادہ قومی سلامتی کے اس معاملے پر نہیں کرنا چاہئے۔

امریکی صدر بل کلنٹن نے بھارت کی جانب سے ایٹمی دھماکوں کو خوفناک قرار دیتے ہوئے پاکستان پر زور دیا ہے کہ اس قسم کے طرز عمل کی تقلید سے باز رہے۔ بدھ کے روز امریکی صدر بل کلنٹن نے وزیراعظم نواز شریف سے ٹیلی فون پر بات کی اور بھارتی ایٹمی دھماکوں سے پیدا شدہ صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔ وزیراعظم نواز شریف نے امریکی صدر کو اس حوالے سے پاکستان کے تحفظات سے آگاہ کیا۔ دریں اثناء وفاقی کابینہ کی ڈیفنس کمیٹی نے اس صورت حال پر غور کیا اور فیصلہ کیا کہ پاکستان اپنی قومی سلامتی کے لیے وہ تمام اقدامات کرے گا جو ضروری ہیں۔ پاکستانی سفارت کار منیر اکرم نے جنیوا میں ہتھیاروں کی روک تھام کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان بھارتی تجربات کا بھرپور جواب دے گا۔ اے ایف پی کی اطلاع کے مطابق امریکی صدر نے پاکستان کو جوابی اقدام سے روکنے کے لیے نائب وزیر خارجہ سٹروب ٹالبوٹ کی سربراہی میں ایک اعلیٰ سطحی وفد پاکستان بھجوایا ہے۔ بھارت کی حکمران جماعت بی جے پی کے سربراہ کشا بھاؤ ٹھاکرے نے یہ دھمکی بھی دی ہے کہ ہم اپنے منشور کے مطابق حملہ کر کے آزاد کشمیر پر قبضہ کر لیں گے کیونکہ یہ بھارت کا حصہ ہے۔ بھارت کی طرف سے بدھ کے روز مزید دو نئے ایٹمی دھماکوں کے بعد صورت حال مزید سنگین ہو گئی ہے اور یہ تاثر دور ہو گیا ہے کہ بھارت نے بے سوچے سمجھے محض اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے دھماکے کیے ہیں کیونکہ عالمی ردعمل آنے کے بعد بھارت کی طرف سے مزید دو دھماکوں کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ بی جے پی کے نائب صدر نے بھی یہی کہا ہے کہ ہم نے سوچ سمجھ کر یہ خطرہ مول لیا ہے اور اس طرح ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد ملے گی۔

بھارت کے اس جارحانہ، منفی اور ہٹ دھرمی پر مبنی اقدام کے بعد پاکستان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ ایٹمی صلاحیت کے بارے میں اپنے دعوؤں کا ثبوت پوری دنیا کے سامنے پیش کرے تاکہ اس کی سلامتی کو جو خطرات لاحق ہو گئے ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ امریکی صدر بل کلنٹن اور امریکی انتظامیہ بحیثیت مجموعی پاکستان کو صبر و تحمل کی تلقین کرنے کے علاوہ یہ دھمکیاں بھی دے رہے ہیں

کہ اگر اس نے ایٹمی دھماکہ کیا تو اسے زیادہ قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ جبکہ پاکستان میں امریکی لابی نے ایک بار پھر یہ راگ الاپنا شروع کر دیا ہے کہ بھارت نے جو غلط راستہ منتخب کیا ہے ہمیں اس پر نہیں چلنا چاہیے۔ سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے نیو یارک سے اس موقف کی وکالت کی ہے اور پاکستان کو مشورہ دیا ہے کہ وہ امن، استحکام اور انسانی وسائل کی ترقی کے لیے کام کرتے ہوئے علاقے میں کشیدگی کا خاتمہ کرے۔ اگر دنیا میں جنگل کا قانون رائج نہ ہوتا اور اقوام متحدہ سمیت عالمی اداروں نے کسی بھی مرحلے پر پاکستان جسے صدر کلنٹن اپنا دوست اور اتحادی ملک قرار دے رہے ہیں، کو اس کی امن پسندی اور بین الاقوامی قوانین کی پیروی کے عوض جائز تعاون فراہم نہیں کیا۔ 1962ء میں پاکستان نے امریکہ کے کہنے پر بھارت کے لیے مشکلات پیدا کرنے سے گریز کیا مگر پاک چین جنگ بند ہونے کے بعد امریکہ بھول گیا کہ اس نے پاکستان سے مسئلہ کشمیر حل کرانے کا کوئی وعدہ بھی کیا تھا۔ بلکہ جب 1965ء میں بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو امریکہ نے ہم پر فوجی پابندیاں عائد کر کے ہماری پیٹھ میں خنجر گھونپا، 1971ء میں بھی امریکہ کا طرز عمل ایک مخلص دوست کا نہیں تھا اور سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد تو امریکہ نے طوطا چشمی کی انتہا کر دی کہ افغان جنگ ختم ہوتے ہی اس نے ہم پر پریسلر ترمیم لاگو کر کے ہماری فوجی امداد بند کر دی اور اقتصادی شعبے میں بھی جس حد تک ممکن تھا ہمیں زچ کیا۔ ہمارے موجودہ معاشی اور سماجی مصائب کا بڑی حد تک ذمہ دار امریکہ ہے جس کی دوستی کی وجہ سے ہم طویل عرصے تک بھارت سوویت یونین گٹھ جوڑ کا نشانہ بنے رہے اور اب براہ راست اس کے عتاب کی زد میں ہیں۔

آزمودہ را آزمودن جہل است کے مصداق ہم امریکہ اور امریکی صدر کی کسی ایسی خالی خولی یقین دہانی پر اعتماد نہیں کر سکتے جس کا مقصد فی الوقت ہمیں ایٹمی دھماکے سے روک کر بھارت کی سودے بازی پوزیشن کو مضبوط کرنا ہو۔ اگر امریکہ چاہتا تو بھارتی تیاریوں کے بارے میں سی آئی اے اور سیکورٹی ایجنسی کی رپورٹوں کی روشنی میں کوئی حتمی اقدام کر کے برصغیر میں ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ کو روک سکتا تھا مگر اس نے خاموشی نیم رضا کا تاثر دے کر بھارت کو پیش رفت کا موقع فراہم کیا اور اب اس کی ساری ایجنسیاں پاکستان کے حساس اداروں کی نگرانی کر رہی ہیں اس کے برعکس پوری قوم بیک زبان حکمرانوں سے فوری جوابی اقدام کا مطالبہ کر رہی ہے۔ دو دن کے وقفے سے ایٹمی دھماکوں کے بعد بھارتی حکمرانوں کو یہ کہنے کا موقع مل رہا ہے کہ ہم نے اپنے منشور پر عمل کر کے بھارت کو عالمی قوت بنا دیا ہے۔ پاکستان کی موجودہ حکومت بھی مضبوط دفاع اور خود انحصاری کا وعدہ کر کے برسر اقتدار آئی ہے۔ مضبوط دفاع اور خود انحصاری کا ہدف محض اقتصادی اور تجارتی شعبے میں ترقی پسندانہ پالیسیوں سے حاصل نہیں ہو سکتا نہ بھارت سے آلو اور ٹماٹر درآمد کر کے خود کفالت کی منزل حاصل کی جا سکتی ہے۔ اب وقت آ گیا

ہے کہ حکمران ایٹمی دھماکہ کر کے نہ صرف پاکستان کے دفاع اور سلامتی کو درپیش حقیقی خطرات کا ازالہ کرنے کی کوشش کریں بلکہ خود کفالت کی منزل کی طرف بھی قدم اٹھائیں کیونکہ دھماکے کی صورت میں امریکہ اپنے حلیف ممالک اور گماشتہ بین الاقوامی اداروں کے ذریعے فوجی اور معاشی پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کرے گا جس کا مقابلہ ہم اپنے قوت بازو اور وسائل پر بھروسہ کر کے کر سکتے ہیں۔ پوری قوم اس معاملے میں نہ صرف یکسو ہے بلکہ وہ ہر قسم کے مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرنے والے تاجروں نے حکومت کو پیشکش کی ہے کہ وہ ایٹم بم بنانے کے سلسلے میں تمام اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جب وسائل بھی ہیں اور قوم کا اتفاق رائے بھی ہے تو منتخب حکمرانوں کو ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

پاکستان کے لیے آپشنز محدود تھیں پاکستانی حکمرانوں کے لیے فقط ایک ہی راستہ باقی ہے یا تو وہ قوم کی بات سنیں اور اس اتفاق رائے سے فائدہ اٹھائیں جو بھارتی ایٹمی دھماکوں کی وجہ سے قومی سطح پر نظر آتا ہے۔ اگر میاں صاحب آج قوم سے ایٹمی پروگرام میں پیش رفت کے لیے وسائل مہیا کرنے کی اپیل کریں تو اس سلسلے میں قوم قرض اتارو سکیم سے کہیں مثبت رد عمل ظاہر کرے گی یا پھر وہ کلنٹن کی بات مانیں۔ امریکی گماشتے ڈاکٹر محبوب کا امن بھاشن سنیں اور قوم کے شدید تر غضبناک ردعمل کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہیں۔ امریکہ پر جس نے بھی اعتماد کیا نقصان اٹھایا ایوب خان، یحییٰ خان اور ضیاء الحق کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ محبوب الحق جیسے کئی لوگ وزیراعظم کی کابینہ میں شامل ہیں اور حلقہ مشاورت میں بھی مگر قوم کے سامنے جواب دہ نواز شریف ہیں جو خود انحصاری اور قومی خودداری کا نعرہ لگا کر برسر اقتدار آئے ہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کہہ چکے ہیں کہ وہ حکم ملنے پر ایک ہفتے میں بھارت کو جواب دے سکتے ہیں، اگر میاں صاحب ایک ہفتے میں قوم کی خواہشات کے مطابق جواب نہیں دیتے تو فوری ایٹمی دھماکے کا مطالبہ کرنے والے ان کے سیاسی مخالفین از قسم بے نظیر بھٹو، نوابزادہ نصر اللہ خان وغیرہ کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ کشمیری نژاد وزیراعظم پاکستان کی آزادی، خود مختاری، عزت و وقار اور خودداری کو اہمیت دینے کے بجائے بھارت سے ہر قیمت پر تجارت اور سیاسی روابط کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں اور وہ امریکی دباؤ کا بہانہ بنا کر بھارتی بالادستی کو قبول کرنے امرتسر تک موٹر وے کھولنے کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔

بھارت ہم سے زیادہ معاشی مشکلات کا شکار ہے وہاں کئی صوبوں میں علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں مقبوضہ کشمیر میں سات لاکھ فوج پھنسی ہوئی ہے اور بھارت کا چین سمیت کوئی ہمسایہ بھی اس کا دوست نہیں اس کے باوجود اس نے کسی رد عمل کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی مرضی کا فیصلہ کیا ہے ہمیں بھی آزادی اور غلامی میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے فیصلہ کرنا چاہیے۔ خدشات اور خطرات کا سامنا تو ہر دو صورتوں میں کرنا ہو گا سوال یہ ہے کہ ہم کس قسم کے خطرات کو خوش آمدید کہہ کر ایک مضبوط اور خوددار قوم کی حیثیت

سے عالمی برادری کی صف میں پورے قد سے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ پاکستانی عوام پہلے ہی غربت، افلاس، بے روزگاری، مہنگائی کی وجہ سے جن مسائل کا شکار ہیں جو کسی بھی ملک پر امریکی پابندیوں کے بعد جنم لے سکتے ہیں صرف ہوائی جہاز جن پابندیوں سے متاثر ہوگا جسے اب شکم کے بجائے ضمیر کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیے تاکہ 1947ء کی طرح ہم ایک نئے عزم، ولولے اور جذبے کے ساتھ آغاز سفر کر سکیں۔ ایٹمی دھماکے میں مزید تاخیر کا مطلب بزدلی اور بے رحمی کا اظہار اور بھارت کو آزاد کشمیر پر حملہ کرنے کی شہ دینے کے مترادف ہوگا۔

وزیراعظم پاکستان میاں نواز شریف نے اعلان کیا ہے کہ پاکستان کے پاس بھارت کے مقابلے میں معیار کے حوالے سے بہتر ٹیکنالوجی موجود ہے تاہم دھماکے کے بارے میں ہم جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ ہم نے ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ہم بارہ سے چوبیس گھنٹوں میں بھارتی دھماکوں کا جواب دے سکتے تھے میں قوم کے جذبات سمجھتا ہوں لیکن ضروری نہیں ہم بھی وہی کچھ کریں جو بھارت نے کیا۔ اپنی اقامت گاہ پر ہفتہ وار کھلی کچہری سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر کسی کو پاگل پن کا دورہ پڑ جائے تو کیا کیا جائے ضروری نہیں کہ اسی طرح کا جواب دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ دھماکے کا فیصلہ عوامی توقعات کے مطابق کیا جائے گا ضروری نہیں کہ اسی طرح کا جواب دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ جو فیصلہ بھی کیا قومی اتفاق رائے سے کریں گے۔

جہاں تک بھارت کے پانچ دھماکوں کے جواب میں پاکستان کی طرف سے دھماکہ کرنے کا سوال ہے تو اخبارات اس بات کے گواہ ہیں کہ نہ صرف عوام بلکہ اکثر بڑی سیاسی جماعتوں کا یہی موقف سامنے آیا ہے کہ پاکستان کو بھارتی دھماکوں کے جواب میں فوری طور پر دھماکہ کر دینا چاہیے تھا اور اس سلسلے میں وقت ضائع کرنا کسی طور پر بھی سودمند نہیں ہے لیکن وزیراعظم صاحب نے اس بارے میں یہی فرمایا کہ انہیں قوم کے جذبات کا علم ہے تاہم سیاسی قائدین اور دانشوروں سے مشورہ کیا جا رہا ہے اس لیے اتفاق رائے سے جو بھی فیصلہ ہوا اس پر عمل ہوگا۔ ہمارے ہاں کالا باغ ڈیم سمیت تمام اہم امور پر جب بھی اتفاق رائے کے حصول کی کوشش کی گئی اس کا جو حشر ہوا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس لیے میاں صاحب کے ذہن میں جس قسم کے اتفاق رائے کا نظریہ موجود ہے تو وہ ان کی کھلی کچہری میں ہی سامنے آ گیا ہے۔ جس میں ان کے "بلبل بچوں" نے اعلان فرما دیا ہے کہ بھارتی دھماکوں کے ردعمل کے طور پر ہمیں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا چاہیے۔ دھماکہ کرنا پاکستان پر پابندیاں لگوانے کی بھارتی سازش ہو سکتی ہے ہم دھماکہ نہ کریں کیونکہ اس وقت پاکستان کو موٹروے جیسے دھماکوں کی ضرورت ہے۔ جب میاں صاحب کی کھلی کچہری میں ان کے "بچے جمہوروں" کی زبانی ایسی باتیں سنتے ہیں تو وہ [illegible] ضرورت ہیں اور ان کی توجہ فوراً اس طرف جاتی ہے کہ میاں صاحب کے جذبات

کی ترجمانی اس طریقے سے کی جا رہی ہے ورنہ وہ انہیں فوراً منع کر سکتے تھے کہ ایسی باتیں میرے گھر میں میری کھلی کچہری میں کر کے میرا امیج خراب نہ کرو۔ اسی طرح ہمارے وزیر خارجہ گوہر ایوب ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس چابی موجود ہے صرف تالے میں لگانا باقی ہے۔ دھماکہ سیاسی اتحاد کر کے کریں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ وفاقی کابینہ کے خصوصی اجلاس میں ایٹمی دھماکے کی منظوری دے دی گئی ہے اور دھماکہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ تاہم تاریخ کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔ ان تمام باتوں سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان بھارتی دھماکوں کے جواب میں کسی فوری کارروائی کے لیے تیار نہیں اور اس تاثر کو ہوا مل رہی ہے کہ جان بوجھ کر وقت ضائع کیا جا رہا ہے اور پاکستان بھارت کے مقابلے میں دھماکہ کے ذریعے فوری ردعمل کے مواقع ضائع کرتا چلا جا رہا ہے۔ اسی دوران یہ اطلاعات بھی شائع ہوئی ہیں کہ امور خارجہ کے وزیر مملکت صدیق خان کانجو دھماکے کے بارے میں مشاورت کے لیے امریکہ روانہ ہو گئے ہیں جبکہ سیکرٹری خارجہ شمشاد احمد خان دوست ملک چین کے دورے پر نکل چکے ہیں۔ اسی طرح متعدد دیگر وفود بھی بیرونی سفر میں ہیں۔ مبصرین اس مخمصے میں ہیں کہ پاکستان کے بیرون ملک جانے والے وفود آخر وہاں کیا کرنے جا رہے ہیں اور ان ملکوں کو کیا سمجھانے جا رہے ہیں۔ یہ سفارت کاری ہو رہی ہے یا فریب کاری اور پرکاری سے کام لیا جا رہا ہے۔ کیا ان وفود کے دوروں کے باعث مزید وقت ضائع نہیں ہو جائے گا اور کیا اس سے یہ تاثر نہیں ملے گا کہ ہم اپنے مفادات کے بارے میں خود فیصلے کرنے کی بجائے خصوصاً امریکہ جا کر ایسے لوگوں سے مشورہ کر رہے ہیں کہ جو ہمیں دھماکوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔ [illegible] سے میاں صاحب فون پر بات کر چکے ہیں اور کھری کھری سنا چکے ہیں۔ [illegible] کے ساتھ بھی اسی زبان میں بات کر چکے ہیں پھر کانجو صاحب امریکہ کا نبض چکھنے کیوں گئے ہیں۔ چین ہمارا دوست ملک ہے اس نے ہمیں ہر آڑے وقت میں بھرپور مدد دی ہے اور خصوصاً اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں جب بھارتی ایٹمی دھماکے کے بعد آئندہ ایٹمی دھماکہ کرنے والے ممالک کے خلاف عراق جیسی اقتصادی پابندیوں کی قرارداد تیار ہونے لگی تو چین نے اس کے رکن ممالک کو خبردار کیا کہ اگر کوئی ایسی قرارداد پیش کی گئی تو چین ویٹو کا حق استعمال کرے گا۔ جس پر یہ قرارداد پیش نہ ہوئی جس کا ہدف یقیناً پاکستان بننے والا تھا۔ اس طرح چین ایک بار پھر ہماری مدد کو پہنچا اور اس طرح اس نے اپنا حق دوستی ادا کیا۔

میاں صاحب کو یہ بات ضرور پیش نظر رکھنی چاہیے کہ وہ دھماکے کے سلسلے میں جس قدر تاخیر سے کام لیتے جائیں گے اسی قدر ہمارے ملک کے لیے مشکلات بڑھتی چلی جائیں گی۔ ہمیں اپنے دوست ملک چین کو بھی مجبور نہیں کرنا چاہیے کہ وہ بار بار پاکستان سے دوستی کے سلسلے میں کسی بھی آزمائش سے دوچار ہو۔ پاکستان کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بھارت کو دھماکوں کی اندر [illegible] چین کے خلاف اسے فرنٹ مین کے طور پر استعمال کرنے اور پاکستان [illegible]

دراصل امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت ہو رہا ہے اور جیسا کہ پاکستان کے وزیر اطلاعات و نشریات سید مشاہد حسین نے سی بی ایس نیوز کو ایک انٹرویو میں بتایا ہے کہ پاکستان کی طرف سے ایٹمی دھماکہ کرنے کی افواہ بھارت نے پھیلائی ہے تاکہ نہ صرف اپنی طرف سے عالمی توجہ ہٹانے کی کوشش کی جائے بلکہ اپنے ایٹمی دھماکوں پر جی ایٹ ممالک کی مذمت سے بھی بچا جا سکے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت کس طرح کی چالیں چل رہا ہے۔ اسی طرح کی ایک چال گزشتہ روز جی ایٹ کے سربراہی اجلاس کے دوران چلی گئی اور جرمنی کے چانسلر ہلمٹ کوہل اور جاپانی وزیراعظم ہاشی موتو نے پاکستان کی طرف سے ایٹمی دھماکہ کرنے کی افواہ پھیلا کر آخر کیا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی تھی جبکہ جاپانی وزیراعظم نے یہ دھمکی بھی دے دی کہ اس اقدام پر پاکستان کو بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔ وزیراعظم پاکستان کے ترجمان نے اس افواہ کے جواب میں اسے جھوٹ کا پلندہ قرار دیا اور کہا کہ مغربی ذرائع ابلاغ کی اس سوچی سمجھی سازش اور مہم کا مقصد پاکستان کو نہ صرف بدنام کرنا بلکہ ہتھی پابندیوں کا شکار بنانا بھی ہے تاکہ وہ اپنی سلامتی کے تحفظ کے لیے ضروری اقدامات سے گریز کرے۔ ترجمان کے مطابق بھارتی اقدامات پر عالمی قوتوں کا غیر موثر ردعمل انتہائی مایوس کن اور غیر منصفانہ ہے۔ لیکن پاکستان اپنی سالمیت کے تحفظ کے لیے کسی بھی حق سے دستبردار نہیں ہوگا۔ ادھر دفتر خارجہ کے ایک عہدیدار نے اعلان کیا ہے کہ انشاءاللہ پاکستان کا دھماکہ ایک بڑا سرپرائز ہوگا اور اس کی قوت بھارت کے تمام دھماکوں کی مجموعی قوت سے زیادہ ہوگی۔ ان کی اطلاع کے مطابق چاغی نوشکی دالبندین سمیت پانچ مقامات پر ایٹمی دھماکے کرنے کے لیے انفراسٹرکچر تیار کرلیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ پاکستان جولائی کے آخری یا اگست کے پہلے ہفتے میں دھماکہ کرے گا۔ اس عہدیدار کے بیان سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرپرائز فوری طور پر نہیں دیا جا رہا۔

برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر نے جی ایٹ سربراہی کانفرنس میں انکشاف کیا کہ بھارت سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے حوالے سے فوری گفت و شنید پر تیار ہو گیا ہے اور انہیں یہ یقین دہانی بھارتی وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے ٹیلی فون پر کرائی ہے۔ دوسری طرف بھارتی وزیراعظم واجپائی کے پرنسپل سیکرٹری نے ٹیلی ویژن انٹرویو میں پاکستان کو ایٹمی ہتھیاروں کے معاملے پر مذاکرات کی پیشکش کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کو بھارت کے ایٹمی دھماکوں سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ بھارت ہر وقت اس مسئلے پر پاکستان سے بات چیت کے لیے تیار ہے۔ ماضی کی بدعہدیوں اور چال بازیوں کے پیش نظر بھارتی رہنماؤں کے بیانات پر اب ہمارا اعتبار مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے اور خصوصاً بی جے پی کی حکومت پر تو اس لیے اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ جماعت ہمیشہ پاکستان کی مخالفت کا عملی ثبوت دیتی رہی ہے اور بھارتی مسلمانوں کے بارے میں نہایت مخاصمانہ جذبات رکھتی ہے۔ ادھر بھارتی وزیراعظم

واجپائی اپنی حکومت پالیسی کے بارے میں عالمی رائے عامہ کی ہرگز پروا نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد اپنے تازہ ترین بیان میں انہوں نے کہا ہے کہ بھارت میں ہونے والے دھماکے کے سلسلے میں بین الاقوامی دباؤ کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ اب ہمیں کسی سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں۔ ملکی سلامتی کے بارے میں اب ہمیں کسی کے مشوروں کی ضرورت نہیں بلکہ ہم آئندہ بڑی طاقتوں کو خود مشورے دیا کریں گے۔ دھماکوں کے بعد اب بھارت اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی رکنیت کے لیے بے چین ہو رہا ہے اور ایٹمی دھماکوں کا مقصد بھی اپنی ایٹمی برتری جما کر کونسل کی رکنیت حاصل کرنا بتایا جاتا ہے۔ تاہم امریکی دفتر خارجہ کے ترجمان نے اعلان کیا ہے کہ ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد بھارت اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت کے دعوی سے محروم ہو چکا ہے۔ بھارتی حکومت اگر سمجھتی ہے کہ دھماکے کرنے سے سلامتی کونسل کا مستقل رکن بننے میں مدد ملے گی تو یہ اس کا خام خیالی ہے۔

بھارت کی نئی حکومت نے اقتدار سنبھالنے سے پہلے ملک کو ایٹمی قوت بنانے اور آزاد کشمیر پر قبضہ کے جو دعوے کیے تھے اور دیگر رہنماؤں کے علاوہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر خود راؤ ٹھاکرے نے جو بیان دیا تھا کہ ہمارے ایجنڈے کے مطابق ایٹمی دھماکے کے بعد بھارتی حکومت کا آئندہ اقدام آزاد کشمیر پر حملہ ہوگا۔ اب جب بی جے پی حکومت نے اقتدار سنبھالنے کے بعد پانچ ایٹمی دھماکے کر لیے ہیں تو اب وہ اپنے ایجنڈے کے اگلے آئٹم یعنی آزاد کشمیر پر حملے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ بھارت کے آرمی چیف گزشتہ روز کسی شیڈول کے بغیر مقبوضہ کشمیر پہنچ چکے ہیں اور وہاں سری نگر میں وزیراعلیٰ اور فوجی قیادت سے مشوروں میں مصروف ہیں۔ پاکستان کے لیے اب لمحہ فکریہ ہے کہ وہ تازہ ترین صورت حال کے پیش نظر کیا حکمت عملی اختیار کرے اور کون سے اقدامات اٹھائے۔ جیسا کہ ہمارے سابق جرنیل اسلم بیگ نے کہا ہے کہ دھماکوں کے بعد آزاد کشمیر پر قبضہ بھارت کا دوسرا مشن ہے اور پاکستان نے دھماکہ میں تاخیر کر کے سنہری موقع گنوا دیا ہے۔ تاہم اب بھی زیادہ نقصان نہیں ہوا پاکستان کی حکومت کو دھماکے میں کسی بھی قسم کی مزید تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ درست ہے کہ امریکہ کا نیو ورلڈ آرڈر ہمیں دھماکے سے روکنے کی پوری کوشش کر رہا ہے اور ہماری راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کے لیے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ امریکی نمائندین ہمارے حکمرانوں سے مذاکرات کر کے اور انہیں قسم قسم کی پٹیاں پڑھا کر اور ہم پر بہت سی نوازشات کے دروازے کھولنے کے وعدہ کر کے واپس جا چکے ہیں۔ دوسری طرف بھارت کو علاقے کا تھانیدار بنانے کے لیے اور ہمیں اس کے نیچے لگانے کے لائحہ عمل پر مکمل طور پر عملدرآمد شروع ہو چکا ہے۔ جناب کلنٹن نے بھارتی دھماکے کے بعد گزشتہ روز بھی ہمیں بھارت کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ترقی کی منازل طے کرنے کی روشن راہ دکھائی ہے۔

ہمارے میاں صاحب کو افسوس ہے کہ انہوں نے گجرال ڈاکٹرائن کے تحت بھارت کے

ساتھ تجارت کا راستہ تلاش کیا تھا لیکن وا جپائی بموں اور دھماکوں کی راہ پر چل پڑے ہیں۔ اب ہماری قیادت کے امتحان کا وقت آن پہنچا ہے کہ وہ بھارت جیسے کمینے اور بدخصلت دشمن ملک کی بالادستی قبول کرتی ہے یا روکھی سوکھی کھا کر عزت اور غیرت کی زندگی گزارنے کے لیے قوم کو تیار کرتی ہے۔ چین نے ہمیشہ یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم ایک مضبوط قوم بنے ہی اس وقت تھے جب سامراج نے ہم پر قسم قسم کی پابندیاں عائد کی تھیں اسی طرح عراق، ایران، لیبیا وغیرہ سمیت ایسے غیرت مند ممالک بھی دنیا میں موجود ہیں جنہوں نے اپنے محدود ترین وسائل اور قسم قسم کی پابندیوں کے باوجود امریکہ کی بالادستی اور ڈکٹیشن قبول نہ کی اور انہوں نے ہمیشہ امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی۔ ملکی مفادات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا اور ان پر کوئی مصلحت آمیز پالیسی اختیار نہیں کی اور نہ ہی اصولوں پر کوئی سمجھوتہ کیا۔ ہمارے پاس تو اتنی زیادہ زرخیز زمین، دنیا کا بہترین نہری نظام، گیس، تیل، معدنیات اور دیگر بے شمار وسائل موجود ہیں۔ ہمیں موجودہ حالات میں اپنی غیرت اور حمیت کا سودا کرنے کی بجائے عقل کو محو تماشائے لب بام رکھ کر آتش نمرود میں بے خطر کود پڑنا چاہیے اور دھماکہ کرنے کے لیے کسی بھی طاقت یا پابندیوں کی ہرگز پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ آج ہمیں عظیم مسلمان سپہ سالار طارق بن زیادہ کی طرح کشتیاں نذر آتش کر کے اپنی بقاء کی جنگ میں کود پڑنا چاہیے۔ جو قومیں غیرت اور حمیت کو ترک کر دیتی ہیں انہیں دنیا میں جینے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ ہی ایسی قومیں دنیا میں سر اٹھا کر چل سکتی ہیں۔

بھارت سے مقابلے کے لیے اور اپنی سرحدوں کے تحفظ، آزادی، غیرت ملی اور اسلامی عظمت و وقار برقرار رکھنے کے لیے ہمیں اگر روکھی سوکھی بھی کھانے پڑے تو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری قیادت کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ ملک ہم نے ہندوؤں سے لڑ کر، انگریزوں کی سازشیں ناکام بنا کر اور عظیم قربانیوں سے حاصل کیا تھا اس کی عزت، اس کا وقار اور اس کی آزادی کو مٹی میں ملانے کی کوشش نہ کی جائے۔ قدرت نے اتفاق سے ہمیں یہ موقع دیا ہے کہ ہم بھارت کے دھماکوں کے جواب میں اپنے تحفظ کے لیے اپنا حق آزادی کے ساتھ استعمال کریں اور اپنی ایٹمی استعداد کو بھارت کے ہم پلہ رکھنے کے اس سنہری موقع کو ہرگز ضائع نہ کریں میاں صاحب! اللہ کا نام لے کر دھماکہ کریں اور پھر تدبیر کے بعد قسمت کا فیصلہ تقدیر پر چھوڑ دیں تائید ایزدی ہمارے ساتھ ہوگی اور انشاء اللہ ہم کفر اور اسلام کی تمام دو اور جنگ میں سرخرو ٹھہریں گے اور دشمن کو ہر محاذ پر نیچا دکھائیں گے اور اپنا سر جھکانے کی بجائے سر بلند کر کے چلیں گے۔ ہمارے عوام اس عظیم مقصد کے لیے مسلم لیگی قیادت کے شانہ بشانہ ہوں گے اس وقت ان کے جذبات و احساسات یہی ہیں کہ ہم ہندو کے مقابلے میں اپنی برتری برقرار رکھیں اور بھارت کے ایٹمی دھماکوں کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

اور اب کشمیر!

30 مئی کو پاکستان نے اپنا چھٹا ایٹمی دھماکہ کر کے موجودہ دھماکوں کی سیریل مکمل کر لی اور دنیا کی تمام مقتدر قوتوں کو اس بات کا یقین دلا دیا کہ پاکستان بھارت کے لیے نہ کبھی پہلے تر نوالہ تھا نہ اب کبھی ہوگا۔ البتہ اس کے گلے کی ہڈی ضرور بن سکتا ہے جو بالآخر بھارتی سامراج کی موت ثابت ہوگی، کیونکہ اس آخری دھماکے نے مغربی ممالک خصوصاً امریکہ کو قدرے چونکا یا بھی ہے کہ ایک چھوٹے سے ملک نے ان کی بار بار کی "چتاونی" کو معمولی اہمیت بھی نہیں دی اور اپنے قومی ایجنڈے پر عمل کیا ہے یہ تو ایک طرح سے امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کے لیے زبردست چیلنج ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میڈیا پر دکھائی پڑنے والے مغربی سفارت کاروں کے لہجے بھی قدرتی طور پر درست ہو گئے ہیں بظاہر یوں دکھائی پڑتا ہے کہ اب انہوں نے واقعی پاکستان کو ایک مقتدر ایٹمی قوت سمجھنا شروع کر دیا ہے اور ماضی کی طرح پاکستان کے حوالے سے اب وہ کوئی کمنٹ بلا سوچے سمجھے دینے کے بجائے پاکستان کو اپنی دانست میں (Cool Down) کرنے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لہجے اب قدرے بدلے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ فرانس، جرمنی اور برطانیہ نے بھی اب امریکہ کی ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے اپنی الگ اور آزادانہ پالیسی پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں سے پہلے جن پابندیوں کا نام لے کر ہمیں ڈرایا جا رہا تھا وہ پابندیاں فی الوقت تو دکھائی نہیں پڑتیں اور انشاء اللہ مستقبل میں بھی ایسے امکانات نہیں ہیں۔

پاکستان کے ایٹمی کلب کے ایک معزز رکن کی حیثیت سے شامل ہونے سے کئی ایسے معاملات جن پر ہمیں بار بار معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنا پڑتا تھا اب ایسا نہیں ہے اب ہم برابری کی سطح پر دنیا کی ہر طاقت سے بات کر سکتے ہیں اور وہ لوگ جو پاکستان کا موازنہ عراق، سوڈان اور لیبیا سے کر رہے تھے دراصل احمقوں کی جنت میں رہتے تھے کیونکہ ان تینوں ممالک کے پاس ایٹمی قوت نہیں اور دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ طاقتور کے خلاف بھی وہی قانون نافذ ہو جائے جو کمزور کے خلاف ہوتا رہا ہو

کیونکہ وہ اس بے پناہ اخلاق اور انسانیت نواز ہونے کے باوجود ہم اس تلخ سچائی کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ دنیا طاقت کی زبان ہی سمجھتی ہے اور ماؤزے تنگ نے بہت عرصہ پہلے بہت سچی بات کہی تھی کہ "دنیا کی بہترین دلیل توپ کے منہ سے برآمد ہوتی ہے۔"

چند روز پہلے تک پاکستان کو بات بات پر دھمکیاں دینے والے بھارتی وزیر اعظم، وزیر داخلہ، ڈیفنس منسٹر اور وزیر اعظم کے "نکمو لے" ایڈوانی نے بھی اپنا لہجہ درست کر لیا ہے اور وہ لوگ جو کشمیر کا ذکر سننا پسند نہیں کرتے تھے اب پاکستان کے ساتھ تمام معاملات بات چیت کے ذریعے طے کرنے پر تیار دکھائی دیتے ہیں۔

پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کا سب سے بڑا نقصان بھارتی تشدد پسند جماعت بی جے پی کو ہوا ہے کیونکہ آج بھارت کی تمام مقتدر لیڈر شپ مسٹر واجپائی کو پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کا ذمہ دار قرار دے رہی ہے اور اس خطے میں جو اچانک تناؤ پیدا ہو گیا ہے اس کی ذمہ داری ان کی کابینہ پر عائد کی جا رہی ہے۔

بھارتی میڈیا سے وقتاً فوقتاً نشر ہونے والے مذاکروں، مباحثوں اور انٹرویو میں بھارت کے قریباً تمام اپوزیشن لیڈر یک زبان ہو کر موجودہ حکومت کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں اور برملا یہ بات کہتے ہیں کہ جارج فرنانڈس کی طرف سے چین پر الزام تراشی، پاکستان کو طعنہ زنی، ایل کے ایڈوانی کی طرف سے پاکستان کو دھمکیاں اور اچانک بھارت کی طرف سے یکے بعد دیگرے ہونے والے ایٹمی دھماکوں کے جواب میں بھارتی حکومت اور کیا توقعات پاکستان سے وابستہ کئے ہوئے تھی۔

بھارت کے سابق وزیر خارجہ نٹور سنگھ نے تو پاکستان کے پہلے پانچ ایٹمی دھماکوں کے بعد مسٹر واجپائی سے ایک ہی سوال کر کے انہیں خاموش کروا دیا ہے کہ اگر ان کے بقول بھارت کے ایٹمی دھماکے پاکستان کو چیتاونی نہیں تھی اور پاکستان، ان کے وزیر دفاع فرنانڈس کے بقول "ہر معاملے میں چین کا محتاج ہے تو وہ یہ بات بتا دیں کہ اب ان کا کیا جواب ہوگا؟ اور ابھی تک ان کے سوال کا جواب نہیں دیا گیا۔"

بھارتی پارلیمنٹ کے اجلاس میں جب پاکستان کے پہلے پانچ دھماکوں کی خبر سنائی گئی تو ساری پارلیمنٹ کو سانپ سونگھ گیا تھا اور سوائے بی جے پی کے ممبران کے تقریباً ہر لوک سبھا ممبر نے واجپائی کے خلاف تقریر شروع کر دی تھی۔ انہوں نے کھل کر واجپائی پر الزام لگایا کہ انہوں نے اس خطے میں ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ شروع کر دی ہے اور ان کی پالیسیوں کی وجہ سے آج پاکستان، چین اور امریکہ کا ایک متحدہ محاذ بھارت کے خلاف وجود میں آ گیا ہے۔

بھارتی وزیر اعظم کے پاس ان سوالات کے کوئی جوابات نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دھماکوں کے بعد اب تک وہ ایک ہی بات تسلسل سے دہرا رہے ہیں کہ وہ پاکستان کے ساتھ ہر مسئلہ بات چیت کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں اور پاکستان کو ایک مضبوط اور خوشحال ملک دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ انشاء اللہ ان کی یہ خواہش ضرور پوری ہو گی اور جس عزم بالجزم سے پاکستان کی لیڈر شپ نے جرأت ایمانی کا مظاہرہ کیا ہے یقیناً پاکستان کے عوام بھی اسی جذبے کا مظاہرہ کریں گے جس کے بعد واجپائی کی نیک خواہشات کے عین مطابق پاکستان ایک مضبوط اور خوشحال ملک بن جائے گا۔

وزیر اعظم میاں نواز شریف نے دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ ہمارے کوئی سامراجی عزائم نہ پہلے کبھی تھے اور نہ اب ہیں۔

پاکستان کے یو این او میں سفیر ریاض قدیر نے 28 مئی کو یو این او میں واضح طور پر بیان دیا تھا کہ بھارت، آزاد کشمیر پر حملہ کرنے والا ہے ان کے پاس بھارت کے جارحانہ عزائم کے مکمل ثبوت موجود تھا۔

پاکستانی وزیر خارجہ گوہر ایوب اور وزیر اعظم نواز شریف نے بھی یہ بات تکرار سے کہی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کیونکہ بھارتی ہوائی اڈوں پر اسرائیلی طیارے تیار کھڑے تھے۔ ہنود و یہود مشترکہ حملہ کر کے پاکستان پر جارحیت کرنے کے چکر میں دکھائی دے رہے تھے کہ قدرت نے انہیں خود گھن چکر بنا کر رکھ دیا اور رات ڈیڑھ بجے بھارتی سفیر کو وزارت خارجہ میں طلب کر کے وارننگ دی گئی کہ اگر بھارت نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے ایسا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

آج الحمدللہ ہم بھارت سے نیوکلیئر ٹیکنالوجی میں کئی قدم آگے ہونے کے ثبوت ساری دنیا کے سامنے رکھ چکے ہیں۔ ساری دنیا پر یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ پاکستان کے پاس کامل درجے کی ایٹمی مہارت موجود ہے، کم از کم بھارت سے وہ اس میدان میں کئی گنا آگے ہے جس کا ثبوت ہمارا چھٹا دھماکہ اور وہ جدید ترین میزائل ہیں جن کے تجربات کئے گئے۔ اب دنیا پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہم میزائل سازی کی صنعت میں بھی بھارت سے آگے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جس روز سے پاکستانی میزائل غزنوی اور شاہین کے تجربے ہوئے ہیں بھارت کو سانپ سونگھ گیا ہے اور بھارتی وزیر دفاع جارج فرنانڈس کی بوکھلاہٹ بطور خاص قابل دید ہے۔ کبھی وہ پاکستانی ایٹمی دھماکوں کے پیچھے چین کا ہاتھ دیکھتے ہیں کبھی انہیں پاکستانی ڈیوائس چین کے دکھائی پڑتے ہیں اور کبھی وہ پاکستانی دھماکوں کو کم طاقت کا بتاتے ہیں جبکہ ساری دنیا نے پاکستان کی اعلیٰ ترین صلاحیت کا احساس کرتے ہوئے اسے تسلیم بھی کیا ہے۔

اب ایک بات تو ضرور کہی جا سکتی ہے کہ بھارت کو کم از کم کبھی پاکستان پر حملے کرنے کی جرأت نہیں ہوگی لیکن پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کا ایک بہت بڑا فائدہ اس خطے کے تمام چھوٹے ممالک خصوصاً نیپال، مالدیپ، بھوٹان، سری لنکا، بنگلہ دیش وغیرہ کو بھی ہوا ہے کہ اب اس خطے میں طاقت کا توازن برقرار ہو گیا ہے ورنہ بھارت کے پاس ایٹمی صلاحیت آنے کا مطلب بندر کے ہاتھ میں چھری آنے والی بات تھی اور وہ اپنے سامنے آنے والی ہر شے کو کاٹ کر رکھ دیتا۔

پاکستان کے ایٹمی دھماکے جنوبی ایشیاء ہی نہیں، تیسری دنیا کے تمام ممالک کے لیے سکون اور سلامتی کے ضامن بن گئے ہیں ورنہ بھارت کی جارحیت اور بلیک میلنگ سے کوئی ملک محفوظ نہ رہتا۔

پاکستانی سائنس دانوں کے کمال فن، وزیراعظم اور قومی سربراہان کی جرأت ایمانی کو سلام کہ انہوں نے آج دنیا کے اس پسماندہ ملک کو جس کی معیشت سے متعلق عجیب و غریب قسم کی تاویلیں کی جا رہی تھیں، جس کی خواندگی کا تناسب باعث شرم ہے، جہاں تعلیم کے شعبے میں بہ مشکل دو فیصد بجٹ کا حصہ خرچ کیا جاتا ہے۔

ہمارے محسنوں نے دنیا کے اس ملک خداداد پاکستان کو آج معزز ممالک کی فہرست میں کھڑا کر دیا ہے۔ آج ہم دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں۔ آج پاکستان کو بلا شبہ عالم اسلام کی سربراہی کا حق مل گیا ہے اب مسلمان دنیا کی کمزور نہیں، مضبوط قوم بن کر سامنے آئیں گے۔ جس طرح روس کے انقلاب نے یورپ ہی نہیں ساری دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ یقین ہے کہ پاکستان کے ایٹمی طاقت بننے کے اثرات اس سے کم ہرگز نہیں ہوں گے۔

ذرا سوچ سمجھ کر

یہ 26 اور 27 اپریل کی درمیانی رات ہے اور بھمبر سیکٹر کشمیر میں لائن آف کنٹرول پر بھارتی مورچوں سے بمشکل 600 میٹر کی دوری پر واقع گاؤں بنڈالہ سیری کے 120 گھروں کے مکین معمول کے مطابق اپنے روزانہ کے کام کاج سے فارغ ہو کر گہری نیند سو رہے تھے۔ چونکہ دونوں دیہاتوں میں زرعی اراضی زیر کاشت ہے اور یہ فصل کی کٹائی کا موسم ہے اس لیے آج دن بھر فصل کاٹنے کے بعد اب رات کے اس پہر وہ نیند کے مزے لوٹ رہے تھے جب رات گیارہ اور ساڑھے گیارہ بجے کے درمیان بھارتی فوج کی 31 راشٹریہ رائفل بٹالین کے 22 درندے ان نہتے اور بے گناہ کشمیریوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے لیے بلی کی طرح پنجوں پر چلتے ہوئے پاکستان کی طرف بڑے منظم انداز سے بڑھنے لگے۔

بھارتی مورچے کافی بلندی پر واقع ہیں پاکستان کے جنوب کی طرف اور ڈھلوانی راستے پر یہ دونوں گاؤں موجود ہیں۔ یہ منصوبہ چند گھنٹوں میں طے نہیں پایا تھا بلکہ 17 اپریل سے وہ لوگ اس کی ریہرسل کر رہے تھے جب آپریشنل کمانڈر نے ایک منصوبہ لیفٹیننٹ کمانڈر ذی ایس چوہان کمانڈر 16 کور کو "گمر وند" مقبوضہ کشمیر میں پیش کیا اس آپریشن کو میجر جنرل سندر پرکاش کپور، جی او سی 10 ڈویژن اور کمانڈر 28 انفنٹری بریگیڈ کی مکمل معاونت اور بلا شرکت حاصل تھی۔ اس گھناؤنے منصوبے کے مطابق پاکستانی سرحد کے ساتھ ساتھ واقع دیہاتی علاقوں میں ایسی کارروائی کرنا مقصود تھا جن سے یہاں کے پرامن عوام کا قتل عام کر کے ان میں دہشت پیدا کی جائے اور مقبوضہ کشمیر میں سرگرم جہادی مجاہدین کو یہ پیغام دیا جائے کہ اگر انہوں نے اپنی کارروائیاں جاری رکھیں تو اس کا بدلہ معصوم اور بے گناہ عوام سے لیا جائے گا۔ اس گھناؤنے مقصد کے لیے بطور خاص پیرا ملٹری فورسز کی راشٹریہ رائفل سے انسان نما درندوں کا انتخاب کیا گیا تھا۔

اپنی درندگی کے لیے ان لوگوں نے جس علاقے کا انتخاب کیا تھا اس کا فاصلہ بھارتی سرحد سے تو 600 میٹر ہے لیکن پاکستانی مورچے اس سے 2 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہیں کارروائی میں بطور

میں یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ پاکستانی فوج کو خبر ہونے سے پہلے پہلے یہ درندے اپنا کام مکمل کر کے لوٹ چکیں۔

ان دیہاتوں کے قریباً تمام مکانوں کی پشت بھارت کی طرف اور دروازے پاکستان کی طرف ہیں بیشتر مکان ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں لیکن کہیں کہیں یہ الگ الگ بھی ہیں۔ بھارتی وحشیوں نے جن دو مکانات کا انتخاب کیا وہ بھی الگ اور ایک دوسرے سے منسلک تھے۔ یہاں کا نائب اور ماسٹر زبیر کے گھرانے آباد تھے اور ان کا فاصلہ لائن آف کنٹرول سے 600 گز ہے۔

پاکستانی سرحد کی طرف آنے میں ان لوگوں کو اس لیے کوئی دقت پیش نہ آئی کہ انہوں نے بڑے پیچیدہ، محفوظ راستے کا انتخاب کیا تھا۔ اپنی آنکھوں پر نائٹ ویژن گوگلز چڑھائے بھارتی کمانڈوز جو سائلنسر لگے ہتھیاروں سے لیس تھے بڑی آسانی سے اپنے ٹارگٹ تک پہنچے اور انہوں نے دو الگ مکانوں کو گھیرے میں لے لیا جس کے بعد دہشت، درندگی اور قتل و غارت گری کی ایسی گھناؤنی داستان رقم ہوئی جسے سننے کا حوصلہ شاید آپ میں نہ ہو۔

ان موذیوں نے جو سائلنسر لگے ہتھیاروں سے لیس تھے، نیند میں ڈوبے بے گناہوں کی کنپٹیوں اور چہروں پر گولیاں ماریں، انہیں اپنے زہر آلودہ خنجروں سے وحشیوں کی طرح ذبح کیا اور جب گاؤں کے ایک پولٹری فارم سے کسی شخص نے چیخ پکار شروع کی تو دوسری طرف موجود بھارتی پوسٹوں سے ویری لائٹ فائر ہوا جس کا مطلب تھا کہ اب واپس آ جاؤ جس کے بعد یہ موذی تیزی سے راستے میں تین بارودی سرنگیں بھی پھینک گئے مبادا پاکستانی فوج ان کا تعاقب کر رہی ہو۔ اس کے علاوہ ایک خنجر، گولیاں، خون آلودہ گھڑی بھی وہاں پائی گئی۔ غرض وہ اپنے بھارتی درندے ہونے کے تمام ثبوت چھوڑ کر فرار ہوئے اور جاتے جاتے ایک اشتہار بھی وہاں رکھ گئے جس میں بڑی بے ہودہ زبان میں کہا گیا تھا کہ آپ کو اپنا خون کیسا لگا؟

دراصل یہ ہندو درندوں کی انتقامی کارروائی تھی کیونکہ 17 اپریل اور 18 اپریل کی درمیانی رات مقبوضہ کشمیر کے شہر ادھم پورا کے گاؤں دتی کوٹ میں 22 ہندو مارے گئے تھے جہاں بھارتی وزیر داخلہ ایل کے ایڈوانی اور فاروق عبداللہ نے دھمکیاں دی تھیں کہ ہم اس کا بدلہ ضرور لیں گے اور ان درندوں نے اس کا بدلہ بے گناہ عوام سے لے لیا۔

بھارتیوں نے یہ حملہ بڑی پلاننگ سے کیا تھا۔ اس رات معمول کا گشت بھی نہیں تھا، کنٹرول لائن پر خوف ناک خاموشی تھی ورنہ عام حالات میں بھارت کی گشتی پارٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ گپ کرتے ہوئے اونچی آواز میں "سب اچھا" کہتی ہیں۔ جیسا کہ اس رات کوئی سرچ لائٹ بھی نہیں

جلائی گئی گویا سب کچھ ایک منصوبہ بندی سے کیا گیا۔

یہ صرف ایک منظر تھا۔ بیشتر مناظر مقبوضہ کشمیر میں دکھائی پڑتے ہیں جب بھارتی درندے رات کے اندھیرے میں کسی بھی گاؤں میں گھس کر بچوں اور مردوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد مسلمان عورتوں کی آبروریزی کر کے ان کے گھروں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک 60 ہزار بے گناہ کشمیری اپنی جان کا نذرانہ بھارتی دہشت و بربریت کی دیوی کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ آج تک بھارت نے کبھی اس ظلم و ستم کے خلاف بلند ہونے والی آواز پر کان نہیں دھرے تھے اور ایک ہی رٹ لگائی جاتی تھی کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔

الحمدللہ آج وہ وقت آ چکا ہے کہ بھارتی وزیراعظم مسٹر واجپائی اور ان کے متعصب ساتھیوں نے بھی مسئلہ کشمیر پر بات چیت کے لیے رضامندی ظاہر کر دی ہے۔ یہ سب ان ایٹمی دھماکوں کا نتیجہ ہے جنہیں روکنے کے لیے ساری دنیا ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی لیکن جس جرأت ایمانی سے کام لے کر وزیراعظم نواز شریف نے دھماکہ کرنے کا فیصلہ کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ ہم اپنی غیرت کی قیمت پر کوئی سودے بازی نہیں کیا کرتے۔

4 جون کو جنیوا میں ہونے والے "بگ فائیو" (پانچ بڑوں) کے اجلاس میں پہلی مرتبہ متفقہ طور پر کشمیر کو بین الاقوامی مسئلہ تسلیم کر لیا گیا ہے اور تمام بڑی طاقتیں اس نتیجے پر پہنچ گئی ہیں کہ اس خطے میں اگر تناؤ ختم کرنا ہے تو اس کا ایک ہی علاج ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان باعث نزاع مسئلہ کشمیر کو حل کیا جائے اور انہوں نے سفارتی دباؤ ڈال کر بھارت کو اس پر رضامند ہونے پر مجبور کر دیا ہے جو پاکستان کی بہت بڑی کامیابی ہے یہ ان بم دھماکوں کا صدقہ ہے کہ آج اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک آزاد خود مختار اور ذمہ دار ملک کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آیا ہے۔ پاکستان کا یہ روپ ان اقوام اور ان ممالک کے لیے غیر معمولی توجہ کا حامل ہے جو پاکستان کو ہمیشہ امریکہ کا حاشیہ بردار یا طفیلی ملک سمجھتے رہے۔ مبصرین کے مطابق اگرچہ ایٹمی دھماکہ بھارت اور پاکستان دونوں نے کیا لیکن اس معاملے میں پہل اور اشتعال انگیزی پر مبنی رویہ اختیار کر کے بھارت نے لعن طعن کے سوا کچھ حاصل نہ کیا۔ لیکن پاکستان نے کامیاب سفارتی اور سیاسی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اپنے لیے عالمی حلقوں میں نرم گوشہ اور اسلامی ممالک میں قدر و منزلت حاصل کی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ بھارتی حکومت نے ایٹمی دھماکے سے قبل روایتی مکر و فریب اور چال بازی کی روش اپنائے رکھی۔

بھارتی قیادت اپنے قریبی حلیفوں کو بھی یہی تاثر دیتی رہی کہ اس کا ایٹمی دھماکوں کا کوئی ارادہ نہیں بلکہ وہ امن و سلامتی کی پرچارک بنی رہی۔ لیکن گیارہ مئی کو پانچ ایٹمی دھماکے کر کے بھارت نے

توسیع پسندی اور جارحیت پر مبنی عزائم کا بھرپور اظہار کر دیا۔ بھارتی حکومت نے دھماکوں کے بعد پاکستان کو دھمکیاں دینے، مسئلہ کشمیر کو طاقت کے زور پر حل کرنے اور پاکستان کو سرجھکا کر اس خطے میں رہنے کے جو بیانات دینے شروع کیے اس سے اس خطے کے چھوٹے ممالک تو کیا چین جیسی بڑی طاقت میں بھی تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ واجپائی، ایڈوانی، جارج فرنانڈس، بال ٹھاکرے غرض بھارتی حکمران بھارت کا ہر لیڈر چھوٹا بھرتا ایٹم بم بن گیا تھا۔

اگر چہ اس وقت پاکستان اس پوزیشن میں تھا کہ فوری دھماکہ کر کے بھارت کو جواب دے سکتا اور اس حوالے سے حکومت پر اندرونی سیاسی دباؤ بھی بڑھ گیا لیکن وزیراعظم نواز شریف نے عجلت پسندی کی بجائے تحمل اور بردباری سے پیش رفت کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں جو حکمت عملی بنائی گئی اس کے تحت بھارتی ایٹمی دھماکوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ عالمی ردعمل پیدا کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان نے دوست اور ہمدرد ممالک کے ساتھ پیدا شدہ صورت حال سے نمٹنے کے لیے تعاون اور مدد کے لیے رابطوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ تیسرے اور بنیادی اقدام کے طور پر جوابی ایٹمی تجربہ کی بھرپور تیاریوں کے بعد گرین سگنل دے دیا گیا۔

حکومت نے قومی سلامتی کو لاحق خطرات کے پیش نظر ایٹمی دھماکہ سمیت اپنے تمام آپشن کھلے رکھنے کی جو پالیسی روز اول سے اختیار کی اسے آخر وقت تک برقرار رکھا گیا۔ اس ضمن میں امریکی صدر کلنٹن، برطانیہ، کینیڈا، جاپان کے وزرائے اعظم سمیت تمام عالمی رہنماؤں سے ٹیلی فون رابطوں میں وزیراعظم نواز شریف نے یہی موقف اختیار کیا کہ بھارت کے ایٹمی دھماکوں سے ہماری قومی سلامتی کو لاحق خطرات بڑھ گئے ہیں۔ بھارتی قیادت کا جارحانہ انداز اس کے آئندہ عزائم کا آئینہ دار ہے۔ ان حالات میں پاکستان کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنی ایٹمی صلاحیت کا اظہار کرے۔ وزیراعظم نے کسی بھی مرحلے پر کسی عالمی رہنما کو نہ تو دھماکہ کرنے کی یقین دہانی کرائی اور نہ ایٹمی صلاحیت سے دستبرداری کے عوض اقتصادی مراعات حاصل کرنے کا عندیہ دیا۔ اس انداز سے نے عالمی رہنماؤں اور اخبارات کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ بھارت نے ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کے لیے ایسی مشکل صورت حال پیدا کر دی جس سے نمٹنے کے لیے پاکستان کو اپنے تمام آپشن بروئے کار لانے کا حق ہے۔

وزیراعظم نواز شریف نے بھارتی ایٹمی دھماکوں کے بعد عالمی دوروں پر نکل جانے کی تجویز یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ ہمیں بھارت کے نفسیاتی دباؤ سے مغلوب قوم کا تاثر پیدا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اس سارے عرصہ میں اسلام آباد میں ہی موجود رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عالمی رہنماؤں نے از خود وزیراعظم سے رابطے شروع کر دیئے اور عالم یہ ہوا کہ دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کے صدر کلنٹن نے بارہ

دن میں پانچ مرتبہ وزیراعظم نواز شریف سے فون پر بات کی۔ یہی حال برطانیہ اور دوسرے سربراہوں کا تھا۔ وزیراعظم ہاؤس میں عرب اور دیگر ممالک کے خصوصی نامہ بروں کی قطاریں لگ گئیں۔ ہر آنے والی ٹیلی فون کال اور نامہ بر پاکستان کے لیے نیا پیغام لے کر آتے۔ ہر پیغام میں پاکستان کے اصولی موقف کی تائید شامل ہوتی۔

اسلامی ممالک کو اپنے سیکولر ہونے کا جھانسہ دے کر بھارتی سالہا سال سے جو حربے لوٹ رہے تھے ان کے ختم ہونے کا وقت بھی آ گیا۔ سعودی عرب، ایران، عراق اور خلیجی ممالک پاکستان کے ایٹم بم کو اسلامی دنیا کی طاقت قرار دے کر پاکستان سے دامے درمے سخنے تعاون کر رہے ہیں۔ پاک چین دوستی پر چھائی کہر اب ختم ہو گئی ہے دونوں ممالک کے مابین اقتصادی، سیاسی اور دفاعی تعاون کو مزید فروغ مل رہا ہے۔ امریکہ سمیت مغربی رائے عامہ پاکستان کو تیسری دنیا کی ایک طفیلی ریاست سمجھتی رہی ہے۔ پہلی بار اس خطے میں پاکستان کی سیاسی اور جغرافیائی اہمیت اس کی ایٹمی صلاحیت اور قیادت کی بالغ نظری سے آگاہ ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ کامیاب خارجہ پالیسی اور موثر میڈیا پالیسی نے پاکستان کے کیس کو مضبوط کر دیا۔ اب پاکستان کو ایک مستحکم، خوشحال اور مضبوط ملک بننے سے روکنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ ایٹمی صلاحیت کے اظہار کے بعد اندرون ملک پاکستان کو جو پذیرائی ملی ہے اس کے پیش نظر موجودہ حکومت نے خود کفالت اور خود انحصاری کے حصول کو اپنا نصب العین بنانے کا جو فیصلہ کیا ہے اگر اس پر خلوص نیت سے عمل کیا گیا اور نمود و نمائش کے بجائے عملاً ایسے اقدامات کیے گئے جن سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ واقعی ہمارے حکمران اور وی آئی پی کلاس نے سادگی اختیار کر لی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو آزاد ملک بننے سے نہیں روک سکتی۔

وزیراعظم جلد ہی ایک پیکج کا اعلان کرنے والے ہیں جسے اقتصادی کی بجائے قوم نے خوشحالی کا پیکج بنانا ہے۔ آج جس طرح بین الاقوامی طور پر پاکستان کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور ساری دنیا دبی دبی زبان سے مروجہ مخالفت کے تحت پاکستان کے ایٹمی قوت بننے پر مخالفت بھی کر رہی ہے۔ لیکن تمام بڑی طاقتوں نے اس سچائی کو تسلیم کر لیا ہے کہ پاکستان نہ پہلے ہی تر نوالہ بنا اور نہ ہی اب تر نوالہ رہے گا۔

اس سارے عرصہ میں بھارت کے خلاف اقتصادی پابندیوں کا جائزہ بھی لیا جاتا رہا اور جب یہ بات واضح ہو گئی کہ عالمی رائے عامہ بھارت کا کچھ بگاڑ نہیں سکی اور نہ ہی بھارت سے ان پابندیوں پر کوئی فرق پڑتا ہے تو پھر ایٹمی دھماکہ کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کی صلاحیت بھارت سے کسی طور پر کم نہ تھی۔

than optional, but much more damaging, punitive measures. On its side, the BJP has extended a hand from day one. The statement of the Prime Minister's principal secretary, Mr Brijesh Mishra, expresses a willingness to consider bringing India into global nonproliferation fold along with satisfaction at the nuclear tests. This could be interpreted to mean New Delhi is willing to join such agreements as the comprehensive test ban treaty—but as a full nuclear power. This is not unreasonable. One, it is a simple statement of fact. Two, the lack of nuclear power status is a handicap India placed on itself by sticking to the falsehood that 1974 was "peaceful" nuclear explosion. Between the US response and India's linkages, there would seem to be common ground. The result could be the best of all worlds: a satiation of national pride and fulfillment of global commitments.

Otherwise, India could find itself in a graveyard spin driven by international recrimination and deteriorating regional insecurity. Most damaging would be the second. Pakistan will probably detonate a bomb. If Indian fails to plug south Asia into the global nuclear system, the region could short-circuit. South Asia's nuclear equation has been stable for years. The blasts may destabilize things. India cannot afford a nuclear arms race. Nuclear weapons are not a cheap option. The Cold War showed that weapons production represented only a tenth of the costs of nuclear deployment. Pakistan is a weaker economy but it can probably count on China to help it balance India's greater wealth. A cold shoulder from the international community and a neighborhood weapons pileup would neither help India's security nor get it out of the third world poverty trap. There is little doubt the government faces a challenge. But compared to testing, converting the impetus gained from the Pokhran tests into something diplomatically tangible is infinitely more difficult.

(The Telegraph, 13 May 1998)

اس مرحلے پر جب کہ دنیا کی تمام بڑی طاقتیں مسئلہ کشمیر کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس مسئلے کا حل نکالنے کے لیے کوشاں ہیں اس بات کی ضرورت اور زیادہ شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ پاکستان میں بھی کشمیر کے حوالے سے ایک واضح قومی نقطہ نظر سامنے آنا چاہئے اور جو لوگ مسئلہ کشمیر کے حل کی عجیب وغریب تاویلات پیش کرتے ہیں اور بعض عاقبت نااندیش دشمن کی زبان بولتے ہیں ان کی زبانوں کو لگام دی جائے۔

ساری قوم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کا حل رائے شماری ہے، غیر جانبداری رائے شماری جس کا وعدہ یو این او نے کر رکھا ہے۔ کشمیریوں کو اس بات کا حق ملنا چاہئے کہ وہ آزادی سے اپنی مرضی کا اظہار کریں اس کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تمام عالمی قوتیں بھارت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ فوراً اپنی فوجیں مقبوضہ کشمیر سے نکالے تاکہ یہاں کے عوام کو آزادی اور سکھ کا سانس لینے کا موقع مل سکے۔

فاروق عبداللہ ایسے ملت فروشوں کی بجائے کشمیر کی حقیقی قیادت سے کشمیر کے مسئلے کے حل کے لیے مذاکرات کیے جائیں اور بھارتی ٹاؤٹوں کی بجائے مجاہدین کے نمائندوں سے کشمیریوں کی مرضی دریافت کی جائے۔

یہ بات شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ گزشتہ تین چار سال سے ایک سازش کے تحت ہمارے ہاں کوئی رائے عامہ بننے ہی نہیں دی جارہی۔ کشمیر کے مسئلے کو جان بوجھ کر الجھایا جارہا ہے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی ہیں۔ مختلف نظریات پیش کئے جارہے ہیں۔ اب جب کہ اس مسئلے کے حل کا وقت آ گیا ہے۔ جب کشمیریوں کا خون رنگ لانے لگا ہے تو موقع پرستوں کو ایک طرف کر کے کشمیریوں کی حقیقی قیادت کو سامنے لایا جائے اور خاص طور پر پاکستان میں اس مسئلے میں اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔

while denying itself the advantages of being a declared one. That changed on May 11. The latest tests are an assertion that the country is set upon doing all it must to ensure its security and not crumble at the first sign of full expected punishment, which it has already assessed that it can live with.

Wednesday's developments are a logical culmination of the direction that Indian nuclear policy has taken in recent days. Having decided to brazen out international opprobrium it makes eminent sense to complete as many tests as it takes and then to sign the CTBT from a position of strength. This is exactly what France and China did in the run-up to the CTBT. They acceded only after making sure that their nuclear programme would not suffer from a ban on further tests making possible their full computer simulation first. The only puzzling thing remains the Indian government's reiteration that it is willing to adhere to certain parts of the CTBT rather than saying that it will sign unconditionally. Yet too much need not, perhaps, be read into that. President Clinton has demanded India's unconditional accession to this treaty and American may not countenance anything short of that. But India's current position is, as likely as not, a negotiating stance which could become more accommodating if the world community, and especially America, agrees to soften the blow of sanctions and other action. India can now well afford to be seen to be conciliatory and accede fully to C. Indeed it would disadvantageous in the extreme for it not to do so. Fortunately there seems little indication that this government is inclined to follow such a course but it must nevertheless be warned against spoiling a brave enterprise, well executed.

(The Indian Express, May 14, 1998)

Aftershock

What awaits the Bharatiya Janta Party led government is a task far more difficult than the relatively easy business off bombs in the backyard. In the desert dust kicked up by day before yesterday's triple nuclear detonation is the potential for a major diplomatic coup d'etat. But one that would have tried the skills of Otto von Bismarck or Mr Henry Kissinger. However, it requires the BJP government to recognize such a potential exists and possess the will to seize the moment. If it fails to make the right moves, there will be steady accumulation of political and economic minuses. These, over time, could more than outweigh the pluses gained in terms of an enhanced sense of national status. If the tests are allowed to take place in isolation, the best India can hope for is its nuclear weapons status to remain stuck at a slightly higher level of development for years to come. It will remain an irritant in the country's foreign policy, but add little to India's larger national objectives. The worst would be an international pariah status, a loss of investors' confidence in the country and an arms race with both Pakistan and China that could bleed India white.

If India wants to gain from these explosions it needs to now move to open a dialogue with the United States. Other countries can protest, it is only Washington's response that counts. So far, the US has been remarkably unbothered. It has declined to cancel the November visit of Mr. Bill Clinton. It has only spoken of mandatory sanctions rather

isolation, howsoever temporary that might be. This must, however, be done without compromising India's security concerns or the necessity to possess the weapons and delivery systems that are needed to counter threats to the nation's independence and integrity. If there is no India worth the name, what good will a buoyant economy do? Interestingly, those very countries, which are in the forefront of the attack of India have duplicitously overlooked the flagrant violation of international treaties by the big powers. And it hardly bears reiteration that a power is deemed big only if it possesses a nuclear weapon. The US, in particular, is guilty of double standards in its approach to sub-continental security issues. Not only has it failed to prevent covert Pakistani acquisition of nuclear and missile technology, but has even done away with the Pressler Amendment which acted as a brake on Islamabad's militarist designs.

Now that India has no pretence to being a non-nuclear weapons state, it is essential that its military technology is made failsafe. Wednesday's blasts confirms that a resolute Government will not budge from this goal. Only a few years ago, France similarly conduc.ed a series of tests saying they were needed to perfect the application of its nuclear weapons technology. These tests were a prelude to its becoming a signatory to the CTBT. Mr. Vajpayee has suggested that India, too, will explore the possibility of accepting some CTBT constraints. The world would be unfair to disbelieve us. And as far as domestic opinion is concerned, the Government hardly needs fresh reassurance. The fact that every Indian walks a little taller this week compared to the last, is sufficient testimony to the Government's wisdom in reasserting national pride via Pokhran.

(The Pioneer, May 14, 1998)

In for a Penny

Good show on test, now the test of diplomacy

The two further nuclear tests at Pokhran on Wednesday give a nuclear enough indication that the government's mind is working in the right direction. The signal is heartening and the tests are to be welcomed. It seems almost certain that the government wants to go ahead and sign the Comprehensive Test Ban Treaty—when it is good and ready. That is, after completing round tests required even greater spunk than the first and a determination to put India's interests first. The international reaction after the first round was hardly unexpected but even so a government could have been forgiven for losing its nerve. That it has not done so is commendable. The euphoric public reception to the first round, though not for the most sober of reasons, has surely helped this resolve along.

The fact of matter is that having taken the plunge on May 11, it would have been foolish for India to buckle to international outrage and desist from further testing if the experts felt that it was still required. It would have been tantamount to having the worst of both worlds on the nuclear issue: paying the full price for testing in the teeth of world opposition and still failing to go the whole hog to guarantee its security. This sort of dithering and muddle is exactly what has characterised Indian nuclear policy in the past India has paid the price of being a known nuclear have, of refusing to sign various nuclear disarmament agreements,

the self-anointed morality brigade missed not one opportunity to resort to nuclear blackmail Countries which conveniently turned a blind eye to nuclear proliferation in India's immediate neighborhood eagerly imposed trade sanctions and technology control regimes on us, choking off avenues of progress But Indian scientists are made of sterner stuff They knew they had to achieve a miracle. All they had were leaders like Dr. APJ Abdul Kalam and Dr. R. Chidamabaram, and an expectant nation. Their back to the wall, they improvised technologies which were denied to them, thereby forcing them periodically to reinvent the wheel Reverse engineering became an effective tool in their hands High tensile metals and materials were developed through painstaking research under adverse circumstances. They faced illogical deadlines and unmanageable restrictions, and yet they proved that human mind could find a way out of even seemingly impossible situations. Indigenous satellite launch vehicles became a reality Missiles began taking shape. After years of secluded existence, scientists gradually emerged into a sunshine of success But they were content to live under adverse restrictions and yet they proved that human mind could find a way out of even seemingly impossible situations. Indigenous satellites were fabricated and successfully launched into orbit. Satellite launch vehicles became a reality Missiles began taking shape. After years of secluded existence, scientists gradually emerged into sunshine of success. But they were content to live under the shadow, behind the doors of laboratories where they found a comforting companionship in complicated microtests and computer simulations.

It is time for them to step out and accept a grateful nation's thanks giving. The Government, on its part, should not merely be content with applauding or conferring awards on them but should raise their moral and spirit by allocating more funds for research and development. As Dr. Kalam once said: "A nation is made great by its people."

(The Pioneer, May 13, 1998)

Test of Aplomb

Not even the most ardent admirers of Monday's triple bomb package could have exerted two more in the follow through. After a succession of governments that leaked like extraporous sieves, Mr. Atal Bihari Vajpayee's administration appears to have accomplished the impossible in keeping both tests a closely guarded secret.. That the multi-million dollar US spy in sky too failed to detect preparations, is an added source of comfort. Significantly, it has also now been revealed that in his letter to President Clinton, the Prime Minister has categorically referred to a "series of tests" India proposed to conduct. This letter was sent to the US President on May 11, in the aftermath of the first set of explosions. Clearly, therefore, the Government was, all along planning several such tests which, Mr. Vajpayee assured Mr. Clinton, would be "limited in number and pose no danger to any country which has no inimical intentions towards India:.

Nevertheless, the international outcry against Monday's explosion is now certain to gather added momentum. The adverse economic consequence of abandoning the hypocritical stature of a quasi-nuclear state will also be felt in concrete terms. Already, President Clinton has announced the imposition of sanctions and Japan, India's biggest donor, has scrapped all aid. Despite the popular upsurge in favour of the tests, the markets cannot be expected to react jubilantly to widespread sanctions. The Government would, therefore, need to weigh the economic fallout of India's

follow. For that reason, the US move needs to be condemned in the strongest possible terms.

Of course, now that the US has imposed sanctions, questions are bound to be asked about the economic costs of the BJP-led government's decision to go nuclear even though the stock markets have responded with pessimism, the direct impact of the measures announced by Mr. Clinton are unlikely to prove too onerous Official US aid to India— currently about 100 million per annum— will be cut off as also US commercial bank loans. The German government has called off aid talks and Japan has cancelled some 30 million worth of aid. Apart from the fact that it is time India Weaned itself off such handouts, the amounts involved are hardly going to cause sleeplessness in New Delhi. Future loans from the World Bank and the IMF might be in jeopardy but even here, India can do little if these institutions not known for respecting the sovereignty of countries to begin with— let the US veto what might otherwise be sound economic packages. The only potential source of worry is the snowballing effect US sanctions could have on the mood of overseas investors. However, the quantum and pace of foreign direct investment will prove more responsive to New Delhi's economic policies at the ground level than to any other factor. Thus, paradoxically, after taking a defiant stand on the nuclear front, the BJP-led government might find itself under pressure to temper its defence on the economic one and adopt a more welcoming stance towards foreign capital than it has done so far. If that happens, the fallout from Pokhran 1998 would have effectively smothered "swadeshi".

(The Times of India, May 14, 1998)

Salaam, Scientists!

Let not the glory of the successful nuclear tests be cornered by politicians alone. The honor belongs to the countless scientists and visionaries like Homi Bhabha and Dr. APJ Abdul Kalam. It is a testimony to that breed of professionals whose commitment and dedication should be written in letters of gold in history books. These unknown warriors of science and technology came to the rescue of a nation which found itself marooned in despair. They brought hope when the chips were down. They restored self-respect and pride when people were wrapped in a pall of gloom over depressing political instability and economic recession. Kudos to them. Kudos to their ceaseless spirit of ingenuity and marvellous perseverance in overcoming not only the interia of successive government they have had to work under. But also the pathetic working conditions in which they function. They have demonstrated those issues like meagre salary and career stagnation is minor irritants when the cause is so noble as the pride of nation.

Pokhran 1974 to Pokhran 1998 is an exemplary saga of dedication and courage. It was the collective effort of a Vikram Saarabhai, a Dr. Homi Bhabha and a Dr. Raja Ramanna to forge a clear vision of India's nuclear capability which culminated in the dramatic explosion on May 18, 1974. It showed the world a glimpse of what the country could do when faced with a challenge. It was a great challenge then. It has been a greater challenge thereafter. The first Pokhran blast triggered an international uproar and

follow For that reason, the US move needs to be condemned in the strongest possible terms.

Of course, now that the US has imposed sanctions, questions are bound to be asked about the economic costs of the BJP-led government's decision to go nuclear even though the stock markets have responded with pessimism, the direct impact of the measures announced by Mr. Clinton are unlikely to prove too onerous Official US aid to India— currently about 100 million per annum— will be cut off as also US commercial bank loans. The German government has called off aid talks and Japan has cancelled some 30 million worth of aid Apart from the fact that it is time India Weaned itself off such handouts, the amounts involved are hardly going to cause sleeplessness in New Delhi. Future loans from the World Bank and the IMF might be in jeopardy but even here, India can do little if these institutions not known for respecting the sovereignty of countries to begin with— let the US veto what might otherwise be sound economic packages. The only potential source of worry is the snowballing effect US sanctions could have on the mood of overseas investors. However, the quantum and pace of foreign direct investment will prove more responsive to New Delhi's economic policies at the ground level than to any other factor. Thus, paradoxically, after taking a defiant stand on the nuclear front, the BJP-led government might find itself under pressure to temper its defence on the economic one and adopt a more welcoming stance towards foreign capital than it has done so far. If that happens, the fallout from Pokhran 1998 would have effectively smothered "swadeshi".

(The Times of India, May 14, 1998)

Salaam, Scientists!

Let not the glory of the successful nuclear tests be cornered by politicians alone. The honor belongs to the countless scientists and visionaries like Homi Bhabha and Dr. APJ Abdul Kalam. It is a testimony to that breed of professionals whose commitment and dedication should be written in letters of gold in history books. These unknown warriors of science and technology came to the rescue of a nation which found itself marooned in despair. They brought hope when the chips were down. They restored self-respect and pride when people were wrapped in a pall of gloom over depressing political instability and economic recession. Kudos to them. Kudos to their ceaseless spirit of ingenuity and marvellous perseverance in overcoming not only the interia of successive government they have had to work under. But also the pathetic working conditions in which they function. They have demonstrated those issues like meagre salary and career stagnation is minor irritants when the cause is so noble as the pride of nation.

Pokhran 1974 to Pokhran 1998 is an exemplary saga of dedication and courage. It was the collective effort of a Vikram Saarabhai, a Dr. Homi Bhabha and a Dr. Raja Ramanna to forge a clear vision of India's nuclear capability which culminated in the dramatic explosion on May 18, 1974. It showed the world a glimpse of what the country could do when faced with a challenge. It was a great challenge then. It has been a greater challenge thereafter. The first Pokhran blast triggered an international uproar and

BJP was taking out an insurance policy in the event of its
having to face the electorate again any time soon. While the
technical ability to conduct the tests has existed for some
time, the Vajpayee administration can and will take credit
for the timing of Pokhran 1998. Now that the BJP has taken
the momentous decision to grasp the nuclear nettle, it must
turn to exploring the various ways in which the situation can
be turned to the national advantage. The response of the
West, as hypocritical as it is fanatical, has been to use the
threat of economic sanctions to bring about a reversal in
India's policy. Any imposition of sanctions, however, will
be self-defeating because India has crossed the nuclear
Rubicon and the clock cannot be turned back. At least not
until the other five declared nuclear weapons powers, as well
as Pakistan and Israel, sit together with India to devise a way
collectively of ridding humankind of this menace. The
sooner the West the US reaction to India's tests has been
along predictable lines, it is galling for India to be hectored
by countries like Japan and Australia, which helped to
legitimate the cult of nuclear weapons by extending the NPT
indefinitely and availing of the comfort provided by the
nuclear security blanket of the US. New Delhi has now said
it is willing to support certain parts of the CTBT so long as
there is "reciprocity". It must go further and work towards
the conclusion of a comprehensive were reached, the danger
of a damaging nuclear arms race could partially be averted
and there would be a palpable lessening of tensions in the
region

(The Times of India, May 13, 1998)

Test of Nerves

Given the hypocrisy which governs US policy on
nuclear matters, the imposition of limited sanctions against
India was only to be expected. President Bill Clinton, who
had already made up his mind well before India conducted
two additional tests in Pokhran on Wednesday, signed the
sanctions order a few hours before he was slated publicly to
with these explosions it has concluded its "planned series of
tests" and that it is now willing to adhere to certain part of
the CTBT. The world is bound to surmise that the choice of
words is not accidental and that further tests, which may be
part of other "planned series", have not been explicitly ruled
out. Wednesday's tests apparently involved devices the US
calls "mininukes" and "micronukes", and the data generated
will be used to conduct computer simulations and sub-
critical test aimed at further refining India's nuclear
capabilities. The 1994 law invoked by Mr. Clinton makes it
mandatory for the US to impose sanctions on "non-nuclear
states" which conduct nuclear test. Apart from being
oxymoronic— a state which conducts a nuclear test can
hardly be considered "non-nuclear"— the law is
discriminatory as it seeks to punish others for exercising a
right the US and the other four big powers have arrogated to
themselves. It is up to Indians alone to decide whether what
the government has done will help improve life for the
ordinary citizen or not. In the weeks and months to come,
this issue will and should be debated. But no country has the
right to dictate to another what policies it can and cannot

over the last eight gross figures and the apparent picture for granted. He must now drastically cut down on government spending, not through well-meaning statements but those which actually get down to be implemented. He should instruct his economic policy makers to devise a package attractive enough for foreign investors to continue to patronising India. It should also be clarified with all the tact possible that New Delhi is not impelled by either insecurity or belligerence, it is just seeking to fortify itself from the hydraheaded onslaughts to its sovereignty. Revanchism will make the latter proposition meaningless: it will only help those who would like India to be punished hard for its "temerity." The fact that the Rashtrya Swayamsewak Sangh's mouthpiece has already gone to town on the nuclear issue holds a warning for the future, because in their anxiety to further the cause of the BJP-led government, the often impressionable and easily inflammable cadres of the Sangh Parivar may go overb. ard. Coming back to Japan, Mr. Vajpayee could consider visiting Tokyo to allay the fears of his counterparts; this holds true for other sensitive world capitals too. If, for some reason, he cannot do that himself, he should choose the best among his "A" team to project Indian interests. Euphoria and self-congratulatory noises are no substitute for good, rational policies. As Jpnathan Schell wrote in his celebrated classic on the nuclear issue, there is one last chance for all those who exercise the option; it should never be wasted. In other words, the next few weeks will determine how adroitly the Vajpayee government negotiates a decidedly tricky terrain.

(The Asian Age, May 14, 1998)

The Day After

Once the haze of euphoria induced by India's recent nuclear tests lifts. One might begin to see the outlines of the BJP led government's dramatic decision as also it precise timing. After all, Monday's tests only brought into the open a recessed capability the world knew India already possessed. While scientists and strategists can quibble over whether or not the credibility of India's nuclear deterrent required testing, the fact is that no test of a nuclear device by any country has ever ended in failure. Thus, the Vajpayee government's decision could not have been dictated by military necessity alone. Nor could it have been compelled by the strategic desirability of India shedding its nuclear ambiguity, something these columns have argued in favour of in the past. The same end could presumably have been achieved by a mere statement to that effect. Clearly, by going for broke, the BJP wanted to make a political statement. And judging by the immense outpouring of nationalism the tests have evoked, the party can count on its popularity also mushrooming. A government that was till the previous day being criticized for having taken no major decision on the policy front other than to warn of a "tough" budget— and which was virtually under siege from within— has now earned for itself a definite measure of support and stability.

Since the order for Pokhran tests must have been issued soon after Mr. Atal Bihari Vajpayee won his vote of confidence on March 28, it is tempting to surmise that the

like Japan are likely to taken an even harder line than anything Washington might contemplate. while China is not going to forget that it was made the cat's paw for these nuclear tests. Australia and New Zealand, whose governments are obviously responding to domestic anti proliferation lobbies, have already given some indication of the problems ahead. Delhi's preferred answer to the emerging scenario is a France and China-style compromise: they conducted their last test just before signing the NPT. Delhi has already indicated that it is now ready to sign the NPT in the presence of President Bill Clinton, and there should consequently be no need for sanctions. It is possible that there is implicit American Approval for such an option? It is even possible nod? Certainly this seems to be the most logical solution to the conflict between fact and claims in South Asia. No one has seriously doubted that both India and Pakistan are defecto nuclear powers. The simplest answer would be for both to emerge Proliferation Treaty, but, if South Asia is likely, create the conditions for a new relationship between India and Pakistan. Once both nations are convinced that they cannot destroy the other without self-destruction may be they will see the sense of agreements on trade, travel and the shared joy of peace. It was MAD paradox, which brought peace to Europe in the second half of a century, which has witnessed two of history's most bloodthirsty world wars. The ultimate weapon ensured lasting peace between the West and the Soviet Union; without nuclear weapons the Cold War would have warmed up more than once. It will be impossible to prevent Pakistan from conducting its own nuclear test now; let both sides claim victory and sign the NPT. India's brilliant scientists have secured her defence; it is now up to statesmen to make war unnecessary or at least unprofitable. Washington will be tempted towards punishment in its initial reactions, if only to send a signal to other threshold states. But wisdom will lie in squeezing a solution out of what has happened. India is now ready to join the rest of the world on the nuclear issue The rest of the world should welcome India, not isolate it.

(The Asian Age, 13 May 1998)

Beyond the Euphoria

There is understandable anxiety in New Delhi about what Washington's concrete response will ultimately be to the nuclear tests conducted in the sands of Rajasthan; but it seems that a more immediate factor is being neglected, perhaps by default. Japan, not American, is India's largest trade partner; as its leadership has now made it clear, Japan had categorically counselled New Delhi about six weeks ago not to go ahead with the tests Now that India has gone the opposite, or so says the dominant political and strategic opinion fleetingly available from Tokyo, its government will take measures, which correspond with its outrage It is here that Indian diplomacy faced its severest test, because unless there is a concrete action plan to tackle the political and economic fallout of the tests, the country will be faced with a real crisis. After all, Japan is not the only one for Indian policy-makers to be worried about; the Asean block, which has traditionally been non-too-welcoming to Indian overtures, its likely to harden its stand even further In the context, the "We Shall Overcome" kind of line can only be good politics and consolidation strategy for a rickety government than anything more substantial. Although comparisons are certainly not entirely valid, when Indira Gandhi had her explosion in 1974, the country was passing through one of its worst years A poor agricultural year preceded and succeeded 1974, the Bangladeshi refugee problem was at its peak and so on Maybe, Mr Atal Behari Vajpayee, thanks to the spadework done by his predecessors

But in the 24 years that have gone by since then, India has changed and become more nuclear wary. So has the world. The world is giving up nuclear weapons. India may not be happy with the pace of disarmament, the discriminatory nature of the NPT the CTBT, the NSG, the MTCR etc. But that does not alter the fact that world public opinion is overwhelmingly against nuclear weapons. By ignoring this reality, the BJP-led government may have merely succeeded in inviting trouble for India in international fora.

For example, one immediate and automatic consequence of this action will be the coming into force of sanctions that the US, acting under its law, will now be obliged to impose on India. These may not prove very costly in the very near term. But only the hopelessly native will believe that they will not have an impact on world opinion and that India may be isolated in a number of important ways. Henceforth India could end up being treated as a rather irresponsible and untrustworthy country. The many justifications and reassurances that will come forth in a torrent form the government and its nuclear apologists, not to mention political parties and industry will not count for much. For the mind-numbing fact will remain: India has triggered off a nuclear race on the sub-continent. The plea that China is the real enemy and that India has a right to go nuclear in the face of a threat from China may not cut any ice. India, therefore, should now initiate a well-planned control exercise.

(Business Standard, New Delhi, May 12, 1998)

Welcome India, do not isolate it

The government of Mr. Atal Behari Vajpayee has already won well-deserved national applause for its categorical message to the world that India will always be master to its own fate, and that Indian will not allow its security need to become victim of either the preaching or promises of any power, super, middling or minor. Uniquely India has problems with all three categories a minor power to the west is belligerent by compulsion; a middle-level nuclear to our Northeast has territorial disputes with us, and of course the only superpower in the world would like Delhi to sign away our rights to a nuclear defence capability. These concerns have burdened every government in this decade, one led by the Congress, a second by the United Front and the third by the BJP. In other words virtually every political party in the country has been in power at some time or the other in the Nineties; and there has never been any conflict within the country over our attitude to security. It is this unanimity which is the true strength of Indian defence and foreign policy. The cross party support that the Vajpayee government has received on the three nuclear tests (including one, which theoretically gives us hydrogen bomb capability) is evidence that the consensus holds. There will be more applause for Mr. Vajpayee if we learn over the next few months that he has walked into this decision with his eyes open. The Nuclear Proliferation Treaty and its chief mentor, the United States, are very specific about those who transgress the new boundaries laid down across the world. There are serious consequences on the horizon; economic sanctions by the United States become in fact mandatory according to US law. Countries

trade and monetary sanctions against India for the latest tests. The international community would be making a mistake if it goes ahead with such action in the name of nuclear non-proliferation. All sections in India, including trade and industry, are ready to face the challenge unflinchingly. As International Atomic Energy Agency has pointed out, India is entitled to carry out the tests as they do not break any treaty commitments.

Our policy planners, of course, are aware that the inclusion of nuclear weapons in the armoury would have its defence and foreign policy implications. India's policy of peace and friendship with the neighbours and other nations remains unchanged. In fact, the test would serve this policy better creating a new sense of respect for India's principled position on international issues rather than a feeling that such a policy emanates from a sense of helplessness and weakness. India's commitment to nuclear non-proliferations in a non-disarmament plan proposed by the late Prime Minister Rajiv Gandhi, at the special session of the United Nations General- Assembly in June 1988 retains its relevance. The international disarmament moves have suffered from flaws in the past because of their obsession with retention of a monopoly. That monopoly has been broken to some extent. This could induce new helpful perspectives in the discussions on disarmament.

(National Herald, 13 May 1998)

Nuclear Shadow

The decision of the (shaky) coalition led by the BJP to set off, not one but three, underground nuclear explosions in spite of the clear and unambiguous signal it seeks to send out that the time has come to take India seriously, could turn out to be a rather ill-considered once. India cannot plead, as it did from 1974 onward, that these were "peace full" explosions Their triple nature suggests that they are intended for weaponising for different type of deployment, most likely on the Prithvi and on aircraft. Eventually, should the Agni be productionised — and if China is threat number one it will have to be— it too will acquire a nuclear warhead.

What makes this action especially worrisome is the fact that the government, in its National Agenda, had merely said that it would exercise the nuclear option if necessary. (The BJP, however, in its manifesto, had warned that it would do so, though not when). The people of India, who now face the prospect of having to live in the shadow of an enhanced nuclear threat from Pakistan, have a right to know why the tests suddenly became necessary They must be told what has changed in India's security environment. The answer may not be very reassuring, even though there is a view within the scientific and defence establishment that the threat from China can no longer be ignored and that India can't become a hostage to a likely Pakistani response Indeed, some cynics may well entertain the notion that the BJP has done this solely with domestic politics in mind. After all, Indira Gandhi had done the same thing in 1974

signatory has chosen to treat the CTBT as a negotiable document. They have unambiguously declared a moratorium on all tests. India should follow the example set by China and France and sign unconditionally. The test explosions have given it a database that should preclude the need for further testing, except in computer simulations. India is no longer a nuclear have-not, so the argument that it was being discriminated against by the established nuclear powers is no longer relevant. There is, of course, the possibility that Pakistan will engage in retaliatory test before it, too, signs the CTBT. Alternatively, it might neither test nor sign. Either way, it is time that Indian nuclear policy ceased to be conditioned almost exclusively by a bipolar Indo-Pak perspective. With the tests, India has graduated to a larger sphere of debate. It stands on the nucle ir issue should develop to a corresponding scale, beyond regional obsessions.

The government's thinking on the CTBT must also take into account the possibility of sanctions. True, India will not succumb to trade and investment curbs to the extent that Iraq did Essential commodities and drugs will never be in short supply here, for instance. But the Government should refrain from treating sanctions as an issue concerning national ego, as adversity, which will somehow purify the collective spirit. Sanctions may not cripple India but they will certainly hurt, given the indifferent state of the economy. With the blasts, India has made its point. Now, it should sign the CTBT unconditionally, avoid sanctions and regain the moral high ground, which it may soon be in danger of losing.

(The Indian Express, May 13, 1998)

Dictated by Compulsions of National Security

The spectacular manner in which India has exercised the option to go nuclear, by conduction three tests including one to prove capability to produce a hydrogen bomb, is a matter of national pride. It has demonstrated that unflagging national commitment to security and disapproved sceptics about the competence of Indian science and technology to achieve the goal of self-reliance in key fields like defence. The world is surprised by the development mainly because it was taken for granted that India would continue to be oblivious of the uncertain security environment and adopt a soft stance even on matters that impinge on national sovereignty and integrity. There is a national consensus on these matters, transcending political differences India has throughout kept its nuclear option open, making a realistic assessment of the global and regional situation.

When the Prime Minister, Mr. Atal Behari Vajpayee, announced the successful conduct of the three tests at a hurriedly convened press conference on Monday, the atmosphere turned as electrify as on the occasion of the first demonstration of India's nuclear capability in the same Pokhran site 24 year ago. The then Prime Minister, Mrs. Indira Gandhi, was not apologetic about it as she brushed aside the arm-twisting tactics of the Western nations who have always been against the expansion of the nuclear club. Already, there are indications of a possible American-led-

situation. It is possible that the retaliatory measures against India will not be all that harsh, the Government has to be ready with all options to ensure that the economy remains well under control so that any sudden external shock does not lead to a run on the rupee.

It has to be remembered that only three weeks before the presentation of the budget, the Government is facing the hard reality of a shortage of funds to give the necessary boost to the economy. With the distinct possibility of a substantial increase in the defence outlay, sufficient funds may not be available for increasing the public investment outlay, especially for the infrastructural sector. The Government has its limitations in mobilizing resources from the normal channels and the BJP leadership may not find it politically prudent to present a budget that will impose additional burdens on the common people. The situation calls for innovative measures for the larger mobilisation of funds. In this context, the BJP with its clout among the non-resident Indians and the domestic industry might initiate a move to repatriate a substantial portion of the unaccounted money lying abroad through a scheme for investment in major sectors including housing. If the nuclear tests do impede the flow of foreign direct investment, it can be more than compensated by the acquisition of such Indian funds from abroad.

(The Hindustan Times, May 13, 1998)

Seize the day

Now that the self-congratulatory euphoria occasioned by the nuclear tests has begun to fade, the government must immediately get down to the job of dealing with the fallout. While it has the attention of the world, it must forcefully put across its point of view on non-proliferation. The arms control debate has always been of a moral rather than legalistic nature. Until a couple of days ago, India consistently held the high moral ground in spite of its refusal to sign the Comprehensive Test Ban Treaty (CTBT). Though its unwillingness to dutifully sign on the dotted line irked the nuclear powers who proposed the treaty, they had to concede that India had a principled stand. After the nuclear tests, however, the situation is going to change, and swiftly. It would be a natural reflex for the western powers, who have so far had to deal only with simplistic situations of the despot pitted against democracy, to brand India a rogue state.

However, the tests have also raised India to the level where it can look upon these nations as its peers, and to see that its point of view gets a decent hearing. Now, at this turning point, the government must act with dispatch to capitalise on the event, or lose the initiative forever. It can look back on two precedents— China and France ran nuclear test just before they signed the CTBT. But the first step taken by the government a short while after the explosions is of uncertain to merit. It announced that it would be willing to subscribe to certain elements of the treaty. So far, no

Now that the BJP has chosen to exercise the option, India will have to adjust to a situation with which it is not fully acquainted. The reason why the BJP decided to "go public", as it were, about India's capability, even though it may not have been a secret to those who mattered, is not clear. But it is probably not unrelated to the party's declining virtually from the day it assumed power. The endless squabbling among the BJP's partners and the impression that was gaining ground about the helplessness of the party's leaders, including Mr. Vajpayee, to maintain discipline and devote themselves to the task of governance, must have persuaded it to take a dramatic step which would divert attention from its problems. It may have also been meant as a reassuring sign to the BJP's hard-core supporters who have undoubtedly been dismayed by the decision to put some of the vital points in the party's agenda in cold storage. It has also to be acknowledge that India's nuclearisation has been advocated by the party for many years, going back to its Jan Sangh days. From this aspect the move is not all that surprising. However, the question will remain whether all the implications of the fateful step, especially those on the economic front, had been adequately considered by the ruling alliance prior to the event.

It is hoped that the Vajpayee Government had devoted some time to strategic planning to cope with the economic fallout of the blast. In a way, the mood of self-assurance in their wake can be fruitfully utilised to prepare the country for an austerity package and a period of self-reliance economic field in the event of US and its allies imposing any sanctions. As of now, the stoppage of bilateral aid by the US does not mean much, but a more worrisome aspect is the possibility of trade sanctions by the US and the European Union in the form of a ban on technology transfers to India and the imposition of additional import duty on Indian exports by withdrawing the benefits of the generalised scheme of preference (GSP) to make our goods uncompetative. At a time when Indian exports are not faring well, any additional jolt of this nature will have highly unfavourable consequences for the balance of payments

The day after

The expressions of support from political parties and business houses in India for the nuclear test conducted at Pokhran underline the kind of unanimity cutting across partisan concerns which have always marked events of this nature. Where defence and foreign affairs are concerned, there has rarely been any major difference between the various parties. It was in keeping with this spirit that Prime Minister Atal Behari Vajpayee informed the Leader of the Opposition in the Lok Sabha Mr. Sharad Pawar, about the blasts. The Congress, on its part, has seen the tests virtually as continuations of the 1974 implosion, emphasising "Our scientific progress." It is now evident that in the years after 1974, the Indian scientists had kept abreast of technological development in the nuclear field and had never slackened their efforts in any way. From this standpoint, India was just a screwdriver's turn away from making the bomb. Nor is this precaution surprising because the US-Pakistan collusion during the Cold War and the Sino Pakistani collaboration in missile and nuclear technology in recent years, in addition to Islamabad's subversive activities in India, have intensified India's sense of vulnerability. While keeping its nuclear option open, however, India had chosen not to declare its prowess presumably because it did not want to invite sanctions. Although the US and its western allies must have been fully aware of India's nuclear capacity, they could not take any punitive steps in the absence of the formal declaration by India of its nuclear status.

India's Compulsion

Even as envoys are withdrawn and sanctions are threatened by the Western world in a simulated display of anger and disenchantment over India's decision to conduct nuclear tests, the US and its allies would do well to ponder over the compulsions which made India take the decisive step. One of these is the virtually unstinted help which Pakistan had received, mainly from the US and also to a large extent from China, in pursuing an uninhibited policy of belligerence towards India. The American interest in bolstering Pakistan lay in using it as a client state to serve Washington's purpose during the Cold War. But even afterwards, the American use for Pakistan did not end, for if it was no needed for helping the Afghan "freedom fighters" against the Soviets, it could be used to extend US influence into Central Asia. Pakistan, of course, allowed itself to be treated not as a friend but in any manner which the master deemed necessary because American indulgence placed it in the unique position of being able to acquire conventional arms from the US and help in nuclear technology from China while Washington looked the other way. It goes without saying that the central point of both the American and Chinese attitude was to build up Pakistan as a counter to India whose democracy was an embarrassment to Beijing and whose independent spirit was an irritation to Washington from the non-aligned days.

India's need to acquire a nuclear capability has to be understood in the context of the threat it has been facing for

many years— an overt one from India, and a covert one from China which has been consistent in its help for Pakistan. Because of this looming danger, India did decided to take to the nuclear path in 1974, but its decision to cloak the matter in ambiguity, presumably to escape sanctions, seems to have conveyed a message of weakness. However, the secretiveness did not prevent the US from demanding the capping, rolling back and elimination of whatever nuclear prowess India had acquired. Not only that, after securing for themselves the seemingly God-given right to maintain their own nuclear arsenals for all times to come under a revised NPT, the Big Five led by US demanded that India sign on dotted line for the CTBT. So, while nearly half a century of the US-China-Pakistan collaboration would continue, India's hands were to be tied behind its back. It was evidently a situation which this country could not accept while Pakistan continued to indulge in terrorism and the border problem with China remained unresolved.

(The Hindustan Times, May 14, 1998)

New Clear Strategy

There's an unanswerable argument for Pokhran-II: having tested these nuclear devices, India joins the disarmament negotiations as an acknowledged have and not, as was the case, a has been. In that sense the three devices that shook the earth near Rajasthan village put an end to the tedious hypocrisy that has accompanied India's nuclear rhetoric. The triple blasts clearly. indicate potential weaponisation No more insufferable bureaucratese on nuclear explosions for peace. Rather, it is easy to figure out how India will deploy its nuclear arsenal if it ever does — on board aircraft, on the Prithvi and given that China is recognised as the threat number one, The Agni when it rolls off production lines. Such clarity is welcome in the country where governments have traditionally made a mess of national security and strategic questions by falling between the two stools of "peacenikism" and powerplay that comes naturally to large nation-states. So, following France and China before they signed the CTBT, and having shown the world we have it, India should be able to persuade others that we are ready to oblige.

The tricky question is whether the world will listen. Initial reactions have been predictably unfavourable. Significant is the relatively muted reaction from America. Washington has jumped on India in 1995 when its eyes and ears detected nuclear test preparations. The then Prime Minister Narasimha Rao had roughly the same strategy of negotiating from strength. Rao's government exchanged unpleased words with Bill Clinton's administration but didn't go ahead. If Prime Minister Vajpayee has, it is unlikely that he expected to fool America's extensive monitoring system. What satellites picked out in 1995 could

not probably have been hidden from them in 1998. That raises the extremely interesting question whether America in fact knew of the tests and decided not to try and prompt them, because, no confirmation of this will ever be forthcoming from either government. But there's circumstantial evidence to mount the hypothesis that America may, however grudgingly, have accepted India's thesis on parity in nuclear status before parring down nuclear capability.

If that is the case, the feared sanctions may not bite too much. In any case, all sanctions put together have fewer negative consequences than popularly imagined. For example, an American vote against India's loan applications in the World Bank, IMF and ADB— cited as the costliest economic fall out— will not necessarily stop the money at the gates. America does not have a veto in these institutions. And it needs to be remembered that action by America in 1974 did not stop India from availing of multilateral loans. Furthermore, with economic troubles in East and Southeast Asia, America has strong reasons for not putting a spanner anywhere near the troubled works.

Such, guarded optimism however doesn't apply to the domestic front. No caveats, cautions or clarifications are needed to say that these explosions have blown away, for some time, the troubles in New Delhi. The Prime Minister suddenly looks strong, and not just nice but hapless. Even his political advisor's grandstanding seems forgivable. The BJP doesn't look lost. The Opposition, with the exception of the Left which is unlikely to political allies can now carp about demands only at the risk of appearing silly. The low yield device isn't going to blow away Jayalalitha's high nuisance factor. But perceptions are important in politics. So is time. To the extent the BJP has improved one, and bought the other, Pokhran' 98 is perfect politics.

A footnote is appropriate. We need no longer worry about drinking water in villages, compulsory education, a bearable health service, housing, or infrastructure. We have the bomb!

(The Statesman, May 13, 1998)

Big Bang Theories

Following the immediate blush of national pride and a little awe at New Delhi's pluck, some hard policy questions need to be asked about the government's intentions in having three nuclear tests in Rajasthan. It is not enough to say this demonstrates India's technological power Underground nuclear testing is something India has long been accepted to have had the know-how for. Even the addition of a hydrogen bomb is something that would have impressed more 30 years ago rather than today. The countries capable of building atom bombs run into the dozens and include at least one subsaharan African country. It is also not enough to say this will enhance India's security. The original 1974 Pokhran nuclear explosion made India a nuclear weapons power in all but name. It is noteworthy that neither Pakistan nor any other country ever directly confronted India on the battlefield after-wards. The point of unclear deterrence is not that the weapon is ever used, but rather that it prevents the circumstances in which it would be used. The 1974 explosion roughly succeeded in this goal. What the Bharatiaya Janta Party government has to show is that its decision to test the bombs was part of a larger strategy.

If the government's thinking was purely regional, in other words the tests were solely muscle flexing, the detonations are difficult to defend. It is now all but inevitable Pakistan will test nuclear bomb. The domestic pressure on Islamabad will be impossible to resist. Unfortunately, such a test would automatically negate any military superiority India could have gained from yesterday's tests After 1974 India was in position of nuclear superiority vis a vis Pakistan. Islamabad could bluster and threaten, but it had only a weapon of words. If Islamabad now tests, India will lose this advantage. The tests are even more meaningless when it comes to China. China has had an overwhelming weapons superiority, over India for decades. If the country seeks even nuclear parity with China, a country three times wealthier than India, it will succeed only in bankrupting itself The result could be "Burking Faso with nuclear weapon — Mr. Mikhail Gorbachev's description of a crumbling Soviet Union.

What is hoped is that the BJP has imbedded the tests in well thought out political strategy. The real threat lies in economic sanctions from the United States. These could be devastating, particularly congressional laws that could require the US to block funds from the International Monetary Fund and the World Bank. The tests could wreck India's credit rating, scare away investors and leave the economy reeling. Strongly anti-nuclear countries like Japan would probably follow suit. It has long been believed the nuclear test preparations that led to an angry exchange with the US in 1995 were part of ploy by Mr. P.V. Narasimha Rao to get India into the global nuclear proliferation has the same goal in mind, the tests could go down as an act of astute realpolitik. In which case come hard negotiating with the US should follow. It may be remembered that testing and then signing was exactly what China and France did in the runup to the comprehensive test ban treaty. However, if the BJP has tested in a political vacuum then it has only shown its lack of coherence in domestic policy extends also to the international sphere.

(The Telegraph, May 12, 1998)

which has no connection with partisan politics.

Before this country is subjected to any moral lectures by self-appointed guardians of world peace, it has to be remembered that even the five nuclear powers have not only shown no inclination to follow the path of disarmament, but have actually legitimised their awesome arsenals through the latest treaties. As such, they do not really have any right to preach to others to refrain from possessing weapon of which they have enormous stockpiles. However, it is more than that likely that India's compulsions in confirming its nuclear prowess will be appreciated even those who may feel the need to launch formal protests. In any event, the policy of ambiguity may not have been all that ambiguous after all, for the test could not have been conducted unless India had kept its nuclear powder dry all these years. To that extent, India was undoubtedly a nuclear power virtually since 1974 and this was the reason why there was so much emphasis by the US at one time on capping, rolling back and eliminating India's capability that did not do so and kept its options open is now clear.

Having taken the fateful step, India will have to reiterate that its objective remains purely defensive. It has no hostile India to offer a "no first use" pledge, especially to Pakistan which may now feel the need to emerge from the closet after years if obfuscation about its nuclear status. It would be extremely unfortunate if, in its obsessive desire to maintain parity with India, Pakistan initiated some kind of an arms race in South Asia, for the effect of any such move can only impose a heavy and perhaps unbearable burden on its less than robust economy. As the long superpower confrontation during the Cold War showed, the bomb is not a weapon of war because no one in his right senses can use it, for it will annihilate both the invader and the invaded. Its purpose is deterrence, simply because of horrendous implications. Though a symbol of power, its possession is something of an unavoidable evil. In the ultimate analysis, mankind should strive for its elimination. But it has to be a united effort by all countries— including the Big Five.

(Daily Hindustan Times, May 12, 1998)

A Moment of Pride

Twenty-four years after India took the first step on the road to nuclear power and then inexplicably retreated into the policy of ambiguity, the decision to conduct a fresh series of tests on Monday denoted a bold and even audacious move, made all the more startling by its suddenness. The "Smiling Buddha" of 1974 has now blossomed into a new assertion of the country's right to arm itself in a manner which it believes is best suited to its security interests. It goes without saying that for all the appeals of the existing nuclear "doomsday" weapons, India could not have ignored the fact that it happens to be part of a hostile environment where being pacifism is not only unfeasible but may even send the wrong message of weakness to countries which have not shown any sign of wanting to love in friendship.

In taking the decision to conduct the tests, therefore, the government and its defence experts must have taken into account the fact that India lives in a highly imperfect world— with an avowed nuclear power on one side with which we have already fought a war, and a clandestine nuclear power on the other, which has fought three wars with India and is currently engaged in a proxy war in Kashmir and subversive activities elsewhere. Given these highly disturbing factors, India could have hardly been expected to sit idle and hope that better sense will prevail among those of its neighbours who have been openly collaborating in matters of missile and other forms of lethal technology, whose sole purpose could only have been to intimidate India. At a time of national pride, however, no attempts should be made to drive political mileage from the events, although there might be an unfortunate tendency to do so. The tests should be seen in the overall national security perspective

A Moment of Pride

India and the world, we know, will react in diverse ways to the underground nuclear tests at Pokhran— reactions ranging from exhilaration and joy to shock and dismay to anger and rage. "We have no immediate comment," was the tart and noncommittal response of a White House spokesman, and one could bet it was said in a sardonic tone. They would find the bangs hard to lump, and the hatchets would soon be put to a make Indian behave or face the music. So would the other nuclear haves of the West who go on stockpiling nukes but start vibrating with rage the moment a have-not shows any sign of nuclear capability. What is sauce for the goose is not sauce for the gander. They were frightened it was coming, the moment Atal Behari Vajpayee came to power. What a pother the Western media made of the possibility that India might go for a bomb. The Economist of London went to town pontificating on how India would suffer if it decided to go nuclear. Does India think, it asked superciliously, that it would walk with pride if it went nuclear? Not so, was the judgement from the high and mighty pundits of the British press: India would have far more to lose than to gain from it.

May be. In terms of pounds and dollars. But in real terms, if there is anything Indian has really to lose it is its timidity and shame. If it means our begging bowls would go empty, so be it. That would be the day! So long have we been bullied and blackmailed and bulldozed that we have totally lost our self-esteem and pride. The fall-out is not hard to see. The tongue-lashing will start all over again. There would be the threats of economic sanctions and renewed talk of rearming our enemies. Anything and everything to cow us down. The Big Brothers would be up in arms, and to joint their chorus of disapproval they would have a big line-up of fatted Indian economists and technocrats and World Bank - returned bureaucrats parroting if the West turned its back on us. And the end result? They would all pipe down, for what they want above all is the Indian market, their profits.

Vajpayee has done well to congratulate the men behind the Pokhran tests, but he himself needs to be congratulated. He has lifted India from the ignominy of being perpetual nincompoops. Even at the cost of sounding a bit jingoistic, it must be said that if India had to get anywhere, the first requisite is to regain its self-respect and pride. India's commitment to peace has been firm and steadfast but let it not be misunderstood for cowardice and pusillanimity. For far too long have the leaders of this nations been gutless and weak-kneed, with the result that India has lost all respect in the community of nations. In a world that honours only power and might it is pointless to be meek and humble. Even if there is nothing much to crow about the Pokhran tests it sends the much-awaited message to the world. India has cross the Rubicon. Let's rejoice.

(Daily The Free Press Journal Bombay: 12.5.1998)

Road to Resurgence

By Shekhar Gupta

The triple test at Pokhran ends three decades of nuclear debate, self-denial and fence sitting. Several times in recent years Indian leadership— irrespective of party affiliations in an era of shifting coalitions— came close to taking the plunge. It is just as well now that this momentous step has been taken by leaders who have always believed in unabashed and unambiguous nuclearisation. More reassuring, even for those who have been arguing for restraint and ambiguity, is the act that these leaders also enjoy an impeccable reputation in terms of personal integrity and national commitment. It is, therefore, reasonable to presume that they have chosen to make so bold a departure from the past after a great deal of deliberation as to what is best several years now. The only thing that lacked was the trigger device of Political will and the kind of supreme conviction that enables leaders to move away from the familiar, well-trodden path and thereby find themselves a place in history.

It was for two reasons that Mrs. Indira Gandhi failed to get the particular political megatonnage from her 1974 test. One was her declining credibility during those chaotic months and the second was her inability to go the full distance. Several PhDs have already been written by Western and Indian nuclear scholars on the exact meaning and implication of the term "Peaceful Nuclear Explosion" (PNE) but the world, by and large, saw this as an expression

of weakness— and hypocrisy. No one bought the outrageous argument that the explosion was "peaceful" and India also failed to derive any of the benefits that would have naturally accrued to a nuclear weapons state in the pre-NPT and CTBT world. This, now, is the major challenge for the Vajpayee government and as the first official statements indicate, India is prepared with a diplomatic wet blanket to contain the fallout by offering to be a willing and active player in the international nuclear arms control regime. The difference now is that India seeks to play that game as a nuclear weapons power. This is the end of ambiguity—and hypocrisy.

This is a time for popular euphoria and celebration. And celebrate we must as this success demonstrates to the world a remarkable scientific capability built during a quarter century of international technology transfer restrictions. It is also a cause for reassurance that even in these cynical times when we tend to believe so easily that any fellow Indian's loyalties are purchasable for a few dollars, a scholarship or a green card the establishment has managed to keep such a major move a secret despite the snooping that extend from the Capital's garrulous cocktail circuit to outer space. But this is also a time for reflecting on where we go from here. The tests, though a great moral-booster for the nation whose spirits have only gone downhill, dipping with every little calamity or embarrassment since Operation Bluestar in 1984, have also come at a time when the currency that denotes a nation's strength has undergone fundamental change. In the Seventies it was the nuclear megatonnage at your command that mattered. Today, it is per capital income, foreign exchange reserves and quality of life that matter. Pokhran – II is like a jump-start to India's dormant, frozen spirit. But it won't, by itself, be a short cut to the place India wishes, and deserves to have on international stage. It is now up to Vajpayee and Advani to moderate this euphoria, contain the diplomatic fallout and exploit the advantage they have given themselves, and India by creating this new mood of resurgence.

(Indian Express, May 12, 1998)

out of self assertion. Over the years, we have insisted on nuclear disarmament as a part of universal and non-discriminatory general disarmament. The successive governments have been consistent in their attitude to nuclear non-proliferation. Today this country is in a position to say this at the UN "India would be prepared to consider accepting certain provisions of the 1996 Comprehensive Test Ban Treaty depending on a number of reciprocal activities." The qualifying condition has a manfuil tone and our sovereignty has been reiterated with pride tempered with humility in a moment of spectacular success.

There is near-uproar abroad. It was predictable. The American sanction threat, the British, Japanese Canadian and French anger and the noises made by Australia and New Zealand are being used by Beijing and Islamabad to cover up their regional sin. But once we have taken the plunge, we should be ready to honour our commitment to live in peace as a free nation, underterred by external threats. The questions to ask here are: Has the global community paid any attention to Pakistan's crash programme to develop nuclear-capable missiles with Chinese Assistance? What about the continuing proxy war against this country waged by Pakistan? And what about the huge super-power arseeals of mass destruction? The potential use of nuclear weapons has become the international currency of power. The disclosures from Iraq (an NPT signatory) expose the hollowness of the inspection system. The amount of nuclear arms the USA had taken to Kuwait and Iraq showed how credible its own commitment to the adjuration of these killer weapons is. Israel, South Africa, China and Pakistan all have made their nuclear capability known. There was more demeaning panic than legitimate anger in thinking quarters when the USA equated India and Pakistan in the nuclear share without taking note of the open book the former has kept before the world and the voluntary assurance it has given to the effect that it will not use a nuclear weapon in a conflict. Much is being made of the American "desire" to discipline Pakistan and restrain it from going to war with India. The involvement of that country in the troubled areas

of Jammu and Kashmir amounts to a proxy war or a long low-cost act of attrition. China has not been found amenable to the solution of the few but major geographical problems it has with India. In such a situation a Clinton or a Blair cannot fairly ask India to sign the NPT merely for the satisfaction of the ego of the self-appointed international policemen. If India has to sign the NPT, it should do so as a peaceful nuclear weapon state what it now truly is, after ensuring that Pakistan and China pledge themselves to non-interference in neighbours' affairs and to the settlement of disputes through bilateral talks. The NPT is more a question of discrimination than an answer to the nuclear proliferation problem. A country with wisdom and hard-earned expertise dedicated to peace cannot be hookwinked into treaties of coercion. It is important to negate the idea of sanctions against us through appropriate diplomacy. No sacrifice to achieve the deterrent goal of Pokhran II will be excessive. Let us revalidate our technical maturity and right to defend endangered freedom with all our might.

(The Tribune, 13 May 1998)

Glory through Po ver

India's nuclear explosions on Monday have taken place splendidly but rather later. Pokhran II has done us proud. It is time to say "Salam, Abdul Kalam" and to shed the nuclear fear caused in faint hearts by bullying US-Pakistani-Chinese nexus and to hold our heads high. Symbolically speaking, the Buddha has "smiled" thrice— though a fission device, a low yield device and a thermonuclear device. India has arrived at the threshold of superpower status. When the smile was seen first in 1974 at the same place, an overly guarded announcement verging on the concealment of an achievement emanated from the Cabinet of the day led by Indira Gandhi. Now Prime Minister Atal Behari Vajpayee had a brief announcement in Delhi: Today (May 11) at 3:45 p.m. India conducted three underground nuclear tests in the Pokhran range... The measured yield is in line with the expected values... These were contained explosions like the experiment conducted in May, 1974...." Our scientists and engineers deserve ovation. The Unigovernment legitimately claims credit for the brave decision. The political parties, speaking joyfully in unison, have shown rare national solidarity and a sense of collective self-esteem. Our capacity to make bomb has been backed for years by the will not to make one. But now that the time to talk peace from a position of strength has arrived and the arm-twisting by Western powers has become more severe, it is necessary to say "enough is enough" and show our indigenous capability to n ti if widely perceived servility and do a demonstrable

طارق اسمٰعیل ساگر

اے راہِ حق کے شہیدو	ڈبل باکس	حمود الرحمن کمیشن رپورٹ
اسامہ بن لادن	کمانڈو	چہروں کے [illegible]
دہشت گرد	دشمن کون تھا	گرفت
ڈرگ مافیا	دھوئیں کی دیوار	[illegible]
وطن کی مٹی گواہ رہنا	پھندہ	وادی پر رنگ
میں ایک جاسوس تھا	اور حصار ٹوٹ گیا	جب دشمن نے للکارا
کریک ڈاؤن	کٹ آؤٹ	محاصرہ
لہو کا سفر	جاسوس کیسے بنتا ہے	شکنجہ
را (RAW)	بیس کیمپ	ڈبل کراس
ریڈ الرٹ	اور امریکہ لرز اٹھا	ٹارگٹ کیوبا
انکل سام کا [illegible]	الاؤ	[illegible]

SKY
Alhamd market, Ghazni street,
40- Urdu Bazar, Lahore.Ph: 042-7223584